عورت، اسلام میں

تالیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ:

کرار حسین اظہری مبارکپوری

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

مؤسسة آل البيت (ع)

للتبليغ والارشاد والامور الخيرية

250/-

Acc No.....................Date.........
Section.........................Status.........
D.D. Class...
NAJAFI BOOK LIBRARY
AAL-ULBAYT (A.S) INSTITUTE FOR PROPAGATION,
GUIDANCE AND WELFARE AFFAIRS
PH: 32220676

786/3081

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے“

Acc No.....................Date.........
Section.........................Status.........
D.D. Class...
NAJAFI BOOK LIBRARY

پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیراً ﴾

(سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں رسول خدا ﷺ کی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیۂ مبارکہ پنجتن اصحاب کساء کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ''اہل بیت'' سے مراد وہی حضرات ہیں اور وہ: محمد ﷺ، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان کتابوں کی طرف رجوع کریں: مسند احمد بن حنبل (وفات ۲۴۱ھ): ج۱، ص۳۳۱، ج۴، ص۱۰۷، ج۶، ص۲۹۲ و ۳۰۴؛ صحیح مسلم (وفات ۲۶۱ھ): ج۷، ص۱۳۰؛ سنن ترمذی (وفات ۲۷۹ھ): ج۵، ص۳۶۱ و...؛ الذریۃ الطاہرۃ النبویۃ دولابی (وفات: ۳۱۰ھ): ص۱۰۸؛ السنن الکبریٰ نسائی (وفات ۳۰۳ھ): ج۵، ص۱۰۸ و ۱۱۳؛ المستدرک علی الصحیحین حاکم نیشاپوری (وفات: ۴۰۵ھ): ج۲، ص۴۱۶، ج۳، ص۱۳۳ و ۱۴۷ و ۱۱۳؛ البرہان زرکشی (وفات ۷۹۴ھ) ص۱۹۷؛ فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن حجر عسقلانی (وفات ۸۵۲ھ): ج۷، ص۱۰۴؛ اصول الکافی کلینی (وفات ۳۲۸ھ): ج۱، ص۲۸۷؛ الامامۃ والتبصرۃ ابن بابویہ (وفات ۳۲۹ھ): ص۴۷، ح۲۹؛ دعائم الاسلام مغربی (وفات ۳۶۳ھ): ص۳۵ و ۳۷؛ الخصال شیخ صدوق (وفات ۳۸۱ھ): ص۴۰۳ و ۵۵۰؛ الامالی شیخ طوسی (وفات ۴۶۰ھ): ح۴۳۸، ۴۸۲ و ۷۸۳ نیز مندرجہ ذیل کتابوں میں اس آیت کی تفسیر کی طرف مراجعہ کریں: جامع البیان طبری (وفات ۳۱۰ھ)؛ احکام القرآن جصاص (وفات ۳۷۰ھ)؛ اسباب النزول واحدی (وفات ۴۶۸ھ)؛ زاد المسیر ابن جوزی (وفات ۵۹۷ھ)؛ الجامع لاحکام القرآن قرطبی (وفات ۶۷۱ھ)؛ تفسیر ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ)؛ تفسیر ثعالبی (وفات ۸۲۵ھ)؛ الدر المنثور سیوطی (وفات ۹۱۱ھ)؛ فتح القدیر شوکانی (وفات ۱۲۵۰ھ)؛ تفسیر عیاشی (وفات ۳۲۰ھ)؛ تفسیر قمی (وفات: ۳۲۹ھ)؛ تفسیر فرات کوفی (وفات ۳۵۲ھ) آیۂ اولوا الامر کے ذیل میں؛ مجمع البیان طبرسی (وفات ۵۶۰ھ) اور بہت سی دوسری کتابیں۔

عورت، اسلام میں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

”انی تارک فیکم الثقلین، کتاب اللہ، وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا ابدا وانھما لن یفترقا حتّیٰ یردا علیّ الحوض“.

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدااور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگرتم انھیں اختیار کئے رہوتو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدانہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پرمیرے پاس پہنچیں“۔

اس حدیث شریف کومتواتر اوراس کے مشابہ دوسری حدیثیں مختلف تعبیروں کے ساتھ شیعہ اوراہل سنت کی مختلف کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں۔

(اختلاف عبارت کے ساتھ: صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن دارمی: ۴۳۲/۲، مسند احمد: ج ۳، ۱۴، ۱۷، ۲۶، ۵۹، ۳۶۶/۴ و ۱۸۲/۵.۳۷۱ اور ۱۸۹، مستدرک حاکم: ۱۰۹/۳، ۱۴۸، ۵۳۳. وغیرہ.)

عورت، اسلام میں

تالیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ:

کرار حسین اظہری مبارکپوری

مجمع جہانی اہل بیت ؑ

نام کتاب: عورت، اسلام میں
تالیف: علامہ سید محمد حسین طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ
پیشکش: معاونت فرہنگی، ادارۂ ترجمہ، مجمع جہانی اہل بیت (ع)
ترجمہ: کرار حسین اظہری مبارکپوری
نظر ثانی: مرغوب عالم عسکری
کمپوزنگ: محمد رضا اظہری
ناشر: مجمع جہانی اہل بیت (ع)
مؤسسة آل البيت (ع)
للتبليغ والارشاد والامور الخيرية
طبع اول: ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء
مطبع: لیلا
تعداد: ۲۰۰۰
ISBN:978-964-529-597-2
WWW.ahl-ul-bayt.org
info@ahl-ul-bayt.org

حرف اوّل

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت وظرفیت کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتی ہے حتیٰ ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے ہیں غنچے اور کلیاں رنگ ونکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ وراہ اجالوں سے پرنور ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیّاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت وقابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ ومؤسس سرور کائناتؐ غار حرا سے مشعل حق لیکر آئے اور علم وآگہی کی پیاسی ایک دنیا کو چشمۂ حق وحقیقت سے سیراب کر دیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل، فطرت انسانی سے ہم آہنگ وارتقاء بشریت کی ضرورت تھا۔ اس لئے تیئس برس کے مختصر سے عرصے میں ہی اسلام کی عالم تاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمران ایران وروم کی قدیم تہذیبیں اسلامی اقدار کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت وعمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ ولولہ اور شعور نہ رکھتے ہوں تو مذاہب عقل وآگاہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھو دیتے ہیں یہی وجہ ہے ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان ومذاہب اور تہذیب و

روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگر چہ رسولؐ اسلام کی یہ گراں بہا میراث کو جس کی اہلبیتؑ اور ان کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہو کر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت وسیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہلبیتؑ نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا، چودہ سو سال کے عرصہ میں بہت سے ایسے جلیل القدر علما اور دانشور دنیائے اسلام کو پیش کئے جنہوں نے بیرونی افکار ونظریات سے متاثر اسلام وقرآن مخالف فکری ونظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے ہر دور اور زمانہ میں ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے۔

خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام وقرآن اور مکتب اہلبیتؑ کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری ومعنوی قوت واقتدار کو توڑنے کیلئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب وکامران زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبیتاب ہیں۔ یہ زمانہ علمی و فکری مقابلہ کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر واشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل وشعور کو جذب کرنے والے افکار ونظریات دنیا تک پہنچائے گا وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

مجمع جہانی اہلبیت ؑ (عالمی اہلبیتؑ کونسل) نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہلبیتؑ عصمت وطہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری ویکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے۔

موجودہ دنیائے بشریت جوقرآن وعترت کے صاف وشفاف معارف کی پیاسی ہے، زیادہ سے زیادہ عشق ومعنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان وولایت سے سیراب ہوسکے۔ ہمیں یقین ہے، عقل وخرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہلبیت عصمت وطہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علم بردار خاندان نبوت ورسالت کی جاوداں میراث، اپنے صحیح خدوخال میں دنیا تک پہنچا دی جائے تو اخلاق وانسانیت کی دشمن، انانیت کی شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب وثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو، امن ونجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصرؑ کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی وتحقیقی کوششوں کیلئے محققین ومصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمت گار تصور کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب، مکتب اہلبیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے مفکر جلیل ''علامہ محمد حسین طباطبائیؒ'' کی گراں قدر کتاب ''عورت، اسلام میں'' کو فاضل جلیل مولانا کرار حسین اظہری مبارکپوری صاحب نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم ان تمام حضرات کے شکر گذار اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں۔ اس منزل میں ہم اپنے ان تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

عرض مترجم

عالم ربانی علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی مدلل کتاب ''زن در اسلام'' کا اردو میں ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا میں مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام کے تمام کارکن افراد کا شکر گزار ہوں کہ حقیر کو سنہرا موقع عنایت فرمایا اس کتاب میں بہت سے علمی وفکری حقائق ودقائق ہیں اور بہت سی ایسی پیچیدہ علمی اصطلاحات ہیں جن کا تعلق صرف خواص سے ہے اوران کا ترجمہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حقیر نے اس سے پہلے علامہ کی ایک عظیم ومہم کتاب سنن النبیؐ کا ترجمہ کیا جو اسلامی اخلاق و آداب پر مشتمل ہے اور ہر مسلمان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے تا کہ سنت نبوی پر عمل کر سکے اور آیت قرآنی کا امتثال کر سکے بہر حال اس کتاب میں میں نے علامہؒ کے مفصل حالات اور چند کرامات کا تذکرہ کیا تھا مگر اسے حذف کر دیا گیا لہٰذا میں نے اسے دوبارہ اپنے ''کشکول اظہری'' کی چوبیسویں جلد میں درج کیا سنن النبی کا ترجمہ جامعہ المصطفیٰ العالمیہ (سابق مرکز جہانی علوم اسلامی) حوزۂ علمیہ قم مقدسہ کی جانب سے ۱۴۲۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

عربی فارسی اور اردو کی کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں تا کہ علامہؒ کے اس دعویٰ پر مزید دلیل

بن سکیں جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر زبان میں عورتوں کے بارے میں بری سے بری مثالیں موجود ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قوم وملت نے عورت کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھا ہے صرف اسلام اور ہادیان اسلام ہیں کہ جنھوں نے عورت کے سر پر عزت وعظمت اور شرافت کا تاج رکھا ہے اور اسے بھی مرد کی طرح انسانی معاشرہ کا ایک رکن اور جزء قرار دیا ہے۔ اب اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ''اِنَّ النِّسَآءَ حَبَآئِلُ الشَّیْطَانِ'': خواتین، شیطان کا جال ہیں۔(۱)

۲۔ زن بلاست ہیچ خانہ اے بے بلا نباشد: عورت ایک مصیبت ہے اور کوئی گھر مصیبت سے خالی نہیں ہے۔(۲)

۳۔ زن سلیطہ، شوہر مرداست: بدزبان اور زبان دراز عورت اپنے مرد کی شوہر ہوتی ہے۔(۳)

۴۔ زن نداری غم نداری: جب بیوی نہیں تو کوئی غم بھی نہیں، ایک بیوی ہزار بلا۔(۴)

فارسی کے مشہور شاعر جامؔی نے کہا ہے:

زن از پہلوئے چپ شد آفریدہ کس از چپ راستی ہرگز ندیدہ(۵)

۵۔ عورت کی ذات بے وفا ہوتی ہے۔(۶)

۶۔ ''عورت کی عقل گدّی پیچھے''، یعنی عورت دیر میں سمجھتی ہے۔(۷)

۷۔ ''عورت کی ناک نہ ہوتی تو گوکھاتی''، یعنی عورت بے وقوف ہے۔(۸)

مترجم: کرار حسین اظہری مبارکپوری ہندی

نزیل حوزۂ علمیہ قم مقدسہ۔ ۱۰ر صفر ۱۴۳۰ھ

ا۔ المنجد (عربی): ص ۱۰۱۰، حرف ''ن'' فرائد الادب۔
۲۔ امثال وحکم: دہخدا: ۹۲۱/۲۔
۳۔ امثال وحکم: دہخدا: ۹۲۱/۲، بحوالہ جامع التمثیل۔
۴۔ حسن اللغات: ص ۱۰۰۱۔
۵۔ امثال وحکم: ۹۲۱/۲۔ ۶۔ مہذب اللغات: ۲۱۹/۸۔
(۷و۸) نسیم اللغات: ص ۶۵۹۔

مقدمہ ادارہ ھذا

علامہ سید محمد حسین طباطبائی تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جو قرآن کے ایک عظیم الشان مفسر اور دور حاضر کے نامی گرامی فلسفی تھے آپ ۱۲۸۱ھ شمسی [مطابق ۱۳۲۳ھ قمری، ۱۹۰۲ء] میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے ۱۲۹۷ھ شمسی سے دینی علوم کے حصول میں مشغول ہوئے اور پھر ۱۳۰۴ھ شمسی میں تکمیل علوم کے لئے نجف اشرف کے حوزۂ علمیہ میں داخل ہوئے آپ نے وہاں دس ر سال تک آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی، آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، آیت اللہ نائینی اور حکیم بادکوبہ ای رضوان اللہ علیہم سے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی اسی دوران فلسفہ، کلام، ریاضی واخلاق اور علم رجال کی بھی تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۱۴ھ شمسی میں اپنے وطن تبریز واپس آگئے دس ر سال تک وطن میں رہے اس کے بعد ۱۳۲۵ھ شمسی میں حوزۂ علمیہ قم تشریف لائے اور ایک فکری انقلاب پیدا کیا اس وقت تفسیر قرآن اور فلسفہ کے درس میں کوئی رونق نہیں تھی آپ نے حوزہ میں ان درسوں کا آغاز کیا اور ان دونوں علوم میں تدریس وتالیف پر زور دیا بلکہ خاص طور سے ''قرآن ہی سے قرآن کی تفسیر'' سے قرآنی محققین کو آشنا کیا آخر کار ماہ آبان ۱۳۶۰ھ شمسی [مطابق ۱۴۰۲ھ قمری، ۱۹۸۱ء] میں

رحلت فرما گئے۔

علامہ طباطبائیؒ ان گنے ہوئے چند علماء میں سے ہیں جنھوں نے کثرت تالیف کے ساتھ تحقیق بھی کی اور آپ نے بہت عظیم و پر برکت کارنامہ انجام دیا موصوف کے بعض آثار مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔شیعہ در اسلام۔

۲۔قرآن در اسلام (اس کتاب کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے ایران اور دنیا کی کئی یونیورسٹیوں میں اس کتاب کا درس بھی دیا جاتا ہے)۔

۳۔سنن النبی۔ ۴۔ہدایۃ الحکمۃ۔ ۵۔نہایۃ الحکمۃ۔

۶۔اصول فلسفہ وروش رئالیسم (آپ نے حوزۂ علمیہ قم میں اس کا درس دیا اور مادی فلسفہ کو رد کرتے ہوئے پہلے حوزہ کے علماء کے درمیان اسے پیش کیا پھر یہ مباحث ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔

۷۔المیزان فی تفسیر القرآن (یہ کتاب بیس رجلدوں پر مشتمل ہے اور علماء کے نزدیک اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

کتاب حاضر درحقیقت استاد علامہ سید محمد حسن طباطبائیؒ کے مباحث کا پہلا حصہ ہے جسے آپ نے ''اسلام اور قرآن میں عورت کی عظمت'' کے موضوع پر تحریر فرمایا ان میں سے بعض مطالب کو آپ نے مستقل طور پر اور بعض کو تفسیر ''المیزان'' کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

افسوس کہ یہ مجموعہ ابھی تک تنقیح و تصحیح کے ساتھ شائع نہیں ہو سکا تھا اور گزشتہ ایڈیشنوں میں

بہت سی خامیاں رہ گئی تھیں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ سارے نواقص دور ہو جائیں اور ایک قابل اعتماد نسخہ تمام محققین کی نظروں کے سامنے آئے۔

دفتر تنظیم ونشر آثار

علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ

محقق کا مقدمہ

آیت اللہ علامہ طباطبائیؒ قرآن کی عظیم الشان تفسیر ''المیزان'' کے مؤلف ہیں، مذہب شیعہ کے ایک ایسے عالم ہیں جو کم نظیر اور متعدد علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے آپ نے تفسیر ''المیزان'' میں قرآن کریم کی ان آیات کی تفسیر کے دوران جن میں لوگوں نے نزاع واختلاف کیا ہے یا کوئی شبہہ ایجاد کیا ہے اس میں آیات کی تفسیر کے بعد اپنا نظریہ ظاہر کر کے اس موضوع کی تحقیق کی ہے اور بڑے اچھے اور نئے نئے نکات پیش کئے ہیں۔

جناب علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ نے آیات قرآن کی صرف متداول ورائج تفسیر ہی پر اکتفاء نہیں کیا ہے اور آیات کے صرف ادبی تجزیے وتحلیل پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کی ہے بلکہ آپ نے یہ کوشش کی ہے کہ آپ کے زمانہ میں اسلامی موضوعات کے سلسلہ میں اہل نظر

اور نقاد افراد نے جو نظریات واعتراضات پیش کئے ہیں پوری توجہ کے ساتھ ان کی بھی تحقیق کریں۔

آپ نے ان نظریات پر ہر پہلو سے بحث کی ہے جو اعتراضات کئے جا چکے ہیں یا ممکن ہے کہ بعد میں کئے جائیں آپ نے ان سب کے بارے میں بحث کی ہے اور ان کی موشگافی کے ساتھ تمام شبہات واعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔

''المیزان'' دور حاضر کی ایک عظیم الشان تفسیر ہے اسی لئے تفسیر اور دینی مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تمام افراد اپنی تحقیقات میں اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس تفسیر میں ایک متکلم، اسلامی فلسفی اور ایک فقیہ و مفسر کی جانب سے متعدد اسلامی مباحث بڑے اچھے انداز میں پیش کئے گئے ہیں ان سارے مباحث میں سے ایک نہایت حساس موضوع ''عورت اور اس سے مربوط مسائل'' ہے۔

اس کتاب میں فارسی کے چار مستقل مقالوں کے علاوہ علامہ طباطبائیؒ کی دو مزید تحریریں بھی شامل ہیں جو عورت کے بارے میں ہیں۔

چونکہ تفسیر المیزان عربی زبان میں ہے اور اکثر لوگ اس سے استفادہ نہیں کر سکتے افسوس کہ اس کا [فارسی] ترجمہ بھی سلیس اور قابل فہم نہیں ہے لہٰذا ہم نے سوچا کہ عورت کے بارے میں مذکورہ دونوں نوشتوں کو مستقل طور پر ترجمہ میں تصحیح واصلاح کے ساتھ محترم قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

محترم مترجم کا ترجمہ ان کے فضل واحترام کے پیش نظر محفوظ رکھا گیا ہے ترجمہ کے متن پر صرف نظر ثانی کی گئی ہے اور احتمالی خطا کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے۔ اس بات پر مزید

اطمینان کے لئے کہ یہ سارے مطالب صاحبِ المیز ان کی عبارت سے شروع سے آخر تک ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ کو المیز ان کے متن سے تطبیق دیا گیا ہے چنانچہ مطابقت کے دوران بہت سے مطالب میں تصرف وتبدیلی کی گئی اور مترجم نے اپنی طرف سے جن مطالب کا اضافہ کیا تھا انھیں حذف کر دیا گیا البتہ اس بات کی رعایت کرتے ہوئے کہ ان کے سلیس ترجمہ میں کوئی خدشہ وارد نہ ہو سکے۔

المیز ان کا ترجمہ آزاد صورت میں انجام دیا گیا ہے چنانچہ بہت سے مقامات پر نامانوس عربی کلمات اور علمی وفنی اصطلاحات آ گئی ہیں ۔اس طرح کی تمام عبارتیں فارسی کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھیں اور وہ فارسی کے معیار سے بہت بلند تھیں کہیں ایک ایک صفحہ کا فاصلہ تھا اور بالعموم ''واو'' عاطفہ کے ساتھ لکھی گئی تھیں۔ عام طور سے تمام لوگوں کے لئے قابل فہم ہونے کے لئے فارسی ترجمہ کے متن اور مفہوم کو محفوظ رکھتے ہوئے بنیادی طور پر تبدیلی کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ ضروری اصلاحات کو بھی انجام دیا گیا ہے۔

آیت اللہ سید محمد باقر موسوی ہمدانی مرحوم نے جو تفسیر المیز ان کا ترجمہ کیا ہے یہ کتاب انھیں کے ترجمہ کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہے۔

اس کتاب میں موجود تمام قرآنی آیات کے ترجمہ کو جناب محمد مہدی فولادوند کے ترجمۂ قرآن سے پیش کیا گیا ہے تا کہ ہر مقام پر یکسانیت برقرار رہے۔

محمد مرادی

عورت

عورت (۱)

اسلام کے قوانین کو خداوند عالم نے بنایا ہے (جس کی وجہ سے اس کے قوانین کی بنیاد انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق تجربہ کی بنیاد پر نہیں ہے) ہم خدا کی شریعتوں کو درک کرنے اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں اس بات کے محتاج ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ تمام امتوں کے درمیان جو قوانین اور رسم ورواج تھے ان کے بارے میں غور وفکر کریں۔

دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ ہم انسان کی سعادت وخوش نصیبی کے بارے میں بھی تحقیق کریں پھر ان دونوں تحقیق کے نتیجہ کو ایک دوسرے کے ساتھ تطبیق دیں تا کہ ہمیں اسلام اور اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور مسلک وملت کے قوانین کی اہمیت کا اندازہ

ہو سکے پھر اس کی زندہ و باشعور روح کو ان قوانین کے تناظر میں امتیازی حیثیت سے دیکھیں۔

اسی لئے ضروری ہے کہ تمام ملتوں کی تاریخ کو پڑھا جائے نزدیک سے ان کا مطالعہ کیا جائے اور موجودہ زمانہ کی تمام ملتوں کے مذہب اور ان کی خصلت کی چھان بین کی جائے۔

---

(۱) المیزان: ۲/۲۶۰۔۲۷۶؛ ترجمۂ فارسی: ۲/۳۹۳۔۴۱۸۔

یہی تو وہ مقام ہے جہاں اسلام کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے پھر ہم یہ احتمال نہیں دے سکتے کہ گزشتہ اور موجودہ باتوں میں کوئی بہتر و مکمل قانون ہے اور ہم اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہم اس مسئلہ پر کئی پہلوؤں سے تحقیق کریں گے:

۱۔ اسلام میں عورت کی ماہیت و حقیقت؟ عورت اور مرد کی ماہیت میں کیا فرق ہے؟

۲۔ معاشرہ میں عورت کی کیا اہمیت ہے؟ انسان کی زندگی میں عورت کا اثر کس حد تک ہے؟

۳۔ عورت کے کون کون سے حقوق اور کس طرح کے احکام تشریع ہوئے ہیں؟

۴۔ عورت سے متعلق جو احکام و قوانین تشریع ہوئے ہیں وہ کس بنیاد پر ہیں؟ اس بحث کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی زندگی کی تاریخ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ہم اس پر روشنی ڈالیں اور اس کے بارے میں غور و فکر کریں اور یہ دیکھیں کہ اسلام سے پہلے جو قومیں آتی رہیں اور اسلام کے بعد سے دور حاضر تک جو غیر مسلمان قومیں چاہے وہ تہذیب یافتہ رہی ہوں یا بالکل پچھڑی ہوں ان

سب نے عورت کے بارے میں کیا کہا ہے اور اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے؟

معلوم ہے کہ اس مسئلہ کی تاریخی طور پر تحقیق اگر مکمل طور پر انجام دی جائے تو اس کتاب میں اس کے تحمل کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا ہم صرف مختصر تاریخ بیان کرنے پر مجبور ہیں۔

عورت پچھڑی ہوئی قوموں میں

وحشی امتوں اور پسماندہ قبیلوں منجملہ افریقہ، آسٹریلیا، جزائر اقیانوس اور قدیم امریکہ وغیرہ میں رہنے والوں کے درمیان مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی زندگی اہلی (پالتو) جانوروں کی زندگی کے مانند تھی جو برتاؤ مرد لوگ پالتو جانوروں کے ساتھ کرتے تھے وہی عورتوں کے ساتھ بھی کرتے تھے یعنی انسان طبیعی طور پر اپنی خدمت لینا چاہتا ہے وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ گائے، گوسفند، اونٹ اور دوسرے پالتو جانوروں کا مالک بنے اور ان میں جس طرح بھی تصرف کرنا چاہے کرے اور انھیں اپنی تمام ضرورتوں میں استعمال کرے، ان کے گوشت، پوست ہڈی، چمڑے اور دودھ سے استفادہ کرے۔ وہ اسی مقصد کے پیش نظر ان کو پالتا تھا اور ان کی حفاظت کرتا تھا ان کے نر و مادہ میں جفتی کراتا تھا تا کہ ان کے بچوں سے بھی استفادہ کرے، ان کی پشت پر بوجھ لادتا تھا، زمین جوتنے، کھلیان کوٹنے اور شکار کرنے میں انھیں استعمال کرتا تھا اسی طرح مختلف طریقوں سے انھیں ایسے ایسے کاموں میں استعمال کرتا تھا جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ سارے بے زبان حیوان اپنی زندگی سے جو لطف اٹھانا چاہتے تھے اور جو کچھ کھانا پینا چاہتے نیز جس طرح آرام کرنا اور جفت گیری کرنا چاہتے تھے اس سے محروم تھے وہ صرف

اتنا ہی بہرمند ہو سکتے تھے جتنا ان کے مالک کی مرضی ہوتی تھی انسان نے انھیں صرف اتنا اختیار دیا تھا کہ انسان کی اطاعت کرنے میں ان کے اغراض ومقاصد کی مخالفت نہ کریں اور انھیں فائدہ پہنچائیں۔

اسی لئے بار ہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جانوروں سے فائدہ اٹھانا اس کے ساتھ ایسے برتاؤ کا باعث ہوتا ہے جو بہت زیادہ ظالمانہ ہوا گر حیوان کے پاس زبان ہوتی اور وہ خود ہی اپنی قسمت کا فیصلہ کرتا تو اس کے ساتھ جو اتنی زیادہ زبردستی کی جاتی ہے اس سے اس کی فریاد بلند ہو جاتی کیونکہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو کسی قسم کے جرم کے مرتکب نہیں ہوتے مگر ان پر ظلم کیا جاتا ہے اور کتنے حیوانات ایسے ہیں جن کے اوپر ان کے مالک کی طرف سے ظلم ہوتا ہے وہ مدد طلب کرتے ہیں لیکن ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوتا اور بہت سے ایسے ظالم بھی ہیں جو بغیر کسی رکاوٹ کے برابر ظلم کرتے رہتے ہیں کیونکہ بہت سے جانور ایسے ہیں جن کی زندگی بغیر کسی استحقاق کے لذت بخش ہوتی ہے جیسے گھوڑا کہ جس سے تخم گیری کے لئے وہ ناز ونعمت میں زندگی بسر کرتا ہے اس کے برعکس کتنے جانور ایسے ہیں جو بغیر کسی قصور کے بڑی سختی کی زندگی گزارتے ہیں جیسے بوجھ اٹھانے والا گدھا اور وہ گھوڑا جس سے چکی میں مدد لی جاتی ہے۔ حیوان اپنے لئے زندگی میں کوئی حق ہی نہیں رکھتا سوائے ان حقوق کے جن کا قائل اس کا مالک ہے، اگر کوئی جانور کو اذیت دیتا ہے تو اسے روکا ٹوکا نہیں جاتا مگر صرف اس لئے کہ اس نے جانور کے مالک کو نقصان پہنچایا ہے اور اس کے قیمتی جانور کی قیمت کو گھٹا دیا ہے۔

یہ ساری دشواریاں اس لئے ہیں کہ انسان جانوروں کی زندگی وہستی کو اپنی ہستی کے لئے سمجھتا ہے اور جانوروں کی اہمیت کو اپنی زندگی کا فدیہ اور اپنے وجود کا مرہون منت جانتا

ہے۔

قوموں اور قبیلوں کے درمیان عورتوں کی زندگی بھی مردوں کی نظر میں ایسی ہی ہے، عورتوں کا وجود مردوں کے وجود کے تابع ہے، عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں، عورتوں کی ہستی وزندگی اور ان کا وجود مردوں کی ہستی وزندگی کے تابع ہے، انھیں اپنی زندگی میں نہ تو کوئی استقلال ہے اور نہ حق، عورت جب تک شادی نہ کرے باپ کی سرپرستی اور ولایت میں رہتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کی ولایت کے ماتحت ہو جاتی ہے وہ بھی ایسی ولایت جس کے لئے کوئی قید وشرط اور کوئی حد نہیں ہوتی، ان گزشتہ قوموں کے درمیان مرد کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی عورت کو جسے چاہے فروخت کر دے یا اسے بخشش کے عنوان سے جسے چاہے بخش دے یا اسے بہ طور قرض کسی کو عطا کر دے تا کہ لوگ اس سے اپنا مطلب حاصل کریں اس سے بچے پیدا کریں اس سے اپنی خدمت لیں یا جس طرح بھی فائدہ اٹھانا چاہیں اٹھائیں مرد کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ عورت کو سزا دے، مارے، قیدی بنائے یہاں تک کہ قتل کر دے یا اسے بھوکا پیاسا چھوڑ دے چاہے وہ زندہ رہے یا مر جائے نیز مرد کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اسے (خاص طور سے قحط یا جشن کے وقت) جانوروں کی طرح کھینچے اور اس کا گوشت کھائے، جو چیز عورت کی تھی اسے اپنی سمجھتا تھا، عورت کے حق کو اپنا حق سمجھتا تھا خاص طور سے جب لین دین کا معاملہ ہوتا تھا تو وہ اپنے کو مالک ومختار سمجھتا تھا۔

عورت کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ آنکھ بند کر کے مرد (باپ ہو یا شوہر) کے حکم کی اطاعت کرے چاہے وہ دل سے راضی ہو یا نہ ہو اور عورت کی یہ ذمہ داری تھی کی وہ گھر کے اندر رہ کر امور خانہ داری، بچوں کی تربیت اور مرد کی زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرے،

اس پر فرض تھا کہ سب سے زیادہ سخت و دشوار کام کو بھی برداشت کرے اپنے کندھے پر سنگین بوجھ اٹھائے، گل کاری وغیرہ انجام دے اور صنعت وحرفہ کے شعبہ میں سب سے زیادہ حقیر کام کو منتخب کرے۔

یہ عجیب وغریب رویہ بعض قبیلوں میں اس حد تک تھا کہ جب کوئی حاملہ عورت بچہ کو جنم دے کے فارغ ہوتی تھی تو وہ بغیر کسی فاصلہ وآرام کے فوراً گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتی تھی جب کہ اس کا شوہر اپنے کو بیمار بتاتا تھا اور بستر پر سو جاتا تھا عورت اس کی پرستاری اور دیکھ بھال کرتی تھی۔

یہ ساری وہ باتیں تھیں جو پچھڑے ہوئے معاشرہ میں عورت کے بارے میں رائج تھیں اور جس سے عورت اپنی زندگی میں بہرہ مند تھی البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی خصلت وخصوصیت اور ان کا ظالمانہ رویہ خود انھیں سے مخصوص تھا، ہر قوم کے رسم ورواج ان کی موروثی عادات اور زندگی بسر کرنے کا طور طریقہ اور اس کا ماحول سب کچھ الگ الگ تھا جو شخص اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ تمام عادات ورسوم سے باخبر ہو جائے گا۔

عورت، اسلام سے پہلے ترقی یافتہ قوموں میں

اس زمانہ کی متمدن اور ترقی یافتہ قوموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے قومی رسم ورواج اور جن چیزوں کی انھیں عادت پڑ چکی تھی وہ انھیں خصوصیات کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے بغیر اس کے کہ ان کے رسم ورواج پر دلیل کے طور پر کوئی کتاب موجود ہو یا کوئی مجلس قانون ہو جیسے چین، ہندوستان، قدیم مصر اور ایران کے لوگ ان ساری قوموں کا

مشترکہ نظریہ یہ تھا کہ عورت کو کسی قسم کا استقلال اور آزادی حاصل نہیں ہے نہ تو وہ اپنا فیصلہ سنا سکتی ہے اور نہ کسی کام میں اسے آزادی حاصل ہے بلکہ زندگی کے تمام مرحلوں میں مرد کی سرپرستی میں رہنا چاہئے وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں انجام دے سکتی ہے اسے کسی اجتماعی کام میں مداخلت کا حق نہیں ہے نہ تو حکومت میں نہ قضاوت و فیصلہ میں اور نہ کسی دوسرے کام میں۔

جو ذمہ داریاں مرد کے اوپر ہیں وہ اس کے اوپر بھی عائد ہیں جیسے لین دین کا معاملہ اس کے علاوہ اس پر امور خانہ داری اور اولاد کی تربیت کی ذمہ داری بھی فرض ہے اور اس کا فریضہ یہ بھی ہے کہ مرد جو کچھ کہے اور جس طرح چاہے عورت اس کی اطاعت کرے۔

ان قوموں کے درمیان عورت کی زندگی غیر متمدن قوموں کی نسبت کچھ بہتر تھی وہ ان قوموں کی طرح قتل نہیں کی جاتی تھی اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تھا اور وہ مکمل طور سے مالکیت سے محروم نہیں تھی بلکہ اجمالی طور پر مالک بن سکتی تھی وہ، میراث کا حق رکھتی تھی اور شادی بھی کرتی تھی اگر چہ ان موارد میں بھی اس کی ملکیت اور اختیارات اس کی اپنی مرضی کے مطابق نہیں رہتے تھے۔

ان معاشروں میں مرد کئی عورتوں سے شادی کر سکتا تھا اس کے لئے کوئی محدودیت و رکاوٹ نہ تھی اسے یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ ان میں سے جسے بھی چاہے طلاق دے دے، بیوی کے مرنے کے بعد شوہر بلا فاصلہ دوسری شادی کر سکتا تھا لیکن عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد دوسرے مرد سے شادی نہیں کر سکتی تھی اور وہ غالباً گھر کے باہر دوسروں کے ساتھ نشست و برخاست سے محروم تھی۔

علاقوں کے لحاظ سے اور خاص حالات کے اعتبار سے ان ساری قوموں کے کچھ خاص احکام اور کچھ خاص رسمیں تھیں مثلاً ایران میں جو طبقاتی نظام حاکم تھا وہ اس امر کا باعث بنا کہ بلند طبقہ کی خواتین کو ملک وحکومت میں مداخلت کا حق حاصل ہے یہاں تک کہ وہ اپنے محرم لوگوں (جیسے بھائی اور بیٹے) کے ساتھ شادی کرنے کا حق بھی رکھتی ہیں۔

ہم نمونہ کے طور پر یہ بیان کر رہے ہیں کہ چین میں شادی ایک قسم کی خود فروشی اور عورت کی مملوکیت وغلامی تھی، عورت اس معاملہ میں اپنے کو یکبارگی فروخت کر دیتی تھی، وہ میراث سے محروم تھی اسے یہ حق حاصل نہیں تھا کہ مردوں کے ساتھ یہاں تک کہ خود اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھے، دو یا کئی مرد مل کر ایک عورت سے شادی کر لیتے تھے یہ سب لوگ مل جل کر آپس میں اس سے بہرہ مند ہوتے تھے جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو غالباً وہ اس کا بچہ کہلاتا تھا جوان تمام مردوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہوتا تھا۔

ہندوستان میں عورت اپنے شوہر کے تابع تھی شوہر کے مرنے کے بعد اس کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ دوسری شادی کرے بلکہ وہ زندہ زندہ اپنے مردہ شوہر کے ساتھ آگ میں جھونک دی جاتی تھی یا اگر زندہ رہ جاتی تھی تو نہایت پستی وخواری میں زندگی بسر کرتی تھی۔

قدیم ہندوستان کی خواتین حیض کے دوران نجاست وغلاظت سمجھی جاتی تھیں اس سے دوری اختیار کرنا ایک امر ضروری تھا یہاں تک کہ ان کے لباس اور وہ ساری چیزیں جو اس کے ہاتھ یا بدن کے دوسرے حصوں سے مس ہو جاتی تھی وہ نجس شمار کی جاتی تھی۔

ان قوموں کے درمیان خواتین کی جو حالت تھی اس کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے: عورتیں نہ تو انسان تھیں اور نہ حیوان بلکہ ان دونوں کے درمیان ان کا وجود ایک تیسری

حقیقت کا حامل تھا یعنی عورت سے ایک درمیانی اور کمزور انسان کی حیثیت سے استفادہ کیا جاتا تھا ایسا انسان جسے کسی طرح کا کوئی حق نہیں حاصل تھا مگر صرف یہ کہ وہ دوسرے انسانوں کے امور زندگی میں ان کی مدد کرے جیسے ایک بچہ جو حیوان اور انسان کامل کے درمیان کا ایک مرحلہ ہے وہ تمام انسانوں کی مدد کرتا ہے لیکن مستقل طور پر وہ خود کوئی حق نہیں رکھتا وہ اپنے باپ یا دوسرے سرپرستوں کی ولایت وسرپرستی میں ہوتا ہے ہاں! ایک چھوٹے بچہ اور ایک عورت کے درمیان یہ فرق تھا کہ بچہ بالغ ہونے کے بعد سرپرستی سے نجات پا جاتا تھا لیکن مظلوم عورت ہمیشہ دوسروں کی سرپرستی وماتحتی میں رہتی تھی۔

عورت، میڈنگ ہے، کلدانیوں، آشوریوں ورومیوں اور قدیم یونانیوں کے درمیان

اب تک ہم نے جن امتوں اور قوموں کا تذکرہ کیا وہ ایسی قومیں تھیں جن کے آداب و رسوم اکثر علاقہ کے حالات اور ان کی موروثی عادات وغیرہ کے مطابق تھے اور ظاہراً کسی کتاب وقانون کے مطابق نہ تھے کچھ ایسی قومیں بھی تھیں جن کے اوپر قانون یا کتاب کی حاکمیت تھی جیسے: کلدانی، رومی اور یونانی۔

''کلدہ'' اور'' آشور'' کے درمیان ''حامورابی'' (۱) قوانین کی حکمرانی تھی یہ لوگ انھیں قوانین کے مطابق عورت کو اس کے شوہر کے تابع سمجھتے تھے اور اسے استقلال سے محروم جانتے تھے، عورت کو نہ تو اس کے ارادہ میں کوئی استقلال تھا اور نہ ہی عمل میں یہاں تک کہ اگر عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرتی تھی یا مستقل طور پر کوئی عمل انجام دیدیتی تھی تو شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ اسے گھر سے نکال باہر کرے یا دوسری عورت سے شادی

کر لے اور اس کے بعد اس کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اس کے ساتھ ایک کنیز جیسا برتاؤ کرے اور اگر امور خانہ داری میں کوئی غلطی کر جاتی مثلاً اسراف یا فضول خرچی کرتی تھی تو شوہر کو یہ حق تھا کہ قاضی کے پاس جا کر اس کی شکایت کر دے اگر اس کا جرم ثابت ہو جاتا تھا تو اسے پانی کے اندر غرق کر دیا جاتا تھا۔

---

(۱) اب تک جتنے قوانین کے بارے میں معلومات فراہم ہو سکی ہیں یہ ان میں سب سے زیادہ قدیم قانون ہے، بابل کے جو پندرہ سلاطین تھے ان کے پہلے سلسلہ کا چھٹا بادشاہ جو حکومت بابل کا بانی تھا اس کے زمانہ میں یہ قوانین تدوین ہوئے تھے اور یہ قوانین شوش کے کھنڈر میں کشف ہوئے تھے ایک ایسے ستون کے اوپر نقش تھے جس کی لمبائی ۲/۲۵ گز تھی اور اس وقت فرانس کے ''لوور'' میوزیم میں وہ موجود ہیں۔

روم جو سب سے قدیم ملت ہے جس نے مدنی قوانین بنائے ہیں حضرت عیسیٰ ـ کی ولادت سے تقریباً چار سو (۴۰۰) سال پہلے سب سے پہلے اس نے قانون بنایا پھر آہستہ آہستہ ان قوانین کی تکمیل ہوتی رہی اس قانون میں گھر کے لئے ایک قسم کا استقلال تھا جس میں گھر کے سرپرست کے تمام دستورات کا اجرا کرنا واجب تھا وہ سرپرست یا تو شوہر ہوتا تھا یا اولاد کا باپ جو گھر والوں کی نسبت ایک قسم کی سرپرستی رکھتا تھا گھر والوں کے لئے اس کی اطاعت ضروری تھی جس طرح وہ خود بھی اپنے بچپن میں اپنے ان آباء واجداد کی اطاعت کرتا تھا کہ جنھوں نے اس سے پہلے اس خانوادگی نظام کو تشکیل دیا تھا، اس سرپرست کو مکمل طور سے یہ اختیار ہوتا تھا وہ جن چیزوں کا حکم دے گا وہ گھر والوں یعنی عورتوں اور بچوں کے درمیان نافذ ہونا ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ مصلحت دیکھتا تھا کہ فلاں عورت یا فلاں اولاد کا قتل کرنا ضروری ہے تو بغیر کسی چوں چرا کے اس کی اطاعت ہوتی تھی کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی مخالفت کرے۔

گھر کی عورتیں یعنی بیوی، بیٹی اور بہن مردوں اور اپنے بیٹوں کی نسبت سے بدترین

حالت سے دچار ہوتی تھیں جب کہ تمام مرد حتیٰ خود بیٹے بھی گھر کے سرپرست کے مطلق طور پر تابع ہوتے تھے لیکن ان لوگوں میں عورتوں کا یہ حال رہتا تھا کہ وہ اصولی طور پر معاشرہ کا کوئی جزء ہی شمار نہیں ہوتی تھیں نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی کوئی شکایت ہی نہیں سنی جاتی تھی، ان کی جانب سے دائر کیا جانے والا کوئی معاملہ بھی معتبر و نافذ نہیں مانا جاتا تھا، اجتماعی معاملات میں کسی عنوان سے بھی انھیں مداخلت کی کوئی اجازت نہیں تھی لیکن گھر کے مرد مثلاً یعنی بیٹے اور سرپرست کے بھائی یہاں تک کہ منھ بولے بیٹے (۱) بھی

---

(۱) اس زمانہ میں رومیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور عربوں کے درمیان منھ بولے بیٹے کا رواج تھا۔

سرپرست سے اجازت لے کر مستقل ہو جاتے تھے اور اپنی زندگی کے تمام امور کو سنبھال لیتے تھے۔

قدیم روم میں خواتین گھر اور خاندان کے اصلی ارکان میں شمار نہیں ہوتی تھیں، ایک خانوادہ کو صرف مرد لوگ تشکیل دیتے تھے اور عورتیں خانوادہ کی تابع ہوا کرتی تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ رسمی اجتماعی قرابت جو توارث وغیرہ میں موثر تھی وہ صرف مردوں سے مخصوص ہوتی تھی، عورتیں نہ تو خود عورتوں کے درمیان کوئی قرابت و رشتہ داری رکھتی تھیں اور نہ تو عورتوں اور مردوں کے درمیان یہاں تک کہ بیوی اور شوہر کے درمیان بھی کوئی خویشاوندی نہیں ہوتی تھی، بیٹے اور ماں، بہن اور بھائی، بیٹی اور باپ کے درمیان ایسی خویشاوندی نہ تھی جو ایک دوسرے سے میراث پانے کا سبب بنتی۔

ہاں! صرف ایک طبیعی قرابت تھی (جس سے مرد اور عورت کے درمیان آپسی رابطہ پیدا ہو جاتا تھا اور پھر دونوں سے اولادیں پیدا ہوتی تھیں) اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ اسی

قانونی قرابت کا نہ ہونا ہی باعث و مجوز بن جاتا تھا کہ محرم لوگ آپس میں شادیاں کر لیتے تھے اور گھر کا سرپرست جو تمام لڑکیوں اور عورتوں کا ولی و سرپرست ہوتا تھا وہ اپنی ہی بیٹی سے شادی کر لیتا تھا کیونکہ لڑکی کا ولی و سرپرست وہی ہوتا تھا لہٰذا اس کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ ایک مدنی معاشرہ میں رومیوں کی نظر میں عورت کا وجود ''طفیلی'' تھا اور اس کی زندگی مرد کی زندگی کے تابع تھی، زندگی کی ساری ذمہ داریاں گھر کے سرپرست کے سر ہوا کرتی تھیں اور وہ سرپرست یا تو باپ ہوتا تھا (جب گھر میں باپ موجود ہوتا تھا) یا شوہر ہوتا تھا (جب گھر کے اندر شوہر کے نام سے کوئی ہوتا تھا) یا ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا مرد ہوتا تھا، گھر کا سرپرست جو چاہتا تھا کرتا تھا، اس کا دل جو حکم چاہتا تھا اسے نافذ کرتا تھا وہ اکثر و بیشتر عورت کو فروخت کر دیا کرتا تھا یا دوسرے کو بخش دیتا تھا یا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو قرض کے عنوان سے دے دیتا تھا اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب اس کی گردن پر کسی کا کوئی حق مثلاً قرض وغیرہ ہوتا تھا تو وہ اپنی بہن یا بیٹی کو اس کے سپرد کر دیتا تھا اور کبھی اسے ڈنڈے مارتا یہاں تک کہ کبھی سزا کے طور پر قتل بھی کر دیتا تھا، خواتین کے مال کی تدبیر بھی مردوں کے اختیار میں ہوتی تھی چاہے وہ مال مہر کے عنوان سے شادی کے ذریعہ ان کے ہاتھوں میں آیا ہو اس عورت نے اپنے ولی سے اجازت لے کر خود کمایا ہو، عورت کو میراث نہیں ملتی تھی وہ اس سے محروم رہتی تھی، بیٹی یا عورت کی شادی کا اختیار باپ یا قوم کے کسی بزرگ کو ہوا کرتا تھا، طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہوتا تھا یہ تھی! روم میں عورت کی حالت۔

یونان میں بھی خانوادہ اور خانوادہ کی سرپرستی کا نظام بالکل روم ہی جیسا تھا یعنی مدنی معاشرہ کا رکن و قوام صرف مرد لوگ تھے اور عورتیں مردوں کی طفیلی شمار ہوتی تھیں اسی لئے

عورت کو اپنے کسی کام میں کوئی اختیار و استقلال نہیں تھا وہ مرد کی سرپرستی میں رہتی تھی لیکن ان تمام قوموں نے اپنے قوانین کی خلاف ورزی کی کیونکہ وہ لوگ صرف اپنے نفع حاصل کرنے میں عورت کو طفیلی سمجھتے تھے اور ان کا نظریہ یہ ہوتا تھا کہ اگر عورتیں نیکی انجام دیتی تھیں تو اس کا اجر مردوں کو ملتا تھا لیکن اگر برائی انجام دیتی تھیں تو ان کی تنبیہ کی جاتی تھی اور انھیں سزا دی جاتی تھی، عورت غلطی کرتی تھی تو سزا پاتی تھی لیکن وہ اپنے اچھے کام کی کوئی جزا نہیں پاتی تھی، اس کی حالت اور وضعیت کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی اس کو صرف ایک طفیلی و ضمنی موجود کے عنوان سے دیکھا جاتا تھا اور وہ مرد کی سرپرستی میں زندگی گذارتی تھی۔

خود یہی ایک بہت بڑا شاہد ہے جو دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ ان سارے قوانین میں ان لوگوں کے نظریات کے مطابق عورت ایک کمزور موجود کا نام ہے یہ معاشرہ کا ایک جزء ہے لیکن ایسا کمزور جزء کہ جسے ایک قیم و سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے ان لوگوں نے عورت کو اسی نظریہ سے دیکھا ہے کہ عورت ایک نقصاندہ وجود ہے اس جراثیم کے مانند کہ جو معاشرہ کی طبیعت و فطرت کو تباہ کر دیتی ہے، اس کی صحت و سلامتی کو نقصان پہنچاتی ہے البتہ اس کے باوجود بھی وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ معاشرہ کو اس نقصاندہ اور مضر موجود کی شدید ضرورت ہے کیونکہ اگر عورت نہ رہے تو انسان کی آگے نسل نہیں بڑھ سکتی اسی لئے وہ لوگ کہتے تھے: ہمارے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم اس کی طرف توجہ کریں اور اس کے سخت کاموں کو اپنے ذمہ لیں۔

اگر وہ کسی جرم و خیانت کا ارتکاب کرے گی تو اس کی سزا پائے گی اور اگر نیکی انجام دے گی، اگر کوئی نفع پہنچائے گی تو مرد لوگ اس سے بہرہ مند ہوں گے، اس کے شر سے محفوظ

رہنے کے لئے اسے کسی وقت بھی آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ جو چاہے کرے، اسے ہمیشہ اس طاقتور دشمن کے مانند سمجھنا چاہئے جو جنگ میں شکست کھا کر اسیر ہو گیا ہو، جب تک وہ زندہ رہتا ہے اس پر کڑی نظر رکھنا ضروری ہوتی ہے، لہٰذا اگر وہ برا کام کرتی ہے تو سزا دی جائے گی لیکن اگر اچھا کام کرتی ہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا اور اس کی قدردانی کرنا ضروری نہیں ہے۔

آپ نے جو یہ سنا ہے کہ معاشرہ کا قوام مردوں کے وجود سے ہے یہی نظریہ باعث بن گیا کہ لوگوں کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ انسان کی حقیقی اولادیں اس کے بیٹے ہیں اور بیٹوں ہی سے نسل کا سلسلہ باقی و جاری رہتا ہے۔ یہی عقیدہ متبنّی کی اصطلاح (منھ بولا بیٹا) کے وجود میں آنے کا باعث بنا یعنی جن لوگوں کے بیٹے نہیں ہوتے تھے وہ کسی لڑکے کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے اور اسے اپنے سے ملحق کر لیتے تھے ایک واقعی بیٹے کے جو آثار و حقوق ہوتے تھے وہ سب اس کے بارے میں بھی جاری ہوتے تھے، ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ جس گھر میں کوئی لڑکا نہ ہو وہ ویران ہے اس گھر کی نسل کو زوال ہے اسی لئے وہ لوگ مجبور ہو کر دوسروں کے لڑکوں کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے تا کہ ان کے خیال و اعتقاد میں ان کی نسل کا خاتمہ نہ ہو جب کہ وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ یہ منھ بولا بیٹا دوسرے کا ہے اور یہ دوسرے کی نسل سے ہے مگر اس کے باوجود بھی اسے اپنا بیٹا سمجھتے تھے، اسے اپنی میراث دیتے تھے اور اس کی میراث خود بھی لیتے تھے اس طرح سے ایک اصلی بیٹے کے جو کچھ بھی آثار ہوتے تھے اس منھ بولے بیٹے کے بھی وہی سارے آثار و احکام ہوتے تھے۔

جب ان قوموں کا کوئی آدمی یہ یقین کر لیتا تھا کہ اب اسے اولاد نہیں ہوگی اور وہ کبھی بچہ دار نہ ہو سکے گا تو اپنے قریبی لوگوں مثلاً بھائی اور بھتیجے سے خوشامد کرتا تھا اور اس کو اپنی

بیوی کے بستر پر لیجاتا تھا تا کہ وہ اس کے ساتھ ہمبستر ہو اور پھر بچہ پیدا ہو تو اسے اپنا بچہ کہے اور اس کی نسل باقی رہے۔

شادی اور طلاق کا مسئلہ بھی یونان اور روم میں ایک ہی جیسا تھا دونوں قوموں میں ایک مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں اور جب ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں تو ان میں سے ایک بیوی قانونی ہوتی تھی اور بقیہ غیر قانونی ہوتی تھیں۔

عورت، اعراب کے درمیان

عرب لوگ اسی قدیم زمانہ سے عربستان کے جزیرہ نما علاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے وہاں کی زمین بے آب و گیاہ اور خشک وسوزاں تھی اس کے زیادہ تر باشندے صحرانشین قبیلوں سے تھے جن کے اندر کوئی تہذیب اور کوئی تمدن نہ تھا وہ لوگ لوٹ مار کر اپنی زندگی گزارتے تھے، عرب کا علاقہ مشرقی شمال سے ایران اور شمال کی جانب سے روم اور جنوب کی طرف سے حبشہ کے شہروں سے اور مغربی جانب سے مصر اور سوڈان سے متصل تھا، ان کی سب سے اہم رسم وحشت گری تھی اور ان تمام رسوم کے درمیان کہیں کہیں روم، ایران، ہندوستان اور قدیم مصر کی عادات ورسومات بھی دکھائی دیتی تھیں۔ عرب لوگ عورت کے لئے اس کی زندگی میں کسی استقلال کے قائل نہ تھے، ان کے درمیان نہ تو عورت کا کوئی احترام تھا اور نہ ہی کوئی عظمت تھی ان لوگوں کے نزدیک صرف گھر اور خاندان کا احترام تھا، ان کی عورتیں میراث نہیں پاتی تھیں، ایک شوہر کی متعدد بیویاں ہوتی تھیں جن کی کوئی خاص تعداد معین نہ تھی جیسا کہ یہودیوں کے یہاں بھی یہی رسم تھی،

اس طرح طلاق کے مسئلہ میں عورت کو کوئی اختیار ہی نہ تھا، لڑکیوں کو زندہ قبر کے اندر گاڑ دیا جاتا تھا جس قبیلہ نے سب سے پہلے یہ عمل انجام دیا وہ قبیلہ بنی تمیم تھا جس میں ایک واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے نعمان بن منذر سے جنگ کی ان کی کچھ لڑکیاں قیدی بنالی گئیں (جن کی داستان مشہور ہے) تو ان لوگوں نے نہایت غصہ کی حالت میں یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنی لڑکیوں کو قتل کردیا کریں گے اور انھیں زندہ درگور کردیں گے آہستہ آہستہ یہ رواج عرب کے دوسرے قبیلوں میں بھی شروع ہوگیا چنانچہ جب عربوں کے یہاں کوئی لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ لوگ اس کو فال بد سے تعبیر کرتے تھے وہ لڑکی کو اپنے لئے عیب سمجھتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے: ''یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَابُشِّرَ بِہٖ'' بیٹی جس کی اس کو خبر دی گئی ہے وہ عار ہے اپنی قوم کے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔(۱) باپ لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر لوگوں سے چھپ جایا کرتا تھا۔(۲) اس کے برعکس اگر کسی کے پاس جتنے زیادہ بیٹے (چاہے منھ بولے ہی کیوں نہ ہوں) ہوتے تھے وہ اتنا زیادہ خوش ہوتا تھا یہاں تک کہ جس شادی شدہ عورت کے یہاں زنا کے ذریعہ لڑکا پیدا ہوتا تھا وہ اس بچہ کو اپنے سے ملحق کرلیتا تھا اکثر ایسا اتفاق بھی ہوتا تھا کہ قوم کے بزرگ اور طاقتور افراد اس ناجائز بچے کے بارے میں آپس میں نزاع واختلاف کرنے لگتے تھے ہر ایک اسے اپنا لڑکا بتاتا تھا۔

البتہ عرب کے بعض خاندانوں میں یہ رسم بھی تھی کہ انھوں نے اپنی عورتوں خصوصاً اپنی لڑکیوں کو شادی کے سلسلہ میں خود مختاری دے رکھی تھی خود انھیں کی رضامندی وانتخاب کو معیار سمجھتے تھے، عرب کا یہ چلن ایک ایسی رسم کے مانند تھا جو بزرگ وشریف ایرانیوں کے درمیان ان کے طبقاتی لحاظ سے مرسوم تھا۔

بہر حال عرب لوگ عورتوں کے ساتھ جو برتاؤ کرتے تھے اس میں متمدن اور وحشی گری دونوں قوموں کے آثار و رسومات تھے کیونکہ وحشی لوگ کو حقوق نسواں کے سلسلہ میں استقلال کے قائل نہیں تھے اور انھیں اجتماعی امور جیسے قضاوت، زعامت، جنگ اور شادی میں شریک نہیں ہونے دیتے تھے، عورتوں کو جو شادی کا اختیار دیا جاتا تھا جب کہ انھیں زندگی کی تمام سہولتوں سے محروم رکھا جاتا تھا وہ خاندان کے رئیس کی پرستش و تقدیس کی

(۱) نحل (۱۶): ۵۹۔ (۲) الدر المنثور: ۱۳۹/۵۔

بنا پر نہیں تھا بلکہ وہ اس عنوان سے تھا کہ ایک طاقتور کی ایک کمزور پر حکمرانی تھی وہ جس طرح چاہتا تھا اس سے خدمت لیتا تھا۔

عربوں کے درمیان پرستش کا طریقہ یہ تھا کہ عرب کی تمام قومیں عورت اور مرد سبھی لوگ بتوں کو پوجتے تھے اور بتوں کے بارے میں ان کے جو عقائد تھے وہ وہی تھے جو صائبین کے ستارے کے متعلق اور مختلف ارباب کے بارے میں تھے، قبیلوں کی جو خواہشیں اور درخواستیں ہوتی تھیں عربوں کے بت بھی انھیں کے اعتبار سے مختلف قسم کے تھے وہ لوگ ستاروں اور فرشتوں کو پوجتے تھے (ان کے خیال میں فرشتے خدا کی بیٹیاں تھیں!) ان کے ذہنوں میں فرشتوں اور ستاروں کی جو خیالی صورتیں تھیں انھیں کے مطابق پتھر یا لکڑی کے بت بنا رکھے تھے، ان کی خواہشات اور مختلف خیالات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ بنی حنیفہ (جیسا کہ ان کے بارے میں منقول ہے) قبیلہ نے کھجور، کشک، روغن اور آٹے وغیرہ سے ایک بت تیار کیا اور مسلسل کئی سالوں تک اسے پوجتے رہے لیکن جب وہ لوگ قحط میں گرفتار ہوئے تو اپنے پروردگار ہی کو چٹ کر گئے!

ایک شاعر نے ان کے بارے میں کہا ہے:

اکلت حنیفة ربّها زمن التقحّم و المجاعة

لم یحذروا من ربّهم سوء العواقب و التباعة

بنی حنیفہ قبیلہ نے قحط اور بھوک کے وقت اپنے پروردگار کو کھالیا نہ تو وہ لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے اور نہ ہی انھیں اس کام کے برے انجام کی کوئی پرواہ ہوئی!!

اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ لوگ ایک مدت تک کسی پتھر کو پوجتے رہتے تھے لیکن جب انھیں کوئی دوسرا خوبصورت پتھر مل جاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو پوجنے لگتے تھے۔ جب انھیں پوجنے کے لئے کوئی چیز نہیں ملتی تھی تو کچھ خاک کو جمع کر کے دودھ دینے والی گوسفند کی مادہ کو وہاں لاتے تھے اسی خاک کے اوپر دودھ دوہتے تھے پھر اس خاک کا بت تیار کر کے اسے اپنے حلقہ میں لے کر اس کا طواف کرنے لگتے تھے!

ان معاشروں میں عورتوں کو جن چیزوں سے محروم رکھا گیا تھا اور انھیں جس طرح بد بخت سمجھا جاتا تھا اس کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی قوت ارادی میں کمزوری پیدا ہوگئی تھی، مختلف حوادث کے سلسلہ میں ان کے درمیان ایسے غلط خیالات اور تعجب خیز خرافات پیدا ہوگئے تھے جنھیں تاریخی کتابوں میں ضبط و ثبت کیا گیا ہے۔

یہ سب کچھ عورت کی اس حالت و حیثیت کا خلاصہ تھا جو اسلام سے پہلے اور ظہور اسلام کے وقت مختلف ادوار میں اہل عرب کے درمیان موجود تھا جسے مختصر طور پر پیش کیا گیا اور اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا اس کا خلاصہ و نتیجہ یہ ہے:

۱۔ اس زمانہ میں عورت کے بارے میں انسانوں کے دو طرح کے نظریات تھے:

ایک یہ کہ انسان عورت کو ایک بے زبان حیوان کے مانند سمجھتا تھا اور دوسرے یہ کہ اسے نہایت پست و کمزور انسان سمجھتا تھا، عورت وہ مخلوق ہے کہ مرد لوگ یعنی جملہ انسان اس کے آزاد رہنے کی صورت میں اس کے شر و فساد سے محفوظ نہیں رہ سکتے اسی لئے ہمیشہ اسے مرد کی اطاعت کی بیڑی پہنا دی جاتی ہے اور مردوں کے اوپر یہ فرض ہے کہ عورتوں کو ان کی زندگی میں آزاد نہ رہنے دیں، عورت کے متعلق پہلا نظریہ، وحشی قوموں کی سیرت کے مطابق تھا اور دوسرا نظریہ اس دور کی متمدن قوموں کے نظریہ کے مطابق تھا۔

۲۔ اسلام سے پہلے عورت کی اجتماعی حیثیت کے بارے میں انسان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کچھ قومیں عورت کو انسانی معاشرے سے الگ سمجھتی تھیں اور وہ عقیدہ رکھتی تھیں کہ عورت معاشرے اور سماج کا کوئی جزء نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ایسے شرائط سے ہے کہ جن سے بشر بے نیاز نہیں ہو سکتا مثلاً گھر کہ جس کا ہر حالت میں ہونا ضروری ہے تا کہ انسان اس کے اندر پناہ لے سکے۔

دوسروں کا عقیدہ یہ تھا کہ عورت ایک قیدی کے مانند ہے جسے اسیر بنا لیا گیا ہے اور وہ غلبہ حاصل کرنے والے معاشرہ کے تابع ہے کہ جس نے اسے اسیر کیا ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے خدمت لے اور اس سے پہونچنے والے نقصان کا دفاع کرے۔

۳۔ عورت ان قوموں کے درمیان رہ کر ان سارے حقوق سے محروم تھی جن سے بہرہ مند ہونا اس کے لئے ممکن تھا ہاں! عورت اپنی زندگی سے صرف اتنا ہی بہرہ مند ہونے کا حق رکھتی تھی جس سے مردوں کو فائدہ پہنچ سکے اور مرد کی حیثیت عورتوں کے لئے قیم و سرپرست کی سی تھی۔

۴۔ مردوں کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ اس بنیاد پر استوار تھا جیسے ایک طاقتور کا ایک کمزور پر ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ عورتوں کے ساتھ جو رویہ ان لوگوں کا تھا وہ صرف ان سے فائدہ اٹھانے کی بنیاد پر تھا یہ طور طریقہ غیر متمدن قوموں کا تھا لیکن متمدن قوموں کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس کے علاوہ ان لوگوں کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ عورت ایک کمزور موجود کا نام ہے وہ اپنی زندگی گزارنے پر توانائی نہیں رکھتی وہ ایک خطرناک موجود ہے جس کے شر و فساد سے بشر محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نظریہ مختلف قوموں کے آپس میں مل جانے اور زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وجود میں آیا ہو۔

اسلام نے عورت کے بارے میں کیا انقلاب برپا کیا؟

ہم نے جن نظریات کی تشریح کی (تقریباً) پوری دنیا میں عورت کے بارے میں لوگوں کے اسی طرح کے خیالات تھے اور ہم نے جن عادات و رسومات کی تفصیل بیان کی (غالباً) وہی (اس وقت) رائج تھیں، عورت ذلت و پستی میں گرفتار تھی اس کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ ناتوانائی اور ذلت اس کی ثانوی طبیعت بن چکی تھی، اس کے گوشت پوست میں اسی طبیعت کے ساتھ پروان چڑھتے تھے اور وہ اسی طبیعت کے ساتھ پیدا ہوتی تھی اور اسی کے ساتھ مر بھی جاتی تھی۔ عورت اور اس کی کمزوری، حقارت و پستی یہ الفاظ صرف مردوں ہی کی نظر میں نہیں بلکہ عورتوں کی نظر میں بھی ایک مثل بن چکے تھے جب کہ یہ الفاظ متفاوت معانی کے لئے وضع کئے گئے تھے خود اس بات پر بھی تعجب ہے کہ آخر لوگوں کے ذہنوں کو کس قدر بدل دیا گیا تھا کہ ان کی فکر و فہم میں کس قدر تبدیلی آ گئی تھی چنانچہ

آپ کو کوئی امت وملت ایسی نہیں ملے گی نہ تو بدّ واور نہ ہی متمدن کہ ان کی ثقافتوں میں عورتوں کی ذلت وخواری کے بارے میں بہت سی رائج مثلیں نہ ملیں بلکہ آپ مشاہدہ کریں گے کہ ہر ملت کی تہذیب میں عورت کے بارے میں بہت سے استعارے، کنایے اور تشبیہات موجود ہیں (جب کہ اصل زبان اور ان کے لحن ولہجوں میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے) نیز آپ مشاہدہ کریں گے کہ بزدل یا کمزور یا لاابالی یا رسوائی قبول کرنے والے یا ذلت کا کام کرنے والے مرد کو ''عورت'' کہا جاتا ہے جیسا کہ اس عربی شعر میں ہے:

و ما ادری و لیت اخال ادری اقوم آل حصن ام نساء

میں نہیں جانتا کاش یہ جان لیتا کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت؟!

آپ کو نثر ونظم میں ہر زمانہ میں سیکڑوں اور ہزاروں ضرب المثل عورتوں کے بارے میں ملیں گے۔ صرف یہی ایک بات اہل تحقیق کے لئے کافی ہے کہ اسلام سے پہلے انسانی معاشرہ میں عورت کے بارے میں لوگوں کے خیالات ونظریات کیا تھے تو اس کے ہوتے ہوئے اب کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کہ سیرت نگار افراد اور تاریخی کتابیں لکھنے والے ایک الگ باب وفصل یا مخصوص کتاب لکھیں کہ جس میں عورتوں کے بارے میں تمام قوموں کے عقائد ونظریات موجود ہوں کیونکہ ہر امت وملت کی روحی خصلت اور وجودی جہت اس کی زبان اور اس کے ادبیات میں تجلی بخش ہوتی ہے۔

کسی تاریخ اور قدیم نوشتہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ پتہ چلے کہ عورت کا احترام ہوتا تھا یا اسے بھی کوئی حیثیت وعظمت حاصل تھی ہاں! صرف توریت اور

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی وصیتوں میں مختصر طور پر یہ ذکر ہے کہ عورتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہئے اور انھیں بہت سی سہولتیں فراہم کرنا چاہئے۔

اسلام یعنی وہ مستحکم و مستقیم دین جس کی بنیاد رکھنے کے لئے قرآن نازل ہوا اس نے عورت کے بارے میں ایک ایسا عمدہ وجدید نظریہ پیش کیا جو بشریت کے دنیا میں قدم رکھنے سے لے کر آج تک کبھی نہیں تھا، اسلام نے اپنا نظریہ پیش کر کے دنیا کے تمام لوگوں کا مقابلہ کیا اس نے عورت کا تعارف اس طرح کرایا جیسا اس کا حق ہے اور جیسی اس کی خلقت ہوئی ہے یہ وہ بنیاد تھی جو بشر کے ہاتھوں منہدم ہو چکی تھی اور اس کے آثار بھی مٹ چکے تھے۔

لوگ عورت کے بارے میں جو عقیدہ و نظریہ رکھتے تھے اور عملی طور پر جس طرح عورت کے ساتھ پیش آتے تھے اسلام نے ان تمام چیزوں کو بیکار و باطل قرار دے دیا۔

عورت کی حقیقت

اسلام یہ اعلان کر رہا ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح ایک انسان ہے اور ہر انسان (چاہے مرد ہو یا عورت) ایک ایسی فرد ہے جس کی پیدائش کے مادہ و عنصر میں دو (۲) نر و مادہ افراد کی شرکت و دخالت ہے اور ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا البتہ فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ملتی ہے جیسا کہ اسلام اپنی آسمانی کتاب (قرآن) میں یہ اعلان کر رہا ہے:

"یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوْآ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. "

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں ملت ملت اور قبیلہ قبیلہ قرار دیا ہے تا کہ ایک دوسرے سے آشنائی پیدا کرو در حقیقت تم لوگوں میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محترم اور با فضیلت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔(۱)

---

(۱) حجرات (۴۹):۱۳۔

خداوند عالم یہ بتا رہا ہے کہ ہر انسان دو نر و مادہ جوڑے سے پیدا ہوا ہے جن میں سے دونوں مساوی حیثیت سے اس کے مادۂ وجود میں مؤثر ہیں اور انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس مادہ کا مجموعہ ہے جو ان دونوں سے حاصل ہوا ہے۔

خداوند عالم نے عورت کا تعارف کراتے ہوئے اس شاعر کی طرح نہیں فرمایا کہ جس نے یہ کہا:

" وَ اِنَّما اُمَّهات الناس اوعية "

تمام مائیں صرف انسان کی پیدائش کے لئے ظرف ہیں۔

نیز ایک دوسرے شاعر کی طرح نہیں فرمایا جس نے یہ شعر کہا ہے:

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا بنوهنّ ابناء الرجال الاباعد

ہمارے بیٹوں کی اولادیں خود ہماری ہی اولادیں شمار ہوتی ہیں لیکن ہماری بیٹیوں کی اولادیں غیروں کی اولادیں شمار ہوتی ہیں۔

خدانے انسان کی ہر فرد (چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی) کے بارے میں یہ بتادیا کہ اس کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا گیا ہے اس کے نتیجہ میں سارے انسان برابر ہیں۔ اب اس اعلان سے کامل و بہتر کوئی دوسرا بیان نہیں ہوسکتا ہے جب وہ یہ بتا چکا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عٰمِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ."

تم میں سے جو بھی کوئی عمل انجام دے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، میں اس کے عمل کو ضائع و برباد نہیں کروں گا کیونکہ تم لوگ ایک دوسرے سے ہو۔(۱)

اس آیت میں بالکل صراحت کے ساتھ یہ بتادیا کہ کسی کی کوشش بیکار نہیں ہوگی اور کسی کا عمل خدا کی بارگاہ میں برباد نہیں ہوگا پھر اس مطلب پر دلیل کے عنوان سے یہ بیان کیا: "تم میں سے بعض لوگ دوسروں سے ہیں۔" اس سے پہلے والی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ "اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی... ."(۲)

صراحت کے ساتھ اس نتیجہ کو بیان کر دیا کہ مرد اور عورت دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے ان کی خلقت و بنیاد کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کے بعد اس مطلب کی وضاحت کر دی کہ خدا کی بارگاہ میں کسی مرد یا عورت کا عمل برباد نہیں ہوگا اور کسی کا عمل دوسرے کو نہیں دیا جائے گا بلکہ "کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ

دَهِيۡنَةٌ" ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے۔(۳) یہ بات گزشتہ قوموں کے نظریات کے خلاف ہے جو یہ کہتے تھے: ''عورتوں کا گناہ خود انھیں کے اوپر رہے گا اور ان کے نیک کام کا اجر وثواب مردوں کو ملے گا!''

پس مرد وعورت ہر ایک کا عمل (چاہے اچھا ہو یا برا) خود اسی کے لئے لکھا جائے گا اور

---

(۱) آل عمران (۳):۱۹۵۔

(۲) حجرات (۴۹):۱۳۔

(۳) مدثر (۷۴):۳۸۔

تقویٰ کے علاوہ کسی کی کوئی خصوصیت وفضیلت نہیں ہے، تقویٰ اور اخلاق حسنہ کے بہت سے مراحل ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: ایمان، اس کے مختلف درجات ہیں، مفید عمل، استوار و پختہ عقل، اچھے اخلاق، صبر اور بردباری پس جو عورت ایمان کے سب سے بلند درجہ پر فائز ہوگی یا علم سے سرشار ہوگی یا استوار و پختہ عقل کی مالک ہوگی یا اس کا اخلاق بہت اچھا ہوگا وہ ذاتی طور پر محترم ہوگی اور درجہ کے لحاظ سے اس مرد سے زیادہ بافضیلت ہوگی جو اس کا ہم پلہ نہیں ہے چاہے وہ مرد جو بھی ہو پس تقویٰ وفضیلت کے علاوہ کوئی کرامت وفوقیت نہیں ہے۔

گزشتہ آیت کے مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح اور روشن یہ آیت ہے:

''مَنۡ عَمِلَ صٰلِحاً مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَةً وَّ لَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ.''

جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت نیک عمل انجام دے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے

ایک پاکیزہ زندگی کے ساتھ (حقیقی) محشور کریں گے اور یہ بھی بالکل مسلم ہے کہ وہ لوگ جو کچھ بھی انجام دیتے تھے ہم انھیں اس سے بہتر اجر دیں گے۔(۱)

نیز اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"مَنْ عَمِلَ صٰلِحاً مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ."

---

(۱) نحل (۱۶): ۹۷۔

مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ بھی نیک کام انجام دیں گے اس شرط کے ساتھ کہ ایمان بھی رکھتے ہوں تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اس کے اندر انھیں بغیر کسی حساب کتاب کے رزق دیا جائے گا۔(۱)

نیز مندرجہ ذیل آیت میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَایُظْلَمُوْنَ نَقِیْراً.

مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ بھی نیک اعمال انجام دیں گے نیز وہ مومن بھی ہوں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے اوپر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۲)

ان آیات کے علاوہ کچھ دوسری آیات بھی ہیں جن میں لڑکیوں کو حقیر جاننے کے اوپر مذمت کی گئی ہے:

"وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ؛ يَّتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ."

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے جب کہ وہ غم وغصہ میں ہوتا ہے اس کو ولادت کی جو بری خبر دی گئی ہے اس کی وجہ سے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے چھپا چھپا سا رہتا ہے (وہ سوچتا ہے) کیا اسے ذلت کے ساتھ رو کے

---

(۱) غافر (۴۰): ۴۰۔

(۲) نساء (۴): ۱۲۴۔

رہے یا مٹی کے اندر چھپا دے؟ واہ! کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں؟!(۱)

خدا کا جو یہ ارشاد ہے کہ "وہ شرم کے مارے لوگوں سے اپنے کو چھپاتا ہے" ایسا اس لئے تھا کہ لوگ باپ کے لئے لڑکی کی ولادت کو عیب سمجھتے تھے اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ان کی لڑکی جلد ہی بڑی ہو جائے گی، لوگوں کی خواہشات وتفریح طبع کا مرکز بن جائے گی اور لوگ اس سے بہرہ مند ہوں گے اور یہ خود مرد کا عورت کے اوپر ایک قسم کا غلبہ ہے اور وہ بھی جنسی معاملات میں جس کا بیان کرنا قبیح ہے نتیجہ میں لوگوں کے زبان زد ہونا اس کے باپ اور پورے خاندان کے لئے عیب کی بات ہے۔

دور جاہلیت کے عربوں کا یہی طرز تفکر تھا جس نے انھیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی بے گناہ لڑکیوں کو زندہ زمین کے اندر گاڑ دیں۔ اس کا دوسرا سبب جو اس فکری انحراف کی پہلی علت تھی آپ نے اس سے پہلے اس کے بارے میں پڑھا خداوند عالم نے اس کی ملامت

کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"وَ اِذَا الْمَوْءُ وْدَةُ سُئِلَتْ ؛ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ."

اور جب زندہ دفن کردی جانے والی لڑکی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کس جرم وگناہ میں قتل کیا گیا ہے؟!(۲)

ظہور اسلام کے بعد بھی گذشتہ لوگوں کے جو خرافات باقی رہ گئے تھے وہ مسلمانوں کے درمیان تھے اور ان کا سلسلہ نسلاً بعد نسل میراث کے طور پر باقی رہا اور اب تک لوگ اس

---

(۱) نحل (۱۶):۵۸۔۵۹۔

(۲) تکویر (۸۱):۸۔۹۔

خرافات کے داغ وعیب کو صفحۂ دل سے صاف نہیں کر سکے ہیں اس دعویٰ پر ایک شاہد یہ ہے کہ اگر عورت اور مرد زنا کرلیں تو زنا کا دھبہ ہمیشہ کے لئے عورت کے دامن پر لگا رہتا تھا چاہے بھلے ہی وہ توبہ کرلے لیکن مرد کے لئے ننگ وعار تصور نہیں کیا جاتا ہے بھلے توبہ نہ کرے جب کہ اسلام نے عیب وبرائی کو گناہ میں ایک جگہ جمع کر رکھا ہے اس برے اور قابل ملامت عمل کو عورت اور مرد دونوں کے لئے عیب بتایا ہے، دونوں کو حد وسزا کا حقدار بتایا ہے، اس کے لئے بھی سو کوڑے کی سزا معین کی ہے اور اس کے لئے بھی یہی سزا ہے۔

اسلام میں عورت کی اجتماعی حیثیت

اسلام نے پختہ عزم وارادہ کے ساتھ اجتماعی امور کی تدبیر کے لئے عورت اور مرد کے

درمیان کوئی فرق نہیں بتایا ہے بلکہ دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔اس کی علت یہ ہے کہ جس طرح مرد یہ چاہتا ہے کہ زندگی بسر کرے عورت بھی چاہتی ہے کہ وہ بھی زندگی بسر کرے انسان کو اپنی زندگی باقی رکھنے کے سلسلہ میں جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ تو ان ساری چیزوں میں عورت اور مرد برابر ہیں خداوند عالم کا ارشاد ہے: ''بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ''تم لوگ (مرد اور عورت دونوں) ایک دوسرے کی جنس سے ہو۔(۱)

جس طرح مرد اپنی سرنوشت اور قسمت کے سلسلہ میں پروگرام بنا سکتا ہے مستقل طور پر عمل کرسکتا ہے اور اپنے عمل کے نتیجہ کا مالک ہوسکتا ہے عورت کو بھی بغیر کسی فرق کے اسی طرح

---

(۱) آل عمران (۳):۱۹۵۔

یہ سارے حقوق حاصل ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے : لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: عورتوں نے اچھا کام کیا تو اپنے نفع کے لئے اور برا کام کیا تو اس کی سزا انھیں کو ملے گی۔(۱)

پس اسلام وقرآن جن چیزوں کو حق جانتے ہیں ان ساری چیزوں میں عورت اور مرد برابر ہیں خداوند عالم حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ برقرار کرتا ہے البتہ خدا نے عورت کی خلقت میں دو ایسی خصلتوں کو قرار دیا ہے جن کے ذریعہ وہ مرد سے ممتاز ہوتی ہے:

۱۔عورت، نوع بشریت کی پیدائش کے لئے ایک کھیت کے مانند قرار دی گئی ہے تا کہ بشریت اس صدف کے اندر رہ کر تکون حاصل کر کے رشد ونمو کرے اسی لئے اس کے کچھ مخصوص احکام ہیں اور انھیں احکام کے ذریعہ وہ مرد سے ممتاز ہو جاتی ہے۔

۲۔خداوند عالم نے عورت کی خلقت کولطیف قرار دیا ہے[اسے بچہ کی تربیت و پرورش اور امور خانہ داری کی مشقت برداشت کرنے کے لئے) اس کے شعور واحساس کوظریف قرار دیا ہے یہی دونوں (جسمانی اور روحانی) خصوصیتیں ان تمام اجتماعی وظائف وفرائض میں اثر رکھتیں ہیں جواس کے سپرد کئے گئے ہیں۔

یہ ہے عورت کی اجتماتی حیثیت اوراسی بیان کے ذریعہ مرد کی بھی اجتماعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے اوراسی کے ساتھ وہ پیچیدگی ومشکل بھی حل ہو جاتی ہے جواسلام میں ان دونوں کے مشترک اوران میں سے ہرایک سے مختص احکام میں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں خدا کاارشاد ہے:

---

(۱)بقرہ:(۲):۲۸۶۔

"وَ لَاتَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ وَ اسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً."

اورتم لوگ اس چیز کی آرزو نہ کروجس کے ذریعہ تم میں سے بعض کوخدانے دوسرے پر فضیلت دی ہے مردوں نے جو کچھ کمایا ہے ان میں ان لوگوں کا حصہ ہے عورتوں نے (بھی اپنے اختیار سے) جو کچھ کمایا ہے ان میں ان لوگوں کا حصہ ہے اورتم خدا کے فضل سے درخواست کرو بیشک خدا ہر چیز کواچھی طرح جاننے والا ہے۔(۱)

اس کلام سے مراد یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں اپنے اعمال کے ذریعہ اپنے معاشرہ کو جو ہدیہ کے عنوان سے پیش کرتے ہیں وہ باعث بنتے ہیں کہ خدا کے کسی فضل سے مخصوص

ہو جائیں چنانچہ خدا کے بعض فضل ایسے ہیں جوان دونوں میں سے صرف کسی ایک سے مخصوص ہیں کچھ مردوں سے اور کچھ عورتوں سے مثلاً مرد کو اس لحاظ سے عورت پر فضیلت دی ہے کہ اس کی میراث کا حصہ عورت کا دو گنا ہے اور عورت کو اس لحاظ سے فضیلت دی ہے کہ گھر کے سارے اخراجات سے اسے معاف و آزاد کر رکھا ہے پس نہ تو مرد کو یہ تمنا کرنی چاہئے کہ کاش گھر کا خرچ اس کے ذمہ نہ ہوتا اور نہ عورت کو یہ تمنا کرنی چاہئے کہ کاش اس کی میراث کا حصہ اس کے بھائی کے برابر ہوتا البتہ کچھ اعمال بھی ایسے ہیں جو فضیلت کا معیار ہیں وہ نہ تو عورت سے مخصوص ہیں اور نہ مرد سے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اس عمل کو انجام دے گا وہ اس فضیلت کا مالک بن جائے گا اور جو انجام نہیں دے گا وہ

---

(۱) نساء (۴): ۳۲۔

اس فضیلت سے محروم رہے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت کوئی بھی یہ آرزو نہیں کر سکتا کہ کاش میں فلاں فضیلت کا مالک ہوتا جیسے ایمان، علم اور عقل نیز دیگر فضائل کہ جنھیں ہمارا دین فضیلت شمار کرتا ہے۔

فضیلت کی یہ قسم ایک الٰہی عطیہ ہے خدا جسے چاہتا ہے اس کو عطا فرماتا ہے اسی لئے آیت کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ''، ہم نے جو یہ نظریہ پیش کیا ہے اس پر یہ آیت ہماری دلیل ہے: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ...''۔

عورت اور مرد کے مشترک و مخصوص احکام

اسلام میں عورت تمام عبادی احکام اور اجتماعی حقوق میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے

وہ بھی مردوں کی طرح مستقل ہوسکتی ہے وہ اس لحاظ سے مردوں سے مختلف نہیں ہے نہ تو میراث میں اور نہ تو کمائی اور کسی دوسرے معاملہ میں نہ تو تعلیم و تعلم میں اور نہ تو اس حق کو حاصل کرنے میں جو اس سے چھین لیا گیا ہے نہ تو اپنے حق کا دفاع کرنے میں اور نہ تو دوسرے احکام میں سوائے ان موارد کے جن میں عورت کی طبیعت اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ مردوں سے مختلف ہو۔

وہ چند اہم موارد یہ ہیں: حکومت و قضاوت کی ذمہ داری نیز جہاد اور دشمن پر حملہ کرنا البتہ وہ جہاد میں اس طرح شریک ہوسکتی ہے کہ زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کرے اسی طرح میراث کا مسئلہ بھی ہے کہ وہ مردوں کی نصف میراث پاتی ہے اور اس کے لئے اپنے بدن کے زینت کے مقامات کا چھپانا ضروری ہے اور شوہر اس سے جس طرح کی لذت حاصل کرنا چاہے اس کی اطاعت لازمی ہے۔ عورت جوان چیزوں سے محروم رکھی گئی ہے نفقہ کے ذریعہ اس کا جبران کر دیا گیا ہے یعنی زندگی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری اس کے باپ یا شوہر کے اوپر رکھی گئی ہے اور شوہر کے اوپر یہ واجب کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی حمایت میں مکمل طور سے کوشش کرتا رہے، اولاد کی تربیت اور ان کی دیکھ بھال کا حق عورت کو دیا گیا ہے۔

اس کے لئے یہ سہولتیں بھی فراہم کی ہیں کہ اس کی جان، عزت آبرو کا خیال رکھا ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اس کی حمایت کی گئی ہے، حیض و نفاس کے ایام میں اس کی عبادت کو معاف قرار دیا ہے اور تمام حالات میں اسے بہت سی چھوٹ دے رکھی ہے۔

گزشتہ باتوں سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ عورت پر اصول معارف اور فروع دین (احکام عبادات وقوانین اجتماعی) کے علاوہ دوسرے علوم کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے اور تکلیف عملی میں بھی اس کے لئے وہی احکام ہیں جو مردوں کے ہیں ہاں! اس کے اوپر ایک چیز مزید واجب قرار دی گئی ہے کہ وہ جنسی لذت کے سلسلہ میں اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ انفرادی امور میں نظم پیدا کرنا، کام، کاج، کمائی اور پیشہ اختیار کرنا، گھریلو امور کو منظّم کرنا، اجتماعی وعمومی مصالح میں شرکت کرنا جیسے ایسی صنعت وحرفہ میں مشغول ہونا کہ جو لوگوں کے لئے مفید ہو بشرطیکہ وہ تمام معین شدہ حدود کی رعایت کرے ان میں سے کوئی ایک چیز بھی عورت کے اوپر واجب نہیں ہے۔

ان کاموں کے واجب نہ ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ کسی علمی شعبہ میں مہارت پیدا کرنا، کمائی کرنا اور تربیت کرنا وغیرہ.... ان میں سے ہر ایک ایسا تفضّل ہے جسے اس نے خود ہی معاشرہ کے لئے انجام دیا ہے اور ایک ایسا افتخار کہ جسے اس نے خود اپنے لئے کسب کیا ہے اور اسلام نے بھی اس تفاخر کو عورتوں کے لئے جائز قرار دیا ہے برخلاف مردوں کے کہ انھیں جنگ کے علاوہ روکا گیا ہے۔

یہ سب وہ نتائج ہیں کہ جو گزشتہ بیانات سے حاصل ہوتے ہیں اور سنت نبوی بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اگر ہمیں بحث کے بہت زیادہ طولانی ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیوی حضرت خدیجہ علیہا السلام سے جو دنیا کی تمام خواتین میں سب سے اعلیٰ تھیں اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اپنی امت کی تمام عورتوں کے شوہروں اور عورتوں کے بارے میں جو سفارش کی ہے نیز ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کی بیویوں کی سیرت جیسے حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا اور ان کے علاوہ اور دوسری اسلام کی برجستہ خواتین کی سیرت کے کچھ نمونے پیش کرتے اور ان کے ان کلمات وسفارشات کو بیان کرتے جو انھوں نے عورتوں کے بارے میں بیان کئے ہیں۔

اسلام نے جس بنیاد پر احکام وحقوق کی تشریع کی ہے وہ اس کی فطرت ہے، اس کی بنیاد کیسے رکھی گئی ہے؟ ہم اس کی وضاحت ''عورت کی اجتماعی حیثیت'' کی بحث میں کر چکے ہیں لیکن یہاں پر پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے عرض کررہے ہیں: جولوگ اہل جستجو ہیں اور جولوگ معاشرہ کے بارے میں زحمت وکوشش اور تحقیق کرتے ہیں ان کے لئے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ شک کریں کہ حقوق وتکالیف کی انتہا طبیعت پر ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان کی طبیعی طاقت کی خصوصیت تھی کہ اس کو خلقت کے آغاز ہی سے ایک طرح کے معاشرے کی تشکیل کی طرف ہدایت کردی اس پر شاہد یہ ہے کہ کبھی کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا ہے کہ نوع بشریت کے لئے ایسا کوئی معاشرہ نہ رہا ہو۔ البتہ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے ہیں کہ بشر جو اپنی طبیعت (فطرت) کے تقاضے کی بنیاد پر جس معاشرہ واجتماع کو تشکیل دیتا ہے وہ صحت وسلامتی پر استوار ہوتا ہے نہیں! کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ عوامل واسباب اس معاشرے کو صحیح راستہ سے غلط وفساد کے راستہ پر لگادیں جس طرح یہ ممکن ہے کہ کچھ عوامل، انسان کے صحیح سالم بدن کو اس کی کامل وطبیعی حالت سے خارج کر کے اسے تخلیقی نقص میں گرفتار کردیں یا اسے طبیعی سلامتی سے باہر نکال کر بیماری وآفت میں مبتلا کردیں۔

پس معاشرہ اپنے تمام شئون وحالات کے ساتھ چاہے بافضیلت ہو یا فاسد ہو آخر کار وہ طبیعت پر منتہی ہوتا ہے، جو معاشرہ فاسد وخراب ہوگیا ہے اس کا رابطہ ایسے عامل سے ہے

کہ جس نے اسے فاسد و برباد کر دیا ہے اور اتنی فرصت نہیں دی ہے کہ وہ نیک اور اچھے آثار تک پہنچ سکے، با فضیلت سماج و معاشرہ اس کے برخلاف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کی طرف دانشوروں نے اپنے سماجی موضوعات میں یا کنایہ کے ساتھ اشارہ کیا ہے یا صراحت سے بیان کیا ہے اور ان تمام لوگوں سے پہلے خدا کی کتاب نے نہایت واضح الفاظ کے ساتھ اس مطلب کو ادا کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اَلَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی'' خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کی خلقت کو اسے دے دیا ہے اور پھر اس کی ہدایت کی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا ہے: ''اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی'' جس نے پیدا کیا اور ہم آہنگی بخشی اور وہی کہ جس نے اندازہ گیری کی پھر ہدایت کی۔(۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے: ''وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا'' قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی کہ جس نے اسے درست کیا پھر برائی اور پرہیز گاری کو اسے تلقین کیا۔(۲) پس تمام موجودات اور انھیں میں سے ایک انسان بھی ہے سب کے سب اپنے وجود اور زندگی میں جس مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اس کی طرف ہدایت کر دیئے گئے ہیں، اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ان کو اپنی خلقت میں جن استعداد و اسباب کی ضرورت ہے وہ ساری چیزیں ان کے لئے فراہم کر دی گئی ہیں اور ان کی معتدل و سعادت مند زندگی کو وہ سب کچھ عطا کر دیا ہے جس کے حیاتی اعمال، ان کی خلقت و فطرت پر پوری طرح سے منطبق ہوتے ہیں اور اس کے سارے وظائف و فرائض بڑی اچھی طرح سے اس طبیعت پر منتہی ہوتے ہیں اور یہ وہی حقیقت ہے جس کی

طرف یہ آیت اشارہ کرتے ہوئے فرمارہی ہے:

''فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً فَطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ'' پس اے رسولؐ! آپ مکمل طور سے حق کی طرف مائل ہوکر اپنے اس دین کی طرف اپنا رخ کر لیجئے اسی سرشت وخلقت کے ساتھ جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے والی ہے یہ وہی پائیدار دین ہے۔(۳)

---

(۱) اعلیٰ (۸۷):۲۔۳۔

(۲) شمس (۹۱):۷۔۸۔

(۳) روم (۳۰):۳۰۔

جو کچھ فطرت کا تقاضا ہے وہ یہ کہ تمام انسانوں کے حقوق ووظائف کو برابر ہونا چاہئے یعنی یہ زیب نہیں دیتا کہ ایک گروہ کے حقوق بہت زیادہ ہوں اور دوسرا گروہ ضروری حقوق سے محروم ہو لیکن حقوق میں اس تساوی وبرابری کا تقاضا جس کا اجتماعی عدالت حکم کرتی ہے یہ نہیں ہے کہ سارے اجتماعی منصب اور عہدے معاشرے کے تمام افراد سے متعلق ہو جائیں مثلاً یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اپنے بچپن میں اور ایک نادان مرد اپنی عین نادانی کی حالت میں ایسے شخص کا ذمہ ار بن جائے جو کمال عقل کا حامل ہے اور وہ اس کام میں تجربہ بھی رکھتا ہے یا مثلاً ایک کمزور شخص ایک ایسی مُہم پر مامور کیا جائے کہ جسے صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو مضبوط وطاقتور ہو چاہے وہ کام جس سے بھی مربوط ہو کیونکہ صالح اور غیر صالح کے درمیان برابری دونوں کی تباہی کا باعث ہے وہ صالح کو بھی برباد کر دیتی ہے اور غیر صالح کو بھی۔

جو چیز اجتماعی عدالت کا تقاضا کر رہی ہے اور تساوی کے معنی کی تفسیر کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ اجتماع میں ہر صاحبِ حق کو اس کا حق حاصل ہو بغیر اس کے کہ کوئی حق دوسرے کے حق کے لئے رکاوٹ بنے دشمنی، زبردستی یا کسی دوسری وجہ سے مکمل طور سے مہمل اور بیکار چھوڑ دیا جائے یا کسی کا کوئی حق ضائع ہو یہ وہی چیز ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے:

"وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ..."(۱)

کیونکہ یہ کلام مردوں اور عورتوں کے درمیان طبیعی اختلاف کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے حقوق کے برابر ہونے کی بھی تصریح کر رہا ہے۔

---

(۱) بقرہ (۲) ۲۲۸۔

دوسری طرف ایک بات یہ بھی ہے کہ وجودی مواہب کے اصول میں عورتوں اور مردوں کا مشترک ہونا یعنی فکر و ارادہ کہ جو اختیار کا سرچشمہ ہے وہ مقتضی ہے کہ عورت بھی فکر و ارادہ کی آزادی میں اور پھر نتیجہ کے طور پر اختیار رکھنے میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہو جس طرح مرد، زندگی کے تمام (صرف چند ممنوع موارد کے علاوہ) انفرادی و اجتماعی امور میں تصرف کے سلسلہ میں استقلال رکھتا ہے عورت کو بھی استقلال رکھنا چاہئے اور اسلام بھی جو ایک فطری دین ہے اس نے اس استقلال و آزادی کو مکمل طور سے عورت کو عطا کیا ہے۔

ہاں! عورت مستقل ہے اور وہ اپنے اوپر اعتماد رکھتی ہے، ظہور اسلام تک اس کا ارادہ و عمل مرد کے ارادہ کے تابع تھا لیکن اب اس کا ارادہ و عمل الگ ہو کر مستقل ہو چکا ہے وہ مرد کی ولایت و سرپرستی اور حکمرانی میں نہیں ہے اور وہ اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ اسلام سے پہلے کی دنیا نے اپنی ساری قدامت و وسعت کے باوجود بھی کسی دور میں اسے یہ درجہ و مرتبہ

نہیں دیا تھا وہ ایسا درجہ ہے کہ گزشتہ صفحۂ تاریخ کے کسی گوشہ میں آپ کو عورت کے لئے ویسا درجہ نہیں ملے گا، قرآن کریم میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"فَلاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ...".(۱)

البتہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلام کا جو کچھ مرد سے مطالبہ ہے وہی عورت سے بھی ہے اگر چہ عورتوں میں بعض عوامل ایسے ہیں جو مردوں میں بھی ہیں لیکن اس کے باوجود خواتین بعض جہت سے مردوں سے مختلف ہیں۔(۲)

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۴۰۔

(۲) یہ جہت ایک نوعی جہت ہے شخصی نہیں ہے یعنی تمام خواتین کمالی خصوصیات اور جسمانی تکامل کے آلات میں تمام مردوں سے پیچھے ہیں۔

ہم بالکل سادی بات یوں بیان کردیں کہ یہ ممکن ہے کہ ایک عورت یا دو عورتیں بہت زیادہ فضائل وکمالات کی مالک ہوں اور اسی طرح ایک مرد یا دو مرد بہت زیادہ پچھڑے ہوئے مل جائیں لیکن علم فیزیولوجی اس بات پر گواہ ہے کہ جو عورتیں مغز، دل، شریان (رگ) اعصاب اور عضلات جسمانی نیز وزن کے لحاظ سے درمیانی ہیں وہ متوسط الحال مردوں سے مختلف ہیں یعنی ان سے زیادہ کمزور ہیں اسی وجہ سے عورت کا جسم لطیف ونرم ہوتا ہے اور مرد کا جسم سخت ومحکم ہوتا ہے اور عورتوں میں لطیف احساسات جیسے دوستی، دل کی نرمی، زینت وزیبائی کی طرف رجحان کا غلبہ ہوتا ہے مردوں کے اندر یہ چیزیں کم ہوتی ہیں اس کے مقابل میں مرد کی قوت فکر، عورت سے زیادہ ہوتی ہے اور اس کی فکر عورت کی فکر پر غالب ہوتی ہے پس عورت کی زندگی، احساسی اور مرد کی زندگی تعقلی (فکر وعقل پر استوار) ہے۔

اسی فرق کی وجہ سے کہ جو عورتوں اور مردوں کے درمیان پایا جاتا ہے اسلام نے عمومی و اجتماعی وظائف وفرائض میں (جن کا قوام انھیں دونوں یعنی فکر واحساس میں سے کسی ایک چیز پر ہوتا ہے) عورت ومرد کے درمیان فرق رکھا ہے۔ جو چیزیں احساس سے زیادہ فکر سے ربط رکھتی ہیں جیسے ولایت قضاوت اور جنگ وہ مردوں سے مخصوص ہیں اور جن ذمہ داریوں میں احساس کا بہت زیادہ ربط ہے وہ عورتوں سے مخصوص ہیں جیسے اولاد کی پرورش وتربیت اور امور خانہ کی تدبیر وغیرہ۔ چونکہ مرد پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد کی ہیں اسے زیادہ زحمت ومشقت دی ہے لہٰذا اس کی تلافی اس طرح کردی ہے کہ میراث میں اس کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا قرار دیا ہے۔

درحقیقت اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام نے سب سے پہلے دونوں کی میراث کے حصہ کو برابر قرار دیا پھر عورت کے ثلث حصہ کو مرد کے لئے قرار دے دیا کیونکہ وہ عورت کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے: اگر ہم مرد اور عورت کی میراث کو اٹھارہ/روپے فرض کریں تو اسلام نے ہر ایک کو نو/روپے دیا ہے پھر عوت سے تین روپے (جو عورت کے حصہ کا ثلث ہے) لے کر مرد کو دے دیا ہے اس طرح مرد کا حصہ بارہ/روپے ہو جاتا ہے کیونکہ عورت اس بارہ/روپے کے نصف حصہ سے بھی بہرہ مند ہوتی ہے۔

نتیجہ میں اس طرح جو حصہ معین کیا ہے اس کی بازگشت یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں جتنا مال ہے اس کا دوثلث حصہ مردوں کا ہے ملکیت بھی اور بعینہ مال بھی اور اس کا دوثلث حصہ عورتوں کا ہے جس کے ایک ثلث کی وہ مالک ہوتی ہیں اور وہ ایک ثلث حصہ جو مرد کے اختیار میں

ہے اس سے بھی بہرہ مند ہوتی ہیں۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ اکثر مرد لوگ (سب نہیں) تدبیر میں بہت قوی ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی اکثر و بیشتر تدبیر یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ تولید مردوں کے ہاتھ میں ہے اور زیادہ تر فائدہ یا نفع یا چیزوں کا استعمال عورتوں کے اختیار میں ہے کیونکہ عورتوں کا احساس ان کی فکر پر غالب ہوتا ہے اس کے علاوہ خواتین کو بہت سی سہولتیں اور چھوٹ دی گئی ہیں جن کا بیان گزر چکا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں: اسلام نے عورتوں کو جو اس قدر چھوٹ دی ہے یہی چھوٹ سبب واقع ہوگی کہ عملی طور سے عورت بیکار ہو جائے اسی چھوٹ کی بنا پر وہ مفت خور ہو جائے گی یہ سچ ہے کہ مرد کو عورت کی ضرورت ہے اور عورت کی زندگی مرد کے لوازمات وضروریات میں سے ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے عورت یعنی انسان کی آدھی آبادی کی تحذیر کی جائے اور زندگی کے اخراجات کو دوسری آدھی آبادی کے ذمہ کر دیا جائے کیونکہ اس طریقہ سے عورت کاہل بن کر رہ جائے گی اور وہ سخت کاموں کو برداشت نہ کر سکے گی پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ایک پست وذلیل موجود بن کر رہ جائے گی اور تجربہ گواہی دیتا ہے کہ ایسا موجود اجتماعی تکامل کے لئے مفید نہ ہوگا۔

ہم جواب دیں گے: یہ اشکال وعیب یہاں سے پیدا ہوا ہے کہ دو الگ الگ مسئلے ہیں: ایک قانون بنانا اور دوسرے قانون پر عمل کرانا، ان دونوں کو آپس میں خلط کر دیا گیا ہے، ایسے قوانین بنانا جن سے انسان کی اصلاح ہو یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور صحیح طریقہ سے اس قانون کو جاری کرنا اور اچھی تربیت کے ساتھ لوگوں کو اس کا پابند بنانا یہ ایک دوسرا

مسئلہ ہے۔اسلام نے اس سلسلہ میں بالکل صحیح قوانین بنائے ہیں لیکن ہر زمانہ میں نالائق ذمہ داروں نے انھیں خراب و بدنام کیا ہے وہ ذمہ دار افراد صالح و متدین نہیں تھے وہ لوگ اس کوشش میں نہ تھے کہ اسلامی قوانین کو صحیح طور سے جاری کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی احکام کی تاثیر بدل گئی اور اسلامی تربیت اپنی جگہ پر ٹھہر گئی بلکہ اور پیچھے ہوگئی۔

یہ یقینی تجربہ ہمارے نظریہ پر بہترین اور روشن گواہ ہے کہ قانون چاہے جتنا بھی مستحکم واستوار ہو جب تک عملی تبلیغ اور نیک تربیت کا اثر آدمی کی روح و جان میں پیدا نہ ہو اور جب تک لوگ اس تربیت کے عادی نہ ہو جائیں اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا مسلمانوں کی بدنصیبی یہ رہی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی مختصر خلافت و حکومت کے علاوہ جتنے لوگ اس کے ذمہ دار تھے ان میں کوئی ایک بھی ایسا نیک تربیت یافتہ نہیں تھا کہ جو علم و عمل دونوں اعتبار سے کامل ہو۔

ذرا آپ دیکھیں کہ جب معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا تو عراق کے ایک منبر سے یہ خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے: میں تم سے اس مقصد کے تحت جنگ نہیں کر رہا تھا کہ تم لوگ نماز پڑھو یا روزہ رکھو اس کو تم لوگ جانتے ہی ہو میں نے تو صرف اس لئے تم سے جنگ کی ہے کہ تم پر حکومت کروں اور میں اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا، بنی امیہ اور بنی عباس کے تمام خلفاء اور سارے ذمہ داروں و حکمرانوں کا یہی حال تھا ان میں سے کوئی بھی معاویہ سے کم نہ تھا۔

واقعاً اگر خود دین کے اندر اتنی نورانیت نہ ہوتی کہ جس کی وجہ سے وہ کبھی فنا نہیں ہوسکتا چاہے کفار کو برا ہی کیوں نہ لگے تو صدیوں پہلے اسلام ختم ہو چکا ہوتا۔

مغربی تمدن میں عورت کی آزادی

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عورت کو اسیری سے رہائی بخشنے، اسے مستقل بنانے کا سب سے پہلے اسلام نے نعرہ بلند کیا، اگر اہل غرب (انگریزوں) نے عورت کے بارے میں کوئی قدم اٹھایا ہے تو انھوں نے اسلام ہی کی تقلید و پیروی کی ہے اگر چہ ان کی یہ تقلید اچھی نہیں ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں برتا ہے۔ ان لوگوں نے جو اسلام کی مکمل طور سے تقلید نہیں کی ہے اس کی علت یہ ہے کہ اسلام کے احکام، زنجیر کے حلقوں کے مانند آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور اسلام کی روش تمام معنی میں ایک ایسے مؤثر حلقہ کے مانند ہے کہ جو اجتماعی ترقی کی راہ میں موثر ہے لہٰذا یہ محال ہے کہ نظام کے ذیل کو اس کے صدر کے بغیر ربط دیا جائے۔

مختصر یہ کہ انگریزوں نے عورت و مرد کے درمیان تمام حقوق میں مساوات و برابری کے حق کو برقرار رکھا ہے اور انھوں نے سالہا سال اس سلسلہ میں کوشش کی کہ عورت کی خلقت اور کمال کے اعتبار سے اس کے موخر ہونے پر نظر نہیں کی ان لوگوں کا ایک عام نظریہ تقریباً یہ ہے کہ عورت کے اندر جو کمال و فضیلت میں نقص ہے اس کا تعلق غلط تربیت کی وجہ سے ہے اور صدیوں سے یہی تربیت چلی آرہی ہے حتیٰ کہ تخلیق کائنات کے آغاز سے اب تک اسے محدود رکھا گیا ہے ورنہ عورت کی طبیعت و خلقت مرد سے مختلف و متفاوت نہیں ہے۔

اس نظریہ پر جو اعتراض و اشکال وارد ہے وہ یہ کہ (جس طرح خود غربیوں نے اعتراف کیا ہے) قدیم الایام سے جب سے انسانی معاشرے کی تشکیل ہوئی ہے اجمالاً اس نے عورت کے ناقص ہونے کا حکم لگایا ہے اور اگر عورت و مرد کی طبیعت و فطرت برابر ہوتی تو

قطعی طور پر اس حکم کے خلاف (اگر چہ بہت زمانہ کے بعد ہی سہی) کوئی بات ضرور ظاہر ہوتی نیز عورت کے اصلی اور غیر اصلی اعضاء کی خلقت بھی پوری تاریخ میں اپنی حالت بدل چکی ہوتی اور وہ مرد کی خلقت کے مانند ہو چکی ہوتی۔

ہماری اس بات کی تائید خود انگریزوں کی روش ہے انھوں نے اس سلسلہ میں بہت کوششیں کی ہیں اور بڑا روز لگایا ہے کہ عورت پس ماندگی سے نجات دیں اور اس کی ترقی کے اسباب فراہم کریں لیکن ابھی تک وہ لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں اور عورت و مرد کے درمیان مساوات قائم نہیں کر سکے ہیں اور اس کے متعلق دنیا میں جو تحقیقات جاری ہیں ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان ممالک میں اسلام نے عورت کو جن امور سے محروم و منع کر رکھا ہے یعنی قضاوت و حکومت اور جنگ ان سب میں اکثریت مردوں کی رہی ہے اور ہمیشہ خواتین کی تعداد ان امور میں کم رہی ہے۔ انگریزوں نے عورت اور مرد کے حقوق برابر ہونے کا جو نعرہ لگایا ہے اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو کوششیں کی ہیں اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہمارے لئے جہاں تک ممکن ہوگا ہم اس کے بارے میں علیٰحدہ طور پر بحث کریں گے ان شاء اللہ۔

جنسی آمیزش کا اثر

آمیزش ایک اجتماعی رفتار کی بنیاد ہے جب سے انسان کی پیدائش و افزائش کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس وقت سے آج تک انسان نے اس اجتماعی رفتار سے کنارہ کشی نہیں کی ہے سب سے پہلے یہ رفتار انسان کی طبیعت میں پائی جاتی ہے اور آغاز سے انجام تک اسی اساسی طبیعت کی طرف بازگشت ہوتی ہے۔

اسلام جب یہ چاہتا ہے کہ جنسی عمل کو قانونی حیثیت عطا کرے تو اس نے اس قانون کی بنیاد کو نر و مادہ دونوں کے آلۂ تناسل کی خلقت کے اوپر رکھا ہے کیونکہ مرد اور عورت کے اندر دونوں کے متقابل اعضائے تناسل (جنھیں نہایت دقت و باریکی کے ساتھ بنایا گیا ہے اور نر و مادہ کے پورے بدن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں) بلاوجہ اپنی جگہ نہیں رکھے گئے ہیں اور بیکار نہیں پیدا کئے گئے ہیں جو متفکر بھی اس سلسلہ میں خوب غور و فکر کرے گا وہ اچھی طرح سمجھ جائے گا کہ مرد کی طبیعت و فطرت، نر کے حوالے سے جس عضو بدن کی حامل ہے اس کی طلب و چاہت صرف وہی چیز ہے جو اس کے مدمقابل ہے۔

اسی طرح عورت کی طبیعت و فطرت، مادہ ہونے کے حوالے سے جس عضو بدن کی مالک ہے اس کی بھی طلب و چاہت صرف وہی چیز ہے جو اس کے مدمقابل ہے دونوں طرف جو یہ کشش پائی جاتی ہے اس کا مقصد تولید مثل اور نوع بشر کی بقا ہے پس جنسی آمیزش کی بنیاد اسی طبیعی حقیقت پر ہے اور اسلام نے بھی اس عمل کے سلسلہ میں جو سارے احکام مقرر کئے ہیں وہ اسی حقیقت پر مبنی ہیں اور اسلام کا مقصد یہ ہے کہ یہ عمل، جنسی تفریح اور کھیل کود کی صورت میں انجام نہ پائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام احکام پاکدامنی سے مربوط ہیں اور جنسی عمل کی کیفیت کو بتلاتے ہیں نیز اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہر عورت اپنے شوہر کے لئے مخصوص ہے، طلاق، عدت، اولاد اور میراث وغیرہ کے سارے احکام بھی اسی لئے ہیں کہ یہ دونوں اعضاء اس کام میں مشغول ہوں جس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یعنی انسانیت کی نسل کو باقی رکھا جائے۔

دور حاضر میں جو دوسرے قوانین موجود ہیں ان میں جنسی آمیزش کی بنیاد، مرد و عورت کی زندگی میں تشریک مساعی کے عنوان سے ہے۔ درحقیقت ان قوانین کے لحاظ سے ہمخوابی کا تصور زندگی میں ایک قسم کے اشتراک کا نام ہے جو شہری معاشرہ میں ایک تنگ دائرہ کا اشتراک ہے اور اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ آج کے اجتماعی و مدنی قوانین صرف شہری معاشرہ کا خیال رکھتے ہیں انھیں گھر کے اندر کی مشترکہ زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اسلام نے شادی بیاہ کے متعلق نیز پاکدامنی وغیرہ کے بارے میں جو احکام بیان کئے ہیں مدنی قوانین ان چیزوں کا لحاظ نہیں رکھتے۔

آج تمدن کے نام پر جو ڈھونگ رچا جا رہا ہے اس کے نتائج غلط ہیں ان میں بہت سی مشکلات اور اجتماعی دشواریاں ہیں (ان شاء اللہ عنقریب ہی ان امور کا بیان آئے گا) مذکورہ چیزوں کے علاوہ یہ قانون، خلقت و فطرت کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ انسان کے اندر جو جذبہ پیدا ہوا ہے اور وہ باعث بنا ہے کہ انسان طبیعی صورت میں اپنی زندگی کو اجتماعی بنائے اور اسے شریک مساعی کی بنیاد پر قرار دے یہ وہ جذبہ نہیں ہے جو اسے شادی کرنے پر ابھارے، تشکیل معاشرہ کے سلسلہ میں اس کا مقصد یہ تھا کہ سعادت جس کی بنیاد طبیعت نے اس کے اندر رکھی ہے اسے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے خود وہ تنہا ساری چیزوں کو انجام نہیں دے سکتا لہٰذا مجبور ہے کہ معاشرہ کو تشکیل دینے کے لئے تمام افراد و طبقات کا تعاون حاصل کرے۔

ان تمام ضروریات کے پورا ہونے میں تمام لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے تعجب تو اس پر ہے کہ اسی طبیعت اور فطرت نے ہر گروہ کے دل میں اس سے متعلق امر کو انجام دینے کا شوق پیدا کیا ہے تا کہ سب کے مجموعی شراکت سے ساری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

جو چیز انسان کو تشکیل معاشرہ کی دعوت دیتی ہے وہ شادی کی دعوت نہیں دیتی جو لوگ زندگی میں تعاون کی بنیاد پر شادی کرتے ہیں وہ لوگ تناسل اور تولید مثل کے طبیعی تقاضے کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور ایسی راہ پر لگ گئے ہیں کہ جس کی طرف فطرت وطبیعت قطعاً دعوت نہیں دیتی ہے۔ اگر شادی کا مسئلہ زندگی میں تعاون اور اشتراک کی بنیاد پر ہوتا تو اس کے لئے اپنے کچھ مخصوص احکام بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ صرف ان عام احکام کی ضرورت تھی جو تمام مشارکت اور تعاون کے لئے وضع کئے گئے ہیں واضح سی بات ہے کہ اس صورت میں پھر بشر کے لئے پاکدامنی نام کی کوئی فضیلت ہی باقی نہ رہتی اور سارے نسب وقبیلے اور خاندان آپس میں مخلوط ہو جاتے۔

میراث کے مسئلہ میں بڑا ہرج مرج ہو جاتا اور وہی صورت حال ہوتی جو کمنسٹوں نے کی ہے نیز اس صورت میں عورت ومرد جن فطری غرائز سے بہرمند وسرشار ہیں وہ سب باطل ہو جاتے۔ ہم کسی مناسب مقام پر اس کی مزید وضاحت پیش کریں گے۔ یہ شادی کے بارے میں ہماری مختصر گفتگو تھی، طلاق جو اس شریعت کے مفاخر میں سے ایک قابل فخر چیز ہے اس میں بھی اس کے تمام احکام کے مانند فطرت بشر کا ایک جلوہ ہے یعنی اس کا جائز ہونا ایک فطری چیز ہے اور فطرت کی جانب سے طلاق کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے لیکن طلاق کی تشریع کے سلسلہ میں جن خصوصیات وقیود اور شرائط کی رعایت ضروری ہے ہم نے اس سے متعلق موارد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۱)

ہم یہاں پر صرف اتنا کہہ رہے ہیں کہ طلاق کے فطری ہونے میں صرف یہی کافی ہے کہ آج دنیا کی متمدن قوموں اور بڑے بڑے ملکوں نے بھی سالہا سال اور صدیوں کے بعد

بھی مجبور ہو کر کہا ہے کہ طلاق دینے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور انھوں نے اپنے مدنی قوانین میں طلاق کو جائز بتایا ہے۔

---

(۱) المیزان ۱۹:۳۱۲_۳۲۲_

شادی

شادی

ا۔شادی، طبیعت کا ایک مقصد ہے(۱)

عورت اور مرد کے درمیان رابطہ کی بنیاد کسی سفارش اور دباؤ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ اس

طرح ہے کہ انسانی طبیعت یہاں تک کہ حیوانی طبیعت نے اسے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے اور چونکہ اسلام، دین فطرت ہے لہٰذا طبیعی طور پر اس نے شادی کو جائز بتایا ہے۔

تولید نسل کا عمل جو طبیعت کے اغراض و مقاصد میں سے ہے خود یہی اس رابطہ کا واحد عامل ہے یہ رابطہ جو شادی کے قالب میں ڈھل چکا ہے اسلام نے اسے بے لگام آپسی آمیزش اور مباشرت سے روکا ہے اور اسے کچھ تعہد و قوانین کے ساتھ شادی کی شکل دے دی ہے اسی لئے جانوروں میں اولاد کی تربیت والدین کے ذمہ ہے تو یعنی مادہ اور نر اپنے کو ایک دوسرے کی نسبت ذمہ دار سمجھتے ہیں جیسے پرندوں کے اندر حضانت، پرورش اور تغذیہ کی ذمہ دار مادہ کی ہوتی ہے اور ان کا نر آشیانہ میں آب و دانہ کا بندو بست کرتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: المیزان ۴: ۱۷۸۔۱۹۸؛ ترجمہ فارسی ۴: ۲۸۵۔۳۰۲)

نیز ان جانوروں کے مانند جنھیں تولید مثل اور اولاد کی پرورش میں گھونسلے کی ضرورت پڑتی ہے ان کی مادہ گھونسلا تیار کرتی ہے اور نر اس کی حفاظت کرتا ہے اس قسم کے حیوانات، تولید مثل کے لئے شادی کا انتخاب کرتے ہیں جس سے آپس میں یہ عہد و پیمان کرتے ہیں کہ نر و مادہ جوڑے کی صورت میں ایک ساتھ رہیں گے، دونوں کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے وہ آپس میں عہد و پیمان کرتے ہیں، مادہ کے انڈوں کو کیسے محفوظ رکھا جائے پھر کس تدبیر سے ان سے بچے پیدا کئے جائیں اور اسی طرح بچوں کو کھلانا اور ان کی پرورش کرنا یہ سارے کام ان دونوں کی شرکت سے ہوتا ہے۔ اس اشتراک مساعی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے یہاں تک کہ بچوں کی پرورش کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور بچے اپنے پیروں

پر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اپنے ماں باپ سے جدا ہو جاتے ہیں۔اس مرحلہ میں پہنچ کر نر و مادہ دوبارہ شادی کرتے ہیں، مادہ دوبارہ انڈے دیتی ہے۔

.پس از دواج کا عامل وہی تولید مثل اور اولاد کی پرورش ہے اور جنسی ضرورت کا مسئلہ یا زندگی کے کاموں میں اشتراک جیسے کمانا، کھیتی باڑی کرنا، مال جمع کرنا، کھانے پانے کی تدبیر کرنا، گھر کے وسائل فراہم کرنا اور مدیریت کرنا یہ سارے وہ امور ہیں جو غرض طبیعت وخلقت کے حدود سے خارج ہیں اور صرف مقدمات کے عنوان سے ہیں یا اصلی غرض کے علاوہ ان پر دوسرے فوائد مترتب ہوتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت و مرد کی آزادی اور ان کی بے راہ روی اگر اس طرح ہو کہ ہر مرد جس عورت سے چاہے لگ جائے اور ہر عورت جس مرد سے چاہے ربط پیدا کر لے، یہ دونوں جس وقت اور جس جگہ چاہیں ایک ساتھ جمع جائیں اور جانوروں کی طرح بغیر کسی قید اور شرط کے نر اپنی مادہ پر سوار ہو اور اسی طرح ایک قانون رائج ہو جائے تو یہ بہت غلط کام ہے جیسا کہ آج کل مغربی تمدن میں ہو رہا ہے یہاں تک کہ شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرنے کا رواج ہو چکا ہے۔

اسی طرح طلاق سے پرہیز کرنا اور ایسے دو افراد کے درمیان ہمیشہ کے لئے شادی برقرار کرنا جن میں اخلاقی لحاظ سے موافقت نہ ہو نیز عورت کو اس بات سے روکنا کہ وہ اپنے (دیوانہ) شوہر کو نہ چھوڑے کہ صحیح سالم مرد سے شادی کرے اور اسے اس دیوانے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کرنا یہ ساری باتیں غلط ہیں۔

نیز صاحبِ اولاد ہونے کو فضول و بیہودہ سمجھنا، تولید نسل سے پرہیز کرنا، اولاد کی تربیت کی

ذمہ داری نہ سنبھالنا، آج کی ترقی یافتہ قوموں کی طرح تدبیر منزل میں مشارکت کو شادی کا فلسفہ سمجھنا نیز شیر خوار بچوں کو ایسی عام جگہ بھیجنا جہاں عام طور سے سب کے بچوں کو دودھ پلایا جارہا ہوتا کہ ان کی خوراک وتربیت کا بندوبست ہوسکے یہ ساری چیزیں سنت طبیعت کے برخلاف ہیں انسان کی خلقت اس طرح ہوئی ہے وہ ان تمام سنتوں کے مخالف ہے۔

ہاں! جانوروں کے اندر بچہ کے پیدا ہونے اس کے رشد پانے، مادہ کے حاملہ ہونے، دودھ پلانے اور پرورش سے زیادہ ان کے درمیان ہمراہی اور مشارکت کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ چیز طبیعی ہے کہ اس فلسفہ کے تحت انھیں شادی ہمراہی اور اختصاص کی بھی ضرورت نہیں ہوگی چاہے جو جانور بھی ہو اس کا یہی حال ہے ایسے جاندار جنسی مسائل میں مطلق طور سے آزاد ہوتے ہیں البتہ اسی حد تک جب تک کہ نسل کی حفاظت کے لحاظ سے طبیعت کی جو غرض ہے اسے کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پڑھنے والا یہ خیال کرنے لگے کہ سنت خلقت اور مقتضائے طبیعت سے خارج ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی جو کمیاں ہیں وہ غور وفکر کرنے اور تجربہ سے دور ہو جاتی ہیں اور اس کے بدلے میں زندگی کی لذتیں اور اس کی لطف اندوزیاں زیادہ ہو جاتی ہیں ایسا خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ طبیعی وجود منجملہ انسانیت کا وجود بہت زیادہ اجزاء سے مرکب ہے ہر جزء کو چاہئے کہ اپنی خاص جگہ مخصوص شرائط کے ساتھ ہو اور اسے اس طرح ہونا چاہئے کہ خلقت میں جو غرض پوشیدہ ہے اور ایک مرکب طبیعت کا جو مقصد ہے اس کے مطابق ہو اور اس غرض کے حاصل کرنے میں اور نوع کو کمال تک پہنچانے میں ہر جزء کی دخالت اس دخالت کے مانند ہے جو معجون اور مرکب دواؤں کے ہر جزء میں ہوتی ہے ہر جزء کی شرط موفقیت، دوا کے اجزاء کی شرط موفقیت

کے مانند ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی خاصیت، وزن اور مقدار معین ہو اور دیگر خصوصی شرائط ہوں اگر یہ اجزاء نہ ہوں یا اجزاء کے درمیان تناسب اور ترکیب کی رعایت نہ ہو تو دوا کی خاصیت بھی ختم ہو جائے گی۔

انسان ایک طبیعی موجود ہے اور اس کے بہت سے اجزاء ہیں جن کی ایک مخصوص ترکیب ہے اس ترکیب کے نتیجہ میں اس کے اندر بہت سے اوصاف ہیں اور اس کی روح میں بہت سے صفات ہیں اور جسم انسانی میں بہت سے افعال واعمال ہیں۔ بنا برایں اگر انسان کے بعض اعمال اس صفت وروش سے منحرف ہو جائیں جنھیں طبیعت نے اس کے لئے معین کیا ہے اور انسان اپنے لئے ایسی عملی روش اختیار کرے جو کہ طبیعت کی ضد ہے تو قطعی طور پر اس کے صفات پر اثر پڑے گا اور وہ روش اسے طبیعت وخلقت کی راہ سے دور کر دے گی اس کجی وانحراف کا نتیجہ اس رابطہ کا قطع ہو جانا ہے جو اس کے کمال طبیعی کے ساتھ تھا اور خلقت کے لحاظ سے اس کی تلاش میں تھا۔

اگر ہم عمومی بلاؤں اور مصیبتوں کے بارے میں غور کریں (جو آج پوری انسانیت کو لاحق ہیں سعادت وآسائش تک پہنچنے کے لئے اس کے تمام اعمال اور کوششوں کو بے اثر کر دیا ہے اور پوری انسانیت کی بربادی کا پیش خیمہ ہیں) اور ان کے بارے میں موشگافی کریں تو ہم دیکھ لیں گے کہ ان مصیبتوں کا سب سے اہم عامل وسبب، تقویٰ کا نہ ہونا اور زندگی میں بے شرمی، قساوت اور حرص کا پیدا ہونا ہے اور بے راہروی و بے شرمی کا سب سے بڑا عنصر اور سبب بہت زیادہ آزادی، لگام کا ڈھیل دینا نیز ہمسر اختیار کرنے اور اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں نوامیس طبیعت کو نظر انداز کرنا ہے۔

ہاں! خاندان کی عادت اور اولاد کی تربیت (اولاد جس دن سے تشخص کے مرحلہ میں داخل

ہوتی ہے اس دن سے زندگی کے آخری مرحلہ تک) موجودہ دور میں محبت، رحمت، پاکدامنی اور حیاوفروتنی کو ختم کردیتی ہے۔

اگر ہم سوچ سمجھ کر تجربہ کے ذریعہ ان کمیوں کو دور حاضر کے تمدن سے ختم کرنا چاہیں تو کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ سوچ سمجھ بھی زندگی کے تمام لوازمات کی طرح ایک ایسا وسیلہ ہے جسے طبیعت اور تکوین نے وجود بخشا ہے اور طبیعت نے اسے ایک ایسا وسیلہ قرار دیا ہے کہ جو چیز مسیر طبیعت سے خارج ہو جاتی ہے اسے اس کی جگہ لوٹا دے نہ یہ کہ جو کچھ طبیعت وخلقت انجام دیتی ہے اسے باطل کردے، شمشیر طبیعت اس لئے انسان کے اختیار میں دی گئی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ تمام شر اور آفتوں کو دور کر سکے نہ یہ کہ خود طبیعت ہی پر حملہ کر بیٹھے، فکر واندیشہ جو طبیعت کا ایک آلہ ہے اگر یہ طبیعت کو خراب وبرباد کرنے والی چیزوں کی تائید میں استعمال ہونے لگے تو دوسرے تمام وسائل کی طرح خود یہ وسیلہ بھی تباہ وبرباد ہو جائے گا۔ اسی لئے آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ آج انسان اپنی فکر وشعور کی قوت سے ان برائیوں کی اصلاح کرنا چاہتا ہے جن سے بشریت کے پورے اجتماع کو خطرہ ہے تو اس کا نتیجہ اور زیادہ برا ہو جاتا ہے ایسی خطرناک بلائیں آتی ہیں جن سے کوئی نہیں بچتا۔

ہاں! ممکن ہے کہ اس نظریہ کی طرفداری کرتے ہوئے کوئی کہے: روحانی صفات جنھیں نفسانی فضائل کہا جاتا ہے یہ صرف گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں آج کل کے ترقی یافتہ انسان کی زندگی سے اس کا کوئی ربطہ نہیں ہے ہم نمونہ کے طور پر پاکدامنی، سخاوت، حیا، محبت اور سچائی کا ذکر کر رہے ہیں مثلاً پاکدامنی یہ ہے کہ اپنے کو نفسانی خواہشات سے رو کے رکھے۔ سخاوت یہ ہے کہ جو مال بڑی زحمتوں اور مشقتوں سے حاصل کیا ہے اسے

دوسروں کو خیرات کر دے کہ جس کا نتیجہ لوگوں کو کاہل، فقیر اور بیکار بنانا ہے۔

اسی طرح شرم وحیا ایک ایسی مہار ہے جو انسان کو اپنا حق مانگنے سے روکتی ہے اور یہ شرم اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے دل میں جو کچھ ہے اسے بغیر پردہ (بلا جھجھک) کے ظاہر کر دے، ہمدردی تو دل کے کمزور ہونے کی دلیل ہے اور آج سچائی بھی زندگی کی حالت کو دیکھتے ہوئے ٹھیک نہیں ہے۔

اس طرز تفکر کا نتیجہ بھی وہی گمراہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ ان افراد نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے کہ بشریت کے معاشرہ میں ان فضائل کی رعایت کرنا واجبات اور ضروریات میں سے ہے اور ان کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگر یہ چیزیں بشری معاشرہ سے رخصت ہو جائیں تو انسان اجتماعی صورت میں ایک گھنٹہ بھی زندگی نہ گزار سکے گا۔

اگر بشر ان خصلتوں پر کوئی توجہ نہ دے اور ہر آدمی اس چیز کی طرف دست درازی شروع کر دے جو دوسروں کی ملکیت ہے ان کے مال وحقوق اور ان کی عزت کو پامال کرنے لگے اور کوئی ایک بھی معاشرہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے سخاوت وبخشش نہ کرے اور کوئی شخص بھی برے اعمال کا ارتکاب کرنے اور جن قوانین کی رعایت واجب ہے ان میں شرم نہ کرے اور ناتواں و بے چارہ افراد جیسے بچے اور دیوانے (جن کا اپنے بے بس و بے چارہ ہونے میں کوئی قصور نہیں ہے) اگر کوئی ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی نہ کرے اور ان کے اوپر ترس نہ کھائے اور یہ طے پایا جائے کہ کوئی سچ نہ بولے بلکہ اس کے بدلے میں سب لوگ جھوٹ بولنے لگیں اور جھوٹے وعدے کرنے لگیں تو بشریت کا پورا معاشرہ اسی لمحہ متلاشی ہو کر رہ جائے گا اور مثل مشہور ہے کہ ''سنگ روئے سنگ بند نمی شود: صرف پتھروں

سے باندھ نہیں بنایا جاسکتا ہے"۔

پس ان افراد کو کم سے کم اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ یہ خصلتیں نہ صرف یہ کہ بشر کے درمیان سے ختم نہیں ہوئی ہیں بلکہ کبھی ختم بھی نہیں ہوسکتیں اور بشر طبیعی طور پر بغیر کسی سفارش کے ان سے متمسک ہے اور جب تک اجتماعی زندگی کا جذبہ اس کے اندر کارفرما رہے گا وہ ان ساری خصلتوں کی حفاظت بھی کرتا رہے گا۔

ان خصلتوں کے بارے میں صرف ایک بات جو کہنے کی ہے اور جس کے لئے سفارش و نصیحت کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان صفات میں تعدیل کی ضرورت ہے اور افراط وتفریط سے بچنا چاہئے اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ انسان کو جو سعادت کی دعوت دی گئی ہے طبیعت وخلقت کی اس غرض سے ہم آہنگ ہو جائے۔

آج کل ترقی یافتہ معاشروں میں جن صفتوں اور خصلتوں کو فضیلت سمجھا جاتا ہے اگر واقعاً وہ سب فضیلت ہوتیں یعنی اگر ان میں تعادل برقرار ہوتا تو معاشرہ میں اتنا فساد برپا نہ ہوتا اور بشریت کا کارواں، ہلاکت و بربادی کے دہانہ پر نہ پہنچتا بلکہ وہ چین وسکون اور سعادت کے سایہ میں ہوتا۔ اب پھر ہم اصل بحث کی طرف لوٹتے ہوئے عرض کرتے ہیں: اسلام نے شادی کے مسئلہ کو اس کی طبیعی جگہ پر قرار دیا ہے، اس نے شادی کو حلال و جائز اور زنا کو حرام وناجائز بتایا ہے، شادی کے رشتہ کو جدائی (طلاق) کے جواز کی بنا پر تشریع کیا ہے اس کا بیان آئندہ آنے والا ہے، اس نے شادی کے اس رابطہ کے لئے کچھ حدود وقوانین مقرر کئے ہیں ہرج ومرج سے بچایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ شادی ایک عقلانی بنیاد پر استوار ہے اور وہ توالد وتربیت ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''تناکحوا تناسلوا تکثروا...'' نکاح کرو اور بچے پیدا کرو اور اپنی تعداد میں اضافہ کرتے رہو۔(۱)

۲۔ عورتوں پر مردوں کا دباؤ

اگر ہم نر و مادہ جانوروں کے درمیان رابطہ اور جفت گیری کی کیفت پر غور کریں تو سمجھ میں آجائے گا کہ جانوروں کے درمیان بھی جفت گیری میں نر کی طرف سے مادہ کے اوپر ایک قسم کا دباؤ پڑتا ہے گویا نر جانور اپنے کو مادہ کے آلۂ تناسل کا مالک سمجھ کر نتیجہ میں مادہ کو اپنی ملکیت جانتا ہے اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کئی ایک نر ایک مادہ کے بارے میں آپس میں نزاع کرنے لگتے ہیں لیکن مادہ جانور نر کے بارے میں نزاع نہیں کرتے مثلاً ایک کوا یا کتا یا گوسفند یا گائے یہ سارے مادہ جانور جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا نر دوسری مادہ کے

---

(۱) بحار الانوار: ۱۰۰: ۲۲۰؛ کنز العمال ۱۶: ۲۷۸، ح ۴۴۴۴۲۔

ساتھ جفت گیری کئے ہوئے ہے تو اس مادہ پر حملہ نہیں کرتے لیکن جب نر جانور یہ دیکھتا ہے کہ کوئی دوسرا نر اس کی مادہ کا پیچھا کئے ہوئے ہے تو وہ بڑا غصہ ہوتا ہے اور اس پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جس عملَ کا نام خواستگاری ہے اور وہی انسانوں کے درمیان رائج ہے وہ چیز جانوروں میں بھی ایک طرح سے پائی جاتی ہے اور خواستگاری کا عمل نر جانور کی طرف سے ہوتا ہے ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ سارے نر حیوانات اپنے عزیزۂ ادراک و شعور کے ذریعہ یہ سمجھتے ہیں کہ جفت گیری کے عمل میں نر ''فاعل'' اور مادہ ''مفعول'' واقع ہے اسی لئے مادہ، نر کی اطاعت کرنے پر اپنے کو مجبور سمجھتی ہے۔

یہ بات اس چیز کے علاوہ ہے جو نروں میں مشاہدہ ہوتی ہے کہ نر، مادہ کے سارے مطالبات کو پورا کرتا ہے یہاں پر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے کہ مادہ کی تمام ضرورتیں پوری کرے اور اسے لذت حاصل کرنے کا موقع فراہم کرے نر اس وجہ سے مادہ کی اطاعت کرتا ہے کہ وہ عشق وشہوت کی رعایت کرتا ہے تا کہ مزید لذت حاصل کر سکے ہر نر اپنی مادہ کی ناز برداری کرتا ہے اور اس کی ضروریات پوری کرنے میں لذت حاصل کرتا ہے پس اس اطاعت شعاری کی جڑ شہوت کی قوت ہے اور اس برتری و مالکیت کی جڑ نر جانور کی قوت ہے۔

یہ چیز یعنی نر کے لئے سختی وقدرت مندی ضروری ہے اور اسی طرح مادہ کے لئے نرمی و اطاعت شعاری ضروری ہے یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا عقیدہ کم وبیش تمام ملتوں میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا وجود ہے اسی لئے تو ہر پہلوان شخص کہ جو کسی کے سامنے زیر ہونے والا نہیں ہے اس کو ''مرد'' کہا جاتا ہے اور نرم خو وتاثیر پذیر کو ''عورت'' کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے مرد شمشیر مرد میدان، یہ چیز تمام انسانوں و معاشروں اور مختلف قوموں میں اجمالی صورت میں کم وبیش رائج ہے۔

اسلام نے بھی اس فطری قانون کو اپنے قوانین کی تشریع میں معتبر سمجھتے ہوئے کہا ہے: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ'' مرد لوگ عورتوں کے سرپرست ہیں کیونکہ خدا نے ان میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت دی ہے۔(۱)

اسلام نے اس حکم کے ذریعہ خواتین پر یہ واجب قرار دیا ہے کہ وہ ہمخوابی کے لئے مردوں

کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اپنے کو ان کے اختیار میں قرار دیں۔

۳۔ متعدد اَزواج

ایک ہمسر یا متعدد ہمسروں کا مسئلہ مختلف قسم کے جانوروں میں الگ الگ ہے یہ یکساں اور برابر نہیں ہے کیونکہ جن جانوروں کے درمیان خانوادگی سماج وشیرازہ برقرار ہے ان میں ہمسر صرف ایک ہے ایک مادہ صرف ایک نر کے لئے مخصوص ہے اور ایسا صرف اس لئے ہے کہ سارے نر امور آشیانہ اور اس کی تدبیر میں نیز بچوں کی پرورش میں اپنی مادہ کا تعاون کرتے ہیں نر انھیں سارے اہم امور میں اس قدر منہمک ومشغول رہتا ہے کہ اسے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ دوسری مادہ، دوسرے آشیانہ اور دوسرے بچوں کی خواہ مخواہ

---

(۱) نساء (۴): ۳۴۔

ذمہ داری لیں البتہ یہ ممکن ہے کہ جب انھیں جانوروں کو اہلی (پالتو) بنالیا جائے اور ان کی سرپرستی کی جائے تو ان کی موجودہ عادت بدل جاتی ہے یعنی مرغی، مرغے اور کبوتر وغیرہ کی معاشی ضرورت پوری کرنے سے ان کی عادت بدل سکتی ہے پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے لئے ہمسری کی عادت بھی بدل جائے گی۔

لوگ قدیم الایام سے اور زیادہ تر گزشتہ ملتوں جیسے مصر، ہندوستان، فارس بلکہ روم اور یونان کے لوگ متعدد اَزواج کے عادی تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک بیوی سے شادی کرنے کے بعد اسے تنہائی سے نجات دینے کے لئے گھر کے اندر اس کے لئے کئی کئی ہمنشین کا بندوبست کرتے تھے تاکہ وہ ہمسر اس سے انسیت حاصل کرتا رہے اور کچھ

قوموں کے درمیان ان کے لئے کوئی خاص تعداد معین نہیں تھی مثلاً یہودی اور عرب لوگ کبھی کبھی دس دس اور بیس بیس یا اس سے بھی زیادہ عورتوں سے شادیاں کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان بادشاہ نے کئی عورتوں سے شادیاں کی تھیں۔(۱)

زیادہ تر ان لوگوں کی متعدد بیویاں ہوا کرتی تھیں جن قبائل وخاندان کی زندگی قبیلہ کی صورت میں ہوتی تھی جیسے دیہاتی اور کوہ نشین افراد اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خاندان کے ذمہ دار کو کئی لوگوں کے تعاون کی سخت ضرورت ہوتی تھی اور کئی بیویاں رکھنے کا ان کا ایک مقصد یہ ہوتا تھا کہ لڑکے زیادہ پیدا ہوں تا کہ اپنے باپ کا دفاع کرتے ہوئے اچھی طرح ان کی مدد کر سکیں اور یہ دفاع ان کی زندگی کا ایک اہم جز تھا۔

ان ساری باتوں کے علاوہ جب خاندان کے افراد زیادہ ہوتے ہیں تو دوسروں پر ریاست

---

(۱) الدر المنثور ۷:۱۸۲؛ بحار الانوار ۱۴:۱۰۶۔

وحکومت اور آقائی وسرداری کا بہترین موقع مل جاتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس عورت سے لوگ شادی کرتے تھے اس کے تمام رشتے داروں کو اپنا حامی بنا لیتے تھے۔

دانشمندوں نے جو یہ کہا ہے کہ کچھ قبیلوں اور دیہاتی لوگوں میں جو متعدد شادیوں کا رواج تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کی مشغولیت بہت رہتی تھی اور ان کے کام زیادہ ہوتے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کیونکہ ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ خاندان کے ان افراد میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داری نبھاتا، ایک یا کئی افراد کھیتی باڑی اور آبیاری میں مشغول ہوتے ہیں، کچھ لوگ شکار کرتے ہیں، کچھ لوگ کھانے پکانے میں مشغول رہتے ہیں اور کچھ لوگ بنائی کرتے ہیں اور اسی طرح....۔

اگر چہ اس نظریہ کے بارے میں غور کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر ہم ان لوگوں کے روحانی صفات کے بارے میں دقت کریں تو ہمیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ مذکورہ افراد کے لئے کثرت کا رکا مسئلہ دوسرے مرحلہ میں تھا کیونکہ قبائل اور بادیہ نشین افراد کا متعدد بیویوں کے رکھنے کا سب سے پہلا مقصد وہی تھا جو ہم بیان کر چکے ہیں جیسا کہ کسی کو منھ بولا بیٹا بنالینا اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو قبائل میں رائج تھیں یہ سب بھی اس جذبہ کی دین تھیں کہ جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک دوسری بنیادی علت بھی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کے درمیان متعدد بیویوں کا رواج تھا اور وہ یہ تھا کہ خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوا کرتی تھی کیونکہ جو قومیں قبیلہ کی صورت میں زندگی بسر کرتی ہیں ان کے درمیان ہمیشہ سے جنگ اور قتل و غارت کا رواج رہا ہے جس کی وجہ سے مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور عورتیں زندہ باقی رہ جاتی ہیں خود یہی ایک مؤثر باعث ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے اور عورتوں کی کثرت کا علاج صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک مرد کی کئی کئی بیویاں ہوں تا کہ اس معاشرہ کی طبیعی ضرورت پوری ہوتی رہے متعدد بیویوں سے شادی کے رائج ہونے میں اس نکتہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

اسلام نے ایک عورت سے شادی کرنے کا قانون بنایا ہے اور ایک سے زیادہ یعنی چار بیویوں سے شادی کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں دی ہے جب شوہر ان خواتین کے درمیان عدالت برقرار رکھ سکے اور اس حکم کے نفاذ کی صورت میں جنتی مشکلات پیش آسکتی ہیں (جو آئندہ بیان کی جائیں گی) ان کی اصلاح بھی کر دی اور فرمایا ہے: وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ : جو وظائف و فرائض عورتوں پر ہیں وہی

سارے شائستہ طور پر ان (مردوں) کے نفع میں بھی ہیں۔(۱) متعدد بیویوں سے شادی کرنے کا جو حکم جواز ہے بعض افراد نے اس پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے ہیں:

۱۔اس حکم سے اجتماع و معاشرہ کے اندر بہت سے برے آثار و نتائج سامنے آتے ہیں کیونکہ خواتین کے جذبات واحساسات کو ٹھیس لگتی ہے ان کی ساری تمنائیں خاک میں مل جاتی ہیں، شوہر سے جو عشق وانسیت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے، دوستی کا جذبہ اس سے انتقام لینے میں بدل جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواتین گھر کے کام انجام نہیں دیتیں ہیں، بچوں کی تربیت چھوڑ دیتی ہیں اور ان کے حق میں شوہر سے جو کمی و غلطی ہوتی ہے اس کا بدلہ لینے پر تیار ہو جاتی ہیں، زنا میں گرفتار ہو جاتی ہیں اور پھر یہی عمل باعث بن جاتا ہے جس سے برے اعمال کا رواج پیدا ہو جاتا ہے اور مال و ناموس وغیرہ میں خیانت شروع

---

(۱) بقرہ ۲/۲۲۸۔

ہو جاتی ہے پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ پورا معاشرہ تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۲۔متعدد بیویاں رکھنا اس چیز کے مخالف ہے جو طبیعت میں مشاہدہ کی جاتی ہے کیونکہ مسلسل کئی صدیوں سے جو مختلف ملتوں کی آبادی کا اندازہ لگایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی تعداد برابر ہے یا دونوں کی تعداد میں صرف تھوڑی سی کمی و بیشی ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طبیعت نے ایک مرد کے لئے ایک عورت کو معین و مخصوص کر رکھا ہے پس اگر اس کے خلاف کوئی دستور اور حکم صادر کیا جائے تو درحقیقت وہ طبیعت کے خلاف ہوگا۔

۳۔کئی بیویوں سے شادی کا جائز ہونا مردوں کو شہوت پرستی کی دعوت دیتا ہے اس سے

معاشرہ کے اندر شہوت کا جذبہ بھڑکتا ہے۔

۴۔اس قانون سے معاشرہ کے اندر خواتین کی حیثیت وآبرو پامال ہوتی ہے اور حقیقت میں یہ قانون چار عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیتا ہے اور خود یہ اصول ایک طرح کا ظلم ہے یہاں تک کہ خود اسلام کے بھی منشا کے خلاف ہے کیونکہ اسلام نے میراث کے قانون میں اور گواہی کے مسئلہ میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر بتایا ہے۔اس لحاظ سے ایک مرد کو صرف دو ہی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہئے اس سے زیادہ سے نہیں پس چار عورتوں سے شادی کا جواز، عدالت وانصاف کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

یہ سارے اعتراضات مسیحیوں یا ان ترقی یافتہ معاشروں کی جانب سے اسلام پر کئے گئے ہیں جو عورت اور مرد کے حقوق کو برابر بتاتے ہیں۔

ہم پہلے اعتراض کا جواب تکرار کے ساتھ دے چکے ہیں اور ہم نے وہاں یہ عرض کیا ہے کہ اسلام نے انسان کی زندگی کی بنیاد اور انسانی معاشرہ کی بنا عقلی وفکری زندگی پر استوار کی ہے وہ جذباتی وعاطفی نہیں ہے۔اسلام میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اجتماعی رسوم میں عقلی اصلاح ہو ایسی اصلاح نہ ہو جس میں احساس وجذبات کو دخل ہو اور جذبات ہی پر اس کا دارومدار ہو۔قطعاً اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے خواتین کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے اور الٰہی عطایا وطبیعی غرائز غلط ہیں کیونکہ علم نفسیات (علم النفس) میں یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ روحانی صفات اور باطنی عواطف واحساسات، کمیت و کیفیت کے لحاظ سے تربیت وعادات کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ ہم خود یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بہت سے آداب ایسے ہیں جو مشرقی لوگوں کی نظر میں

پسندیدہ ہیں لیکن وہی مغربی لوگوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں اور اس کے برعکس ایسا بھی ہے کہ بہت سے ایسے رسومات وعادات ہیں جو مغربی لوگوں کی نظر میں پسندیدہ ہیں لیکن وہی مشرقی لوگوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں آپ کو قطعاً ایسی دو قوموں اور ملتوں کا سراغ نہیں ملے گا جن کا نظریہ تمام آداب ورسوم میں یکساں ہو۔

اسلام میں دینی تربیت، عورت کو اس درجہ پر پہنچا دیتی ہے کہ ان چیزوں سے اس کے جذبات کو ذرا بھی ٹھیس نہیں پہنچتی ہے۔

ہاں! ایک مغربی عورت جو صدیوں سے اب تک اس بات کی عادت کئے ہوئے ہے کہ وہی اکیلی اپنے شوہر کی بیوی بنی رہے اور اس نے صدیوں سے اسی پر عمل بھی کیا ہے اس کی وجہ سے اس کی روح وجان کے اندر ایک جھوٹا جذبہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ متعدد بیویوں کو اپنی ضد ومخالف سمجھتی ہے۔ اس پر سب سے بڑی دلیل وہ ذلت ہے جو آج کل کی ترقی یافتہ قوموں کے مردوں اور عورتوں کے درمیان رائج ہے۔

صرف مغربی مرد ہی کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ وہ جس باکرہ، بیوہ، بے شوہر اور شوہر دار عورت کے ساتھ چاہے جنسی عمل انجام دے دے بلکہ مغربی عورت بھی اسی طرح جس مرد سے چاہے دوستی برقرار کر کے ناجائز تعلقات پیدا کر لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ ہزاروں مغربی انسانوں میں سے آپ ایک ایسے شخص کو نہیں پائیں گے جو زنا کے عیب سے محفوظ ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت دونوں کا یہی حال ہے، غربی انسان صرف اسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ وہ تو ہمجنس بازی اور لواط کو بھی غلط نہیں سمجھتا اور اس کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور شاید ہی کوئی مرد ایسا ملے یا کم لوگ ایسے ملیں گے جو اس عیب سے محفوظ ہوں

ان لوگوں نے اس ذلت کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ چند سال پہلے انگلینڈ کی پارلیمنٹ سے یہ درخواست کی کہ مردوں کی ہمجنس بازی کا قانونی بنایا جائے (۱) ایسا اس وقت ہوا ہے جب غیر قانونی طور پر اس برے عمل کی کثرت ہو چکی تھی، عورتوں خصوصاً باکرہ لڑکیوں اور بے شوہر عورتوں کے درمیان برائیاں بہت ہی زیادہ پھیل چکی تھیں۔

ہمیں اس پر بہت زیادہ تعجب ہے کہ جب غربی عورتوں نے اپنے شوہروں سے اس قدر کثرت سے بے ناموسی و بے عفتی کا مشاہدہ کیا تو انھیں افسوس کیوں نہیں ہوا، ان کے دل زخمی کیوں نہ ہوئے اور ان کے جذبات، وعواطف کو ٹھیس کیوں نہ پہنچی؟! آخر ان مردوں کی غیرت کہاں چلی جاتی ہے کہ جن عورتوں سے انھوں نے باکرہ کے عنوان سے شادی کی ہے انھیں وہ استعمال کیا ہوا پاتے ہیں اس پر انھیں کوئی غم نہیں ہوتا اور ان کے جذبات

---

(۱) موجودہ دور میں یورپ کے بعض ملکوں میں اپنے ہم جنس سے شادی کرنا قانونی بن گیا ہے۔

کو ٹھیس نہیں پہنچتی بلکہ وہ تو فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ انھیں ایسی بیوی ملی ہے جس کے بہت زیادہ دوست اور عاشق ہیں اور اس پر فریفتہ افراد اس سے مقاربت کرنے میں آپس میں مسابقہ و مقابلہ کرتے ہیں نیز انھیں اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ ان کی بیوی کے دسیوں بلکہ سیکڑوں چاہنے والے افراد موجود ہیں!

ہم نے جو نکتہ بیان کیا اگر اسے پیش نظر رکھا جائے تو یہ سارے تعجب ختم ہو جائیں گے ہم نے عرض کیا کہ جذبات واحساسات، تربیت کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں اس طرح کے محبت آمیز اعمال و کردار چونکہ تکرار ہو چکے ہیں اور لوگ ان کے انجام دینے میں مکمل طور سے آزاد ہیں لہٰذا ان کے دل عادت کر چکے ہیں اور ان کی یہ عادت چھوٹنے سے رہی

ان کے دلوں میں اس عادت کی جڑیں مضبوط ہوگئی ہے اسی بنا پر جذبات واحساسات ان کی طرف مائل ہوتے ہیں اوران کی مخالفت نہیں ہوتی ہے۔

ان لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ کئی بیویاں رکھنے کی وجہ سے خواتین بے رغبت ہوجاتی ہیں اور وہ لوگ امور خانہ داری نیز بچوں کی تربیت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی ہیں نیز ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ کئی بیویاں رکھنے سے زنا اور خیانت کا رواج بڑھتا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ تجربہ نے اس کے خلاف ثابت کیا ہے۔

صدر اسلام میں کئی کئی بیویوں کا حکم جاری ہوا مگر کسی مورخ اور تاریخ کے ماہر شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ان دنوں میں خواتین گھر کے اندر کام کرنے میں بے رغبت تھیں اور بہت سے کام بگڑ گئے تھے یا معاشرہ میں زنا کا رواج ہوگیا تھا بلکہ تاریخ اور مورخین کا بیان اس کے خلاف ہے۔

اس کے علاوہ جو خواتین ایک بیوی کے بعد اس کے شوہر سے شادی کرتی ہیں اور اسلامی معاشرہ میں نیز دوسرے معاشروں میں اس عمل کو جائز جانتی ہیں وہ خود اپنی رضایت و رغبت سے کسی مرد کی دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی بنتی ہیں یہ سب انھیں معاشروں کی خواتین ہیں اور مرد لوگ ان کو دوسرے معاشروں سے کنیز کے عنوان سے نہیں لاتے ہیں یا اس دنیا کے علاوہ کسی دوسری دنیا سے فریب دے کر نہیں لاتے ہیں۔ اگر ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ خواتین اس طرح کی شادی کرنے کی طرف مائل رہتی ہیں تو یہ بات اجتماعی عوامل واسباب کی بنا پر ہے۔ عورت کی طبیعت کئی بیویوں سے نہیں اکتاتی ہے اور عورتوں کا دل اس عمل سے آزردہ نہیں ہوتا بلکہ اگر آزردگی ہے تو ایسے لوازم وعوارض کی وجہ سے ہے جس کا سبب پہلی بیوی ہوتی ہے کیونکہ جب پہلی بیوی اکیلی اکیلی شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو

اسے یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت اس کے گھر میں قدم رکھے کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ شوہر کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے گا یا وہ اس کے اوپر حکومت کرنے لگے گی یا اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے بچوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہے گا اسی طرح کا بہت سا خوف ہوتا ہے جس کی وجہ سے پہلی بیوی راضی نہیں ہوتی اور اسے روحانی اذیت ہوتی ہے جب کہ اس کا طبیعی غریزہ سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض جو یہ تھا کہ مردوں اور عورتوں کی آبادی کے لحاظ سے متعدد بیویوں سے شادی کرنا ایک غیر طبیعی عمل ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال کئی اعتبار سے غلط ہے:

ا۔شادی صرف آبادی کے لحاظ سے نہیں ہوتی بلکہ دوسرے بھی بہت سے عوامل وشرائط ہیں اوران میں سے ایک عامل یہ ہے کہ عورتوں میں فکری رشد پہلے ہوتا ہے اور وہ مردوں سے پہلے ہی شادی کے لئے آمادہ ہو جاتی ہیں،عورتیں خصوصاً جو گرم علاقوں میں رہتی ہیں نو رسال کی عمر میں ان کے اندر شادی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جب کہ بہت سے مرد سولہ رسال سے پہلے یہ صلاحیت نہیں رکھتے ہیں یہ وہی معیار ہے جسے اسلام نے شادی کے سلسلہ میں معتبر بتایا ہے۔

اس مطلب پر دلیل وشاہد ترقی یافتہ ملکوں میں لڑکیوں کے بارے میں جو روش پائی جاتی ہے وہ ہے ان ممالک میں بڑی مشکل سے کوئی لڑکی ایسی ملے گی جو قانونی سن (مثلاً ۱۶رسال) تک پہنچ کر کنواری ہو۔

یہ جو بکارت زائل ہوتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ طبیعت نے عورت کے قانونی سن

کے کئی سال پہلے ہی اسے شادی کے لئے آمادہ قرار دیا ہے اور چونکہ قانون اسے شادی کی اجازت نہیں دے رہا تھا لہٰذا اس نے مفت میں اپنی بکارت کو کھو دیا ہے۔

اس خصوصیت کا لازمہ یہ ہے کہ اگر ہم ایک ملک کے پیدا ہونے والے افراد (بشرطیکہ اس ملک کی لڑکیاں لڑکوں کے برابر ہوں) کو نظر میں رکھیں تو سولہویں سال کے شروع میں لڑکے (یعنی سولہویں سال کے پہلے سال میں) شادی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں جب کہ لڑکیاں سولہ سال کے سات سال میں پہلے شادی کے لئے آمادہ ہو جاتی ہیں یعنی لڑکوں کی شادی کی آمادگی کی مدت قانونی سال سے صرف ایک سال پہلے ہوتی ہے اور لڑکیوں کی شادی کی آمادگی کی مدت قانونی سال سے سات سال پہلے ہو گئی ہے۔

اگر ہم ملک کے ان فراد کے بارے میں غور کریں جن کی عمر پچیس رسال ہے تو پچیسویں سال کے شروع میں مردوں کے بلوغ کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اس میں دس رسال پہلے سے لڑکے اور پندرہ رسال پہلے سے لڑکیاں شادی کے لئے آمادہ رہتی ہیں اگر ہم نسبت حدوسط کو معیار قرار دیں تو ہر ایک لڑکے کے لئے دو لڑکیاں شادی کے لئے آمادہ ملیں گی اور اس نسبت کو لڑکے اور لڑکی کی نسبت نے برقرار کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے جس تعداد و آبادی کا ذکر کیا ہے خود اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورتوں کی عمر مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ ہم نے جس سال میں ان لڑکوں اور لڑکیوں کی موت کو فرض کیا ہے کچھ ایسی بوڑھی عورتیں موجود ہوتی ہیں جن کے مقابلہ میں بوڑھے مرد موجود نہیں ہوتے۔ (۱)

اگر ہم اس کو بھی چھوڑتے ہوئے آگے بڑھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ تولید نسل کی خاصیت

یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ مرد کے آلۂ تناسل کی عمر، عورت کے آلۂ تناسل سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اکثر خواتین پچاس رسال کی عمر میں بیکار ہوکر یائسہ ہوجاتی ہیں ان

---

(۱) اس کی تائید اس تعداد سے ہوتی ہے جسے تہران کے ''اطلاعات'' اخبار نے مورخہ ۱۱ردی ۱۳۵۳ھ شمسی بروز سہ شنبہ فرانس کے اعداد شمار کے ادارہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: اعداد وشمار کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ فرانس میں ہر ایک سو پیدا ہونے والی لڑکیوں کے مقابلہ میں ایک سو پچاس لڑکے پیدا ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی روز بروز عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی جارہی ہے فرانس کی چالیس ملین آبادی میں جس میں بیس ملین سے زیادہ مردوں کی تعداد ہونی چاہئے عورتوں کی تعداد مردوں سے ایک ملین سات سو پینسٹھ ہزار زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں اور مردوں کے اندر بیماریوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت لڑکیوں اور عورتوں سے زیادہ ہے۔

اسی لئے پیدائش سے انیس رسال کی عمر تک لڑکے لڑکیوں سے پانچ فیصد زیادہ مرتے ہیں۔ اس کے بعد اس ادارہ نے ناقص الاعضاء افراد کی تعداد کو بیان کیا ہے اور اس تعداد کو ۲۵۔۳۰ سے شروع کرکے ۶۰۔۶۵ سال تک بتایا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۶۰۔۶۵ سال کی عمر میں ایک ملین پانچ لاکھ عورتوں کے مقابلہ میں سات لاکھ پچاس ہزار سے زیادہ مرد باقی نہیں رہتے ہیں۔

کے رحم کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے جب کہ مرد کے آلۂ تناسل میں پچاس سال کے بعد بھی برسوں تک تولید نسل کی قدرت موجود رہتی ہے بلکہ اکثر مرد جن کی طبیعی عمر سو رسال ہوتی ہے ان کے اندر آخر تک تولید کی صلاحیت باقی رہتی ہے اس کے نتیجہ میں تولید نسل کی صلاحیت کے لحاظ سے مردوں کی عمر جو تقریباً اسّی رسال ہے وہ عورتوں کی دوگنا یعنی چالیس رسال ہے۔

اگر ہم اس جہت کو پہلی جہت کے ساتھ ملا کر حساب کریں تو یہ نتیجہ حاصل ہوگا کہ طبیعت نے مردوں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کریں۔ یہ بات معقول نہیں ہے کہ طبیعت مردوں کو تولید کی قوت تو دے مگر انھیں تولید سے روک

دے کیونکہ علل واسباب میں جو شیوہ جاری وساری ہے وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا ہے۔

جن حوادث سے معاشرہ کے افراد نیست و نابود ہو جاتے ہیں یعنی جنگیں، کشمکش اور جنایتیں ان چیزوں کا عورتوں سے زیادہ مردوں پر اثر پڑتا ہے چنانچہ جتنے مردوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ کسی طرح نابود ہونے والی عورتوں سے قابل قیاس نہیں ہے۔ پہلے بھی یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ یہی وہ چیز تھی جو قبائل کے درمیان کئی کئی عورتوں سے شادی کرنے کا سب سے بڑی علت تھی۔

بنا برایں جن خواتین کے شوہر مر جاتے ہیں ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ یا تو وہ کئی بیویوں کے ساتھ گزر بسر کریں یا زنا کریں یا تو پھر محرومیت کے ساتھ زندگی گزاریں کیونکہ جن خواتین کے شوہر مر جاتے ہیں ان کی جنسی خواہشات کو موت نہیں آتی اور ان کی جنسی خواہشات ختم نہیں ہوتی ہیں۔

بہت سے ایسے مطالب ہیں جو اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک وہ واقعہ ہے جو اِن اوراق کے لکھنے سے چند ماہ قبل جرمن میں رونما ہوا وہ یہ ہے کہ بے شوہر خواتین کے ایک اجتماع نے شوہر نہ ہونے کی وجہ سے اپنی پریشانی کی شکایت کرتے ہوئے حکومت سے یہ درخواست کی تھی کہ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے اسلام نے جو کئی بیویوں کا قانون بنایا ہے اس کے مطابق جرمنی کے مردوں کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔

جرمنی کی حکومت نے خواتین کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا کیونکہ کلیسا نے اس کام سے روک دیا ہے۔ ہاں! کلیسا کو یہ منظور ہو گیا کہ زنا کا رواج ہو اور نسلیں برباد ہوں لیکن اسے

یہ منظور نہیں ہوا کہ اسلام نے جو متعدد بیویوں کی اجازت دی ہے اسے جرمن میں قانون کا روپ دے دیا جائے۔

۲۔ جو یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نوع بشر کی طبیعت نے مردوں کو عورتوں کی تعداد کے برابر قرار دیا ہے۔ اس استدلال پر بہت سے خدشات وارد کئے گئے ہیں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ استدلال اس وقت درست ہوگا جب تمام مردوں کے پاس چار چار بیویاں ہوں یا کم سے کم ایک بیوی سے زیادہ ہو جب کہ ایسا نہیں ہے اور بعد میں بھی ایسا نہیں ہوگا کیونکہ طبیعت نے سب کو ایسا نہیں بنایا ہے اور طبیعی طور پر صرف کچھ ہی مردوں کے لئے ایک سے زیادہ بیوی رکھنا میسر ہو سکے گا، اسلام کے تمام احکام و دستورات، فطرت وطبیعت کے مطابق ہیں اس نے تمام مردوں پر چار عورتوں سے شادی کرنا واجب نہیں کیا ہے بلکہ صرف انھیں لوگوں کے لئے جائز قرار دیا ہے جو توانائی رکھتے ہیں وہ بھی اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ تمام بیویوں کے درمیان عدالت برقرار کر سکیں۔

اسلام نے جو اپنے قانون میں متعدد زوجات کی اجازت دے رکھی ہے تو اس سے ذرا بھی ہرج ومرج اور کوئی فساد لازم نہیں آتا اس پر سب سے واضح دلیل اس قانون پر مسلمانوں کا عمل کرنا اور ان کی سیرت ہے اسی طرح غیر مسلم افراد میں بھی جن قوموں کے نزدیک یہ عمل جائز ہے ان کے یہاں بھی کوئی دشواری نہیں ہے اور نہ تو عورتوں کی کوئی کمی ہے اور نہ تو نایابی ہے بلکہ اس کے برعکس جن قوموں نے متعدد عورتوں سے شادی کرنے کو حرام قرار دیا ہے ان کے یہاں ہزاروں خواتین شوہر سے محروم ہیں اور زنا میں گرفتار ہوگئی ہیں۔

۳۔ مذکورہ استدلال پر جو خدشات وارد کئے گئے ہیں انھیں نظر انداز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ اعتراض صرف اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے اور متعدد بیویوں کے جواز کے حکم پر وارد ہوسکتا ہے کہ اس حکم کی اصلاح نہ ہوئی ہو اور ان قیود کے ساتھ مقید و تعدیل نہ ہو جو خیالی محذورات کی اصلاح کریں۔

اسلام نے اس مشکل کو حل کیا ہے اور جن مردوں کو متعدد عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے ان کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت میں عدالت کی رعایت کریں اور ان کے درمیان اس طرح اوقات کی تقسیم کریں کہ مقاربت کے لئے شب خوابی میں بھی مساوات وعدالت رہے۔

اسلام نے مردوں پر واجب قرار دیا ہے کہ عورتوں اور اپنی اولاد کا خرچ دیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ انفاق میں عدالت کی رعایت اور چار بیویوں نیز ان کی اولاد کے اخراجات میں بھی عدل وانصاف سے کام لینا اور معاشرت میں بھی ان کے ساتھ مساوات کی رعایت کرنا یہ صرف کچھ مالدار افراد ہی کے بس میں ہے تمام لوگ قطعاً ایسا نہیں کرسکتے۔

اس کے علاوہ انھیں سارے اسلامی قوانین میں کچھ دوسرے ایسے جائز طریقے بھی ہیں جن پر عمل کرکے عورت اپنے شوہر کو اس بات پر مجبور کرسکتی ہے کہ وہ دوسری عورت سے شادی نہ کرے صرف اسی پر قناعت کرے۔

تیسرے اعتراض میں جو یہ کہا گیا کہ متعدد بیویوں سے شادی کے جواز کی وجہ سے مردوں کو شہوت کی تشویق وترغیب دینا ہے اور اس سے پورے معاشرہ میں شہوت کو بھڑکانا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا اسلامی تربیت سے ایک دم بے خبر ہے اور اسے اس شریعت کے پیش نظر جو اغراض و مقاصد ہیں اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے وہ معترض یہ نہیں جانتا ہے کہ ایک دیندار اسلامی معاشرہ میں خواتین کی دینی تربیت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان خواتین پردہ کرتی ہیں وہ پاکدامن اور باحیا ہوتی ہیں، اسلامی معاشرہ عورتوں کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ ان کے اندر خود بخود مردوں کی بہ نسبت شہوت کم ہوتی ہے۔ یہ بات جو مشہور ہو چکی ہے کہ عورت کے اندر مرد سے زیادہ جنسی شہوت پائی جاتی ہے یہ ایک غلط دعویٰ ہے ایسا دعویٰ کرنے والے افراد یہ کہتے ہیں کہ عورت، زینت و جمال اور خود آرائی میں بہت حریص اور آگے ہوتی ہے لہٰذا عورت کے اندر اس طبیعت و فطرت کا موجود ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی شہوت مرد سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ مسلمان مرد جو ایسی دیندار خواتین سے شادی کئے ہوئے ہیں جن کی تربیت و پرورش متدین والدین کے دامن میں ہوئی ہے ان کے لئے ایسا دعویٰ کرنے میں کوئی شک نہیں ہے کہ پاکدامن خواتین کی شہوت مردوں سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ پس سب ملا کر مردوں کی جنسی شہوت اس شہوت کے برابر ہے جو ایک عورت بلکہ دو اور تین عورتوں میں ہوتی ہے۔

یہ بات بھی طے ہے کہ اسلام نے اس نکتہ کی طرف بڑی توجہ دی ہے کہ طبیعت اور نفسانی خواہش کا جو تقاضا ہے اس کی کم سے کم اور واجبی مقدار کا پورا ہونا ضروری ہے اور کوئی بھی اس کم مقدار سے محروم نہ رہنے پائے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قانون بنایا ہے کہ کسی آدمی کی شہوت کسی وقت بھی بدن کے اندر محصور نہ رہے اسے تجاوز و فجور اور فحشاء پر مجبور نہ کرے۔

اگر مرد کو اس بات پر مجبور کرے کہ صرف ایک ہی بیوی سے شادی کرے تو جن ایام میں عورت معذور ہوتی ہے یعنی شوہر کے ساتھ رہنے کا تقریباً ایک ثلث حصہ جن میں اسے حیض آتا ہے، کچھ دنوں وہ حاملہ رہتی ہے، وضع حمل اور دودھ پلانے کے ایام میں شوہر گناہ اور برائی پر مجبور ہوگا اسلام نے بشریت کے معاشرہ کو عقلی زندگی کی بنیاد پر استوار کیا ہے احساسی زندگی پر نہیں۔ بنا برایں مرد کا احساسی حالت پر باقی رہنا ایسی حالت جو برے مطالبات کے بارے میں اسے بے لگام بنادے جس طرح وہ شادی سے پہلے تھا یہ اسلام کی نظر میں انسان کے لئے بڑا خطرہ ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اسلام کی نظر میں سب سے اہم مقصد مسلمانوں کی نسلوں کا زیادہ ہونا اور ان کے ذریعہ سرزمینوں کا آباد ہونا ہے۔

ہاں! ایک مسلمان معاشرہ جس کے اوپر زمین کا آباد ہونا منحصر ہے اس آبادی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سرزمین سے شرک وفساد کی جڑوں کو اکھاڑ دیا جائے۔

پس اسلام کے پیش نظر یہ مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے اسلام نے اہتمام کیا اور یہی چیزیں باعث بنیں کہ اسلام نے متعدد بیویوں سے شادی کرنے کو جائز قرار دیا اس نے شہوت پر ستی کو رواج نہیں دیا ہے اور شہوت میں غرق ہونے کی ترغیب نہیں کی ہے۔

جو لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اگر وہ لوگ صرف خاص طور سے اس حکم کی تشریع کے بارے میں انصاف کرتے تو مغربی تمدن کے بانی افراد پر زبردست حملہ کرتے اور یہ بھی مناسب تھا کہ اس تمدن پر فحشاء کے رواج دینے اور مردوں کے شہوت پرست بنانے کی تہمت لگاتے اور اسلام پر کوئی اعتراض نہ کرتے جس نے اپنے معاشرہ کی بنیاد کو دینی

سعادت پر استوار کیا ہے۔

ہاں! متعدد بیویوں کے جائز ہونے میں ایک نتیجہ و فائدہ یہ ضرور ہے کہ مرد کی حرص شہوت کو ختم کر کے اسے سکون بخشا گیا ہے کیونکہ ایک مثل مشہور ہے: ''جب کسی کو کسی چیز سے منع کر دیا جاتا ہے تو وہ اس کا حریص بن جاتا ہے''۔ ایسے شخص کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ پردۂ ممانعت کو پارہ کر کے دیوار حبس کو منہدم کر کے اپنے کو وہاں تک پہنچا دے جس چیز سے اسے روکا گیا اور محروم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے لذت حاصل کرنے میں مردوں کا بھی بالکل یہی حال ہے کہ اگر قانون انھیں صرف ایک عورت سے شادی کرنے کی پابندی لگا دے تو وہ لوگ مزید حریص بن جائیں گے لیکن اگر قانون کی طرف سے انھیں یہ اجازت ملی ہو کہ دوسری اور تیسری عورت سے بھی شادی کر سکتے ہیں چاہے بھلے ہی ان کے پاس ایک بیوی سے زیادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں ان کی آتش حرص خاموش ہو جائے گی اور جب ان کے لئے یہ راستہ کھلا رہے گا تو انھیں زنا اور لوگوں کی محترم ناموس کی آبروریزی کرنے سے محفوظ رکھے گا ایسا جرم کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی بہانہ ہی نہ رہ جائے گا۔

مغربی دانشوروں کے درمیان بعض انصاف پسند اہل قلم بھی موجود ہیں انھوں نے کہا ہے: ''مسیحی قوموں کے درمیان زنا اور فحشاء کے رواج پانے کا سب سے بڑا عنصر اور عامل ''کلیسا'' ہے جس نے متعدد عورتوں سے شادی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔''(۱)

چوتھا اعتراض جو انھوں نے یہ کیا ہے کہ متعدد عورتوں سے شادی کے جواز کی وجہ سے معاشرہ میں عورتوں کی حیثیت کم ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قطعاً ایسا نہیں ہے جیسا

کہ ہم مناسب مقام پر اسے ثابت کر چکے ہیں کہ اسلام میں خواتین کو جس عزت واحترام کی نظر سے دیکھا گیا ہے انھیں دینی یا دنیوی کسی سنت کی رسم (نہ قدیم اور نہ جدید) میں یہ درجہ نہیں دیا گیا ہے نیز قدیم وجدید کسی سنت میں اسلام کی طرح ان کے حقوق کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔

مرد کو جو متعدد عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے اس میں عورت کی کوئی اہانت نہیں ہے اس سے اس کی اجتماعی حیثیت ختم نہیں ہوتی اور نہ تو اس کے حقوق پامال ہوتے ہیں بلکہ یہ قانون ان مصلحتوں کی بنا پر بنائے گئے ہیں جن میں سے بعض کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

---

(۱) لندن کے ''جائے ڈیون پورٹ'' نے اپنی نامی کتاب ''عذر تقصیر بہ پیشگاہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقرآن'' میں اس انصاف پسند بات کا اعلان کیا ہے، فاضل دانشمند آقائے غلام رضا سعیدی نے [فارسی میں] اس کا ترجمہ کیا ہے۔

متعدد عورتوں سے شادی کرنے کے اسلامی جواز پر مغربی مخالفین نے جو سب سے قوی و محکم دلیل پیش کی ہے اور اس دلیل سے متمسک ہوئے ہیں نیز انھوں نے دانشمند و اہل مطالعہ افراد کی نظر میں جسے بڑی آب وتاب کے ساتھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے: ''جن مسلمانوں کے گھروں میں دو یا کئی بیویاں ہیں ان میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں، ہمیشہ اختلاف رہتا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ حسد کا جذبہ پایا جاتا ہے، برابر چیخ وفریاد بلند رہتی ہے، جس دن سے دوسری، تیسری اور... بیوی گھر کے اندر داخل ہوتی ہے اور جب تک وہ قبر میں داخل نہیں ہو جاتی اس گھر کے تمام مرد وعورت خوشی اور سعادت سے محروم رہتے ہیں یہاں تک کہ خود مسلمانوں ہی نے اس حسد کا نام ''ہوہا کی بیماری'' رکھا

ہے۔

یہ وہ وقت ہوتا ہے جب خواتین کے تمام طبیعی وفطری احساسات وعواطف جیسے دوستی، نرمی، رقت، محبت، خیر خواہی، راز داری، وفاداری.....، شوہر اور اس کی پہلی بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے ساتھ یک جہتی نیز امور خانہ داری سے دلچسپی اور اس سے متعلق تمام امور کی انجام دہی کہ جو عورت کے غریزی صفات میں سے ہے اس کے سب برعکس ہو جاتی ہے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر کہ جس کے اندر انسان کو ہر طرح کا چین وسکون ملنا چاہئے چنانچہ جسم کی تھکن اور انسان کی ہر طرح کی روحانی وجسمانی پریشانیوں کے دور ہونے کے بجائے روزانہ کوئی نہ کوئی مرد گرفتار رہتا ہے اور وہ گھر جہنم بن جاتا ہے اور میدان جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے جہاں نہ تو کسی کی جان کا کوئی احترام ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کی عزت وآبرو اور مال کی پرواہ ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ کوئی بھی امن وامان کی حالت میں نہیں ہوتا ہے۔

ایسے گھر کے اندر زندگی میں خلوص کے بجائے کدورت ہوتی ہے، وہاں سے زندگی کی لذت رخصت ہو جاتی ہے اس کی جگہ مار پیٹ، گالم گلوچ، سخن چینی، رقابت، فریب دہی اور دھوکہ دھڑی آجاتی ہے۔ ایسے گھر کے اندر پیدا ہونے والے بچے بھی ہمیشہ اختلاف و کشمکش کا شکار رہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت تنگ آکر شوہر کی جان لینے پر تل جاتی ہے، بچے آپس میں ایک دوسرے اور اپنے باپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، رشتہ داری، قرابت و برادری سب کچھ رخصت ہو جاتی ہے اس کی جگہ انتقام وخون خواہی آجاتی ہے۔

خاندان کی پہلی نسل کی دشمنی بعد والی نسلوں میں منتقل ہو جاتی ہے، خون ریزی اور نسلوں کی

بربادی نیز گھر کے اندر فساد کا سلسلہ آئندہ نسلوں میں بھی جاری رہتا ہے۔

ان ساری برائیوں کے علاوہ متعدد بیویوں کے جو برے آثار ہیں وہ صرف گھر کی چار دیواری ہی کے اندر محدود نہیں ہوتے بلکہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جس سے شقاوت، اخلاقی برائی، قساوت، ظلم وستم، تجاوز، فحشاء وناامنی اور بے اعتمادی یہ ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں خصوصاً اگر ہم متعدد بیویوں کے قانون کے ساتھ جواز طلاق کا بھی اضافہ کردیں تو مزید پریشانیاں اور برائیاں بڑھ جاتی ہیں، اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں حکموں سے معاشرہ کے مردوں کی کیا حالت ہوگی؟ جب مرد کو یہ آزادی واختیار مل جائے کہ جس سے چاہے شادی کرے اور جس بیوی کو پسند نہ کرے اسے طلاق دے دے تو وہ خود بخود شہوت کا دلدادہ بن جائے گا ایسے شوہر کے دل میں صرف یہی ایک خیال رہتا ہے کہ اپنی شہوت کی آگ ٹھنڈی کرے، ایک عورت سے شادی کرے دوسری کو طلاق دے، ایک عورت کو عزت دے اور دوسری کو ذلت میں گرفتار کرے اس کے علاوہ اس کا کوئی اور دوسرا کام ہی نہیں رہتا اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ کے آدھے لوگ بد بخت بن جاتے ہیں جب آدھا معاشرہ بد بخت وتباہ ہو چکا ہوتا ہے تو دوسرا آدھا حصہ بھی تباہ ہو جاتا ہے۔'' یہ سب ان لوگوں کی تمام باتوں کا خلاصہ ہے جو متعدد بیویوں کے مخالف ہیں واقعاً ان کی یہ باتیں اور یہ سارے دعوے درست ہیں ہم بھی انھیں تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان میں سے کوئی ایک اعتراض بھی اسلام اور شریعت پر وارد نہیں ہے بلکہ یہ سارے اعتراضات صرف مسلمانوں پر وارد ہیں۔

ہاں! اگر یہ مخالفین تاریخ کے کسی ایسے دور کا پتہ بتائیں جس میں سارے مسلمان دین کے

حقیقی احکام اوراس کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے ہوں اوراس زمانہ میں متعدد بیویوں اور جواز طلاق کے جوآثار ہیں وہ مرتب ہوئے ہوں تب وہ لوگ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ یہ سارے برے آثار متعدد بیویوں سے شادی کرنے اور طلاق کے جواز کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں لیکن نہایت افسوس کے ساتھ ہم کو یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ صدیوں سے مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی صالح نظام نہیں رہا ہے کہ جس میں سارے مسلمان کو اسلام کی اعلیٰ اور بلند تعلیمات کے ذریعہ تربیت کریں بلکہ مسلمانوں کے خود ذمہ دار افراد دین کی پردہ دری اوراس کے قوانین وحدود کوتوڑنے میں عام لوگوں سے آگے آگے رہے ہیں اور عوام بھی ہمیشہ اپنے حکام کے تابع رہی ہے۔

اگر ہم یہاں پر فرمان رواؤں کے دربار کے اجمالی حالات بھی لکھنے اور اسلامی بادشاہوں نے جو ذلیل حرکتیں انجام دی ہیں (جس دن سے حکومت ایک سلطنت اور بادشاہت میں بدلی ہے) انھیں مختصر طور پر بیان کرنے لگیں تو الگ سے ایک کتاب لکھنے کی ضرورت پڑے گی۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی اشکال واعتراض اور کمی ہے تو وہ مسلمانوں کی وجہ سے ہے اور یہ اعتراض انھیں پر وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے خانوادگی معاشرہ کو اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ ان کی زندگی کبھی سعادت بخش نہیں بن سکتی ہے اور انھوں نے ایسی سیاست اپنا رکھی ہے کہ اس کے اوپر عمل نہیں کرسکتے اور اس پر عمل کر کے صراط مستقیم پر قائم نہیں رہ سکتے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان برے آثار کا گناہ مردوں کی گردن پر ہے عورتوں اور بچوں پر نہیں ہے اگر چہ ہر شخص اپنے گناہ کا ذمہ دار ہے لیکن ان ساری برائیوں، بد بختیوں اور بربادیوں کی جڑ ان مردوں کی روش ومرام ہے جنھوں نے خود اپنی اور اپنے بعل بچوں کی سعادت اور اپنے معاشرہ کی خوشبختی کو اپنی شہوترانی اور نادانی پر قربان کردیا

ہے۔

اسلام نے متعدد خواتین سے شادی کرنے کو یونہی بغیر کسی قید وشرط کے جائز نہیں قرار دیا ہے اور اسے تمام مردوں پر واجب و لازم بھی نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس نے طبیعت اور لوگوں کی حالت کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی طرح جن افراد کے لئے بعض عوارض ومشکلات کے پیش آنے کا امکان واحتمال ہے ان کا بھی لحاظ رکھا ہے اور جو بیان اس سے پہلے گزر چکا ہے اس کے ذریعہ قطعی صلاحیت کی شرط لگائی ہے اور پھر متعدد زوجات کی وجہ سے جو مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں انھیں بھی بتادیا ہے ان تمام شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن رہے۔

متعدد خواتین سے شادی کرنے کو جو جائز بتایا ہے تو اس کے لئے یہ شرط بھی لگادی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مشکل اور برائی پیدا نہ ہو اور یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ مرد یہ اطمینان رکھتا ہو کہ وہ متعدد زوجات کے درمیان عدالت برقرار کرسکتا ہے۔

پس صرف وہی شخص ایک سے زیادہ کئی خواتین سے شادی کرسکتا ہے جو اپنے اوپر اطمینان رکھتا ہو اور خدا نے اسے یہ توفیق عدالت عنایت کی ہو لیکن جو لوگ خود اپنی اور اپنے بعل بچوں کی سعادت کی طرف کوئی توجہ نہیں رکھتے اور وہ صرف شکم وشہوت کے علاوہ کچھ نہیں سوچتے اور عورت کو مردوں کی شہوت رانی کا صرف ایک وسیلہ جانتے ہیں ان لوگوں کا اسلام سے کوئی ربط نہیں ہے، اسلام نے بھی ایسے افراد کے کردار کی تائید نہیں کی ہے بلکہ ان کی اس بری حالت کو دیکھتے ہوئے ان کے لئے شادی ہی کرنا جائز نہیں ہے اگر یہ لوگ شرائط پر پورے اتریں اور عورت کو جانور نہ سمجھیں تو صرف ایک عورت سے شادی کرسکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اصل اشکال میں دو جہت (یہ دونوں اسلام کی نظر میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں یعنی جہت تشریع اور جہت ولایت) کے درمیان خلط کر دیا گیا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے:

بنائے گئے قوانین میں سے کون سا قانون اور معاشرے کے درمیان پائی جانے والی سنتوں و رسموں میں سے کون سی رسم، محققین کی نظر میں صحیح ہے اور کون سا قانون، کون سی سنت غلط ہے؟ اس فیصلہ میں جو چیز معیار ہے وہ قوانین کے آثار و نتائج ہیں۔ جب معاشرہ میں قوانین کا نفاذ ہو اور ان قوانین کے آثار پسندیدہ ہوں تو وہ اچھے قوانین ہیں اور اگر اچھے نتائج برآمد نہ ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قانون اچھا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ قانون کے اچھے اور برے ہونے کا معیار لوگوں کی پسند اور ناپسند پر ہے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ لوگوں کی علمی سطح کیسی ہونی چاہئے اور ان کا ادراک و رجحان کیسا ہونا چاہئے؟

میں یہ تصور نہیں کر سکتا کہ یہ دانشمند افراد اس نکتہ سے غافل ہوں گے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی معاشرہ میں کچھ ایسے سنن و رسوم اور عوارض ہوں جو مذکورہ حکم کے مخالف ہوں اور معاشرہ کو ایسی روش کے لئے آمادہ کرنا چاہئے کہ جو اس حکم یا سنت کے مخالف نہ ہو تا کہ وہ اپنی راہ پر گامزن رہے اور اسے یہ معلوم رہے کہ اس کا کام کہاں تک پہنچے گا اور اس کا کیا اثر مرتب ہوگا؟ اچھا یا برا، نفع یا نقصان؟

جو چیز قابل اہمیت ہے وہ صرف یہ کہ یہ دانشمند حضرات قوانین میں صرف معاشرہ کے منشا و تقاضا کو معیار قرار دیتے ہیں یعنی وہ تقاضا جو معاشرہ کی ظاہری اور موجودہ صورت حال سے برآمد ہوتا ہے وہ معیار شمار کیا جاتا ہے چاہے وہ وضع اور وہ اندیشہ جو بھی ہو اور جو

تقاضا بھی ہو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

ان دانشمندوں کی نظر میں صحیح وصالح قانون وہ ہے جو معاشرہ کی موجودہ ضرورت کو پورا کرے اور اس کے علاوہ تمام قوانین غلط ہیں چاہے وہ عقل وفطرت کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی لئے جب وہ لوگ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گمراہی کی وادی اور ہلاکت و بربادی کے گڈھے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کی مادی ومعنوی زندگی میں سراسر فساد ہی فساد ہے تو اسے اسلام یعنی مسلمانوں کے دین کی طرف نسبت دیتے ہیں ۔ اگر وہ لوگ جھوٹ، خیانت، بدکلامی، ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی، خاندانوں کے اندر ظلم وفساد، معاشرہ کے اندر اختلال اور ہرج ومرج کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان ساری چیزوں کی نسبت مسلمانوں کے دینی قوانین کی طرف دیتے ہیں پھر وہ لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اسلامی سنت اور اس کے اثرات بھی دوسری ان اجتماعی سنتوں کے مانند ہیں کہ جو لوگوں کے احساسات وجذبات سے پُر ہے اور ان کے لئے انھیں مجبور کیا جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے انھیں تصورات وخیالات سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اسلام کی وجہ سے اجتماعی فساد برپا ہوا ہے جو مسلمانوں کے درمیان رائج ہے اور سارے ظلم وفساد کی جڑ اسلام ہی ہے! جب کہ صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کے درمیان طرح طرح کے ظلم اور بڑی بڑی خیانتیں رائج ہیں چنانچہ مثل مشہور ہے:

''کُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَا: تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ہیں''۔(۱)

اسی طرح اس غلط خیال کا نتیجہ ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اسلام ایک واقعی دین ہوتا،

اس کے احکام وقوانین اچھے ہوتے ، اس سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ، انھیں سعادت نصیب ہوتی تو لوگوں کے اندر خوش بختی کا اثر موجود ہوتا اور لوگوں کے لئے وبال جان نہ ہوتا۔

یہ بات غلط ہے کیونکہ ان دانشمندوں نے ''صالح'' و''مصلح'' اور ''فاسد'' و''مفسد'' کے مفہوم کو لوگوں کے درمیان خلط کر دیا ہے، اسلام اعتقادی واخلاقی اور علمی معارف کے مجموعہ کا نام ہے اور تینوں چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتی ہیں اور متناسب ہیں اس وقت مؤثر واقع ہوتی ہیں جب یہ سب کی سب عملی جامہ پہن لیں، پس اگر کوئی

---

(۱) الفَرا یعنی گورخر، مثل کا قصہ یہ ہے کہ تین شکاریوں میں سے ایک نے خرگوش دوسرے نے ہرن اور تیسرے نے گورخر کا شکار کیا پہلے دو شکاری گورخر کے شکار سے بے خبر تھے انھوں نے اپنے اپنے شکار پر شیخی بگھاری تب تیسرے نے کہا: کُلُّ الصَّیدِ فِی جَوفِ الفَرا یعنی تمھارے شکار تو میرے شکار کے پیٹ میں ہی سما جائیں گے۔ (المنجد (عربی۔اردو): ص ۱۲۰۳، مثل نمبر ۱۰۱۱) مطلب یہ ہے کہ میرے شکار کے آگے تمہارے شکار کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ مترجم

شخص اس کے اعتقادی واخلاقی معارف کو حاصل کرے لیکن عمل کے مرحلہ میں کوتاہی برتے تو قطعاً کوئی اثر نہ ہوگا جس طرح معجون کے بعض اجزاء اگر جو خراب ہوتے ہیں تو وہ پورے معجون کو خراب و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے برخلاف اثر دکھاتے ہیں۔ نیز مناسب اثر اس وقت ہوتا ہے جب بیمار کا بدن اسے اپنے اندر قبول کرے اور عمل کرنے پر آمادہ ہو اگر استعمال کرنے والا استعمال کے شرائط کی رعایت نہ کرے تو اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے بلکہ زیادہ خطرہ واحتمال تو اس بات کا ہو جاتا ہے کہ جو امید ہوتی ہے اس کے خلاف اثر ہونے لگتا ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی طور طریقہ اپنے قانونی مبانی کے کمزور ہونے کی وجہ سے لوگوں کی اصلاح نہ کر سکے نیز عمومی رزائل کو ختم نہ کر سکے تو سوال یہ ہے کہ یہ کام ڈموکراسی نے کیوں نہیں کیا؟ اس میں یہ صلاحیت وقوت کیوں نہیں ہے، مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک میں وہ اثرات کیوں نہیں ہیں جو یورپی علاقوں میں ہیں؟ آخر ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ جتنا آگے بڑھ رہے ہیں اور ترقی کے لئے جتنی کوشش کر رہے ہیں اتنا زیادہ پیچھے آتے جارہے ہیں؟ کسی کو بھی اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ اس تمدن کے دور میں برے اعمال اور برے اخلاق ہمارے اندر بری طرح جڑ پکڑ چکے ہیں جب کہ تقریباً نصف صدی سے ہم متمدن اور روشن فکر بن چکے ہیں نہ تو ہمیں عدالت اجتماعی سے کوئی سروکار ہے اور نہ تو ہمارے اندر حقوق بشر زندہ ہے، عالی وعمومی معارف بلکہ خلاصہ یہ ہے کہ اجتماعی سعادت میں سے سوائے بے روح کے ڈھانچہ اور دل کو خوش کرنے والے الفاظ کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، ہماری زبان پر صرف حقوق کے الفاظ کا نعرہ ہے۔

ہم نے جو یہ اعتراض ونقض وارد کیا ہے کیا آپ اس کا جواب دے سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں دے سکتے صرف یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ اس وجہ سے ڈموکریسی نظام آپ کی اصلاح نہ کرسکا کہ آپ نے ڈموکراٹی نظام کے دستورات پر عمل نہیں کیا ہے جس کا اثر اچھا پڑے۔ اگر آپ کا یہ جواب صحیح ہے تو اسلام کے بارے میں ایسا کہنا کیوں نہیں درست ہوگا؟

اگر ہم اس کو بھی نظر انداز کر دیں اور یہ فرض کرلیں کہ (ہم خدا سے پناہ طلب کرتے ہیں) چونکہ اسلام کی بنیاد اور اس کے اصول کمزور ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے دلوں پر اثر انداز نہ ہوسکا اور معاشرہ کے اندر نافذ نہ ہوسکا نتیجہ میں اس کی حکومت کو دوام نہ حاصل

ہوسکا اس نے اپنی زندگی کو آگے نہ بڑھایا اور اپنے وجود کی حفاظت نہ کی جس کی وجہ سے متروک ومہجور ہو گیا لیکن سوال یہ ہے کہ (ڈموکریسی) جو دوسری عالمی جنگ سے پہلے پوری دنیا کو پسند تھی وہ اس جنگ کے بعد روس سے ختم ہو گئی اس کی جگہ اشتراکی طور وطریقہ آ گیا؟ اگر فرضاً لوگ یہ عذر پیش کریں کہ اس کی جگہ روس میں دوسری روش آ گئی تو ذرا یہ بتائیں کہ کیوں چین، لتونی، استونی، لیتوانی، رومانی، مجارستان، یوگسلاوی اور دوسرے ملکوں میں ڈموکراٹی نظام، کمیونسٹی میں بدل گیا؟ جب کہ تمام ممالک پر اس کی حکمرانی تھی اور جڑ بالکل مضبوط تھی تب بھی یکا یک اس کا وجود کیوں ناپید ہو گیا؟

کیوں یہی کمیونسٹ لوگ بھی جب کہ ان کی عمر تقریباً چالیس رسال ہو چکی ہے اور دنیا کی تقریباً آدھی آبادی پر حکومت کر رہے ہیں اور برابر ان کے مبلغین اور ذمہ دار افراد اس پر فخر کرتے ہیں، اس کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور وہ لوگ اظہار کرتے ہیں کہ صرف کمیونسٹی نظام وہ نظام ہے جو ڈموکراسی استبداد واستثمار سے آلودہ نہیں ہوا ہے اور جن ممالک میں کمیونسٹی نظام رائج وحاکم تھا اسے جنت بتاتے تھے یکا یک انھیں کمیونسٹ مبلغین اور ذمہ دار افراد نے دو سال پہلے اس کے بے نظیر رہبر یعنی استالین کی مذمت کی اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ اس کی تیس رسالہ حکومت ظلم واستبداد اور غلامی کے زور پر تھی اور وہ کمیونسٹ کے نام پر استوار تھی۔ (۱)

اس مدت میں قانون بنانے، اسے جاری کرنے نیز اس سے متعلق تمام امور میں اس کی حکومت بہت مؤثر تھی، یہ ساری خرابیاں صرف اس لئے تھیں کہ وہ لوگ بہت زیادہ ظلم و ستم کرتے تھے، سب کو غلام سمجھتے تھے، ایسی شخصی حکومت برقرار کئے ہوئے تھے کہ بغیر کسی معیار واعتبار کے ہزاروں کو قتل کرتے تھے اور دوسرے ہزاروں افراد کو زندہ رکھتے تھے،

کچھ قوموں کو سعادت منداور کچھ کو بد بخت بنا دیتے تھے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ موجودہ ذمہ داروں کے بعد پھر کون لوگ آئیں گے اور بے چارے مظلوم عوام کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے!

معاشرہ میں بہت سے اچھے اور برے آداب ورسوم رائج تھے پھر بعد میں بہت سے عوامل کی وجہ سے وہ ختم ہو گئے ان میں سب سے اہم عوامل ذمہ دار افراد کی خیانت اور ان کی پیروی کرنے والوں کی سستی ہے۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مغربی دانشمندوں کی نظر میں اسلام جو ایک اجتماعی سنت ہے اس کے درمیان اور ان سنتوں کے درمیان کیا فرق ہے جو بدل گئی ہیں؟ آخر کیوں مذکورہ رسوم وآئین کے بارے میں جو عذر ہے اسے تسلیم کرتے ہیں اسلام کے بارے میں اس عذر کو تسلیم نہیں کرتے واقعاً اس ''یک بام ودو ہوا'' (ایک چیز کے بارے میں دو متضاد

---

(۱) یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مؤلف نے ان مطالب کو ۱۳۳۵ھ شمسی میں لکھا ہے۔

حکم) کی علت کیا ہے؟ (۱)

ہاں! یہی کہنا پڑتا ہے کہ آج اہل مغرب کی زبردست طاقت وجہالت اور ان کی اندھی تقلید بلکہ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اہل مشرق کے مرعوب ہونے کے درمیان کلمۂ حق بالکل غریب واقع ہو گیا ہے نہ ایسا آسمان ہے جو اس پر سایہ کرے اور نہ تو ایسی زمین ہے جو اسے اپنی پشت پر بیٹھائے۔

بہر حال جس چیز کا یاد دلانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مؤثر ہونا یا نہ ہونا اور اسی طرح لوگوں کے درمیان کسی رسم کا باقی رہنا اور ختم ہونا ان امور کا ان کے صحیح یا غلط ہونے سے کوئی ربط

نہیں ہے کہ ہم اس سے اس کی حقانیت پر استدلال کریں اور یہ کہیں کہ چوں کہ یہ رسم لوگوں کے درمیان باقی ہے لہٰذا حق ہے اسی طرح یہ استدلال کریں کہ چونکہ فلاں رسم معاشرہ کے اندر متروک و بے اثر ہو چکی ہے پس وہ باطل ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان امور میں دوسرے اسباب و علل مؤثر ہیں۔

اسی لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ سنتوں کی جو رسم تمام ادوار میں لوگوں کے درمیان رائج تھی اور آج بھی موجود ہے وہ ایک دن اپنا اثر اور زور دکھاتی ہے پھر دوسرے دن بالکل بے اثر اور کمزور ہو جاتی ہے، ایک دن لوگوں کے درمیان باقی رہتی ہے اور دوسرے دن مختلف عوامل و اسباب کی وجہ سے لوگوں کے درمیان سے کوچ کر جاتی ہے۔

قرآن کریم میں خدا کا ارشاد ہے: ''وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَ یَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ'' ہم لوگوں کے درمیان زمانہ کو بدلتے رہتے ہیں تا کہ خدا یہ جان جائے کہ ایماندار افراد کون ہیں تا کہ انھیں لوگوں کو تمام لوگوں پر گواہ بنائے۔(۱)

---

(۱) توضیح: ''یک بام و دو ہوا'' ایک مشہور مثل ہے جو متضاد امر کے لئے بولی جاتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے: ایک عورت رات کے وقت چھت پر گئی بیٹی اور داماد سے کہا: ہوا سرد ہے مل کر سوؤ، دوسری طرف جا کر بیٹے اور بہو سے کہا: ہوا گرم ہے دور ہو کر سوؤ، بہو نے دونوں (متضاد) باتوں کو سن کر مندرجہ ذیل شعر کہا: ''میں خدا پر قربان ہو جاؤں ایک ہی چھت پر دو قسم کی ہوا ہے: ایک طرف گرم اور دوسری طرف سرد!'' مترجم

قربان می روم خدا را   یك بام و دو هوا را
این سر بام گرما   آن سر بام سرما

امثال وحکم: دہخدا:۴/۲۰۳۸۔

مختصر یہ کہ اسلامی قوانین اوران میں جو احکام ہیں یہ ان سارے قوانین سے بالکل الگ ہیں اوران میں بنیادی فرق ہے جو لوگوں کے درمیان اجتماعی قوانین رائج ہیں وہ فرق یہ ہے کہ بشری قوانین وسنت میں زمانہ کے بدلنے کے ساتھ اور بشر کے لئے جس چیز میں مصلحت ہوتی ہے اسی لحاظ سے وہ بدلتے رہتے ہیں لیکن اسلامی قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے نہ تو اس کے واجب بدلتے ہیں اور نہ حرام، نہ مستحب نہ مکروہ اور نہ ہی مباح البتہ جو چیز اہم ہے وہ صرف یہ کہ معاشرہ میں ایک فرد جو کام انجام دے سکتا ہے یا ترک کرسکتا ہے اور جس قسم کا تصرف چاہتا ہے اسے انجام دیتا ہے تو اس کے بارے میں معاشرہ کے حاکم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو واجب کام کے انجام دینے پر مجبور کرے اور اگر حرام ہے تو اس سے روکے اور... گویا اسلامی معاشرہ پورا ایک تن بدن ہے اور ذمہ دار اس کی فکری قوت ہے اور یہ معاشرہ اسی کی ادارت میں چلتا ہے۔

---

(۱) آل عمران (۳): ۱۴۰۔

بنابرایں اگر اسلامی معاشرہ کا کوئی ذمہ دار ہو تو وہ لوگوں کو ایسے ظلم سے نجات دے سکتا ہے جس کا لوگ متعدد بیویوں اور دوسری وجہوں سے ارتکاب کرتے ہیں جب کہ اس کے مباحی حکم کے بدلنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی پھر یہ بات تو ایک فرد کے پختہ عزم وارادہ کے مانند ہے کہ وہ متعدد بیویوں سے شادی کرنے کو اپنی مصلحت کے پیش نظر ترک کردے تو اس شخص نے درحقیقت حکم خدا کو نہیں بدلا ہے اور اس نے متعدد بیویوں سے شادی کرنے کے حکم کو نہیں ٹھکرایا ہے بلکہ اس نے صرف ایک مباح کو ترک کیا ہے۔

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج

جناب رسول خدا ﷺ کی ازواج کے بارے میں ایک تحقیق

جو متعدد اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک جناب رسول خدا ﷺ کے بارے میں متعدد زوجات کا مسئلہ ہے ان لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے: متعدد بیویوں سے صرف اس لئے شادی کی تھی کہ آپ شہوت پرست تھے اور شہوت کو کنٹرول کرنے پر قادر نہ تھے۔ اسی لئے حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لوگوں کے لئے متعدد بیویوں سے شادی کرنے کو جائز قرار دیا یہاں تک کہ آپ اپنی امت کے لئے جو (چار بیویوں کی) تعداد معین کی خود اس پر بھی اکتفاء نہیں کی بلکہ نو خواتین سے شادی کی۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی متعدد زوجات کا مسئلہ قرآن کریم کی چند آیات سے ربط رکھتا ہے اگر ہم اس موضوع پر ہر پہلو سے مفصل بحث کریں تو ان میں سے ہر ایک آیت کی تفسیر کرنی پڑے گی اور ہر ایک کے بارے میں الگ سے بحث و مباحثہ کی ضرورت پڑے گی لہٰذا طول و تفصیل سے پرہیز کرتے ہوئے ہم تفصیلی گفتگو کو اس کی مناسب جگہ کے لئے چھوڑ دیتے ہیں یہاں صرف اختصار پر اکتفا کر رہے ہیں۔ شروع میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہم معترض افراد کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کر دیں کہ جس سادگی کے ساتھ وہ لوگ جناب رسول خدا ﷺ کے لئے متعدد زوجات کا تصور کرتے ہیں ویسا نہیں تھا آپ کا مقصد نہ تو شہوت پرستی تھی اور نہ ہی خواتین سے دوستی بلکہ آپ نے جن زوجات سے شادی کی وہ کسی نہ کسی خاص مصلحت کے پیش نظر تھی اس کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں:

آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ کبریٰ علیہا السلام سے شادی کی اور عمر شریف کا تقریباً بیس سال سے زیادہ کا عرصہ (تقریباً ایک ثلث حصہ) صرف ایک بیوی کے ساتھ گزارا اور صرف انھیں پر اکتفا کی اس مدت میں تیرہ سال کا زمانہ وہ ہے جو نبوت کے بعد اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے کا ہے۔

آپ نے ایسی حالت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی کہ جب آپ کے پاس کوئی بیوی نہیں تھی وہاں جا کر دین کی نشر واشاعت میں مشغول ہو گئے انھیں دین کی دعوت دینے لگے اس کے بعد کچھ ایسی خواتین سے شادیاں کیں جن میں سے بعض کنواری اور بعض بیوہ بعض جوان اور بعض بوڑھی تھیں یہ ساری شادیاں تقریباً دس سال کی مدت میں انجام پائی ہیں پھر ان چند شادیوں کے بعد آپ پر تمام عورتیں حرام ہو گئیں صرف وہی چند خواتین بچیں جو آپ کے نکاح میں تھیں۔(۱)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایسا عمل ان خصوصیات کے ساتھ ممکن نہیں ہے کہ اس میں عورت کے ساتھ عشق ومحبت کی بنا پر ہو کیونکہ ان خصوصیات کے ساتھ ان زوجات کے ساتھ مقاربت ومعاشرت کرنا وہ بھی عمر کے آخری حصہ میں وہ بھی ایسا شخص جو اپنی زندگی کے شروع میں اس کام کے لئے حرص وعطش نہ رکھتا ہو بالکل نامعقول سی بات ہے۔

---

(۱) اس آیت کے ذریعہ آپ کے لئے خواتین حرام ہوئیں: سورۂ احزاب (۳۳):۵۲۔

اس کے علاوہ ذرا بھی شک نہیں کہ عام طور سے جو لوگ عورت کو دوست رکھتے ہیں ان کی دوستی میں اسیر ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ خلوت کو پسند کرتے ہیں وہ لوگ معمولاً ان کے حسن وجمال پر عاشق ہوتے ہیں ان کے ناز اور ادا پر فریفتہ ہوتے ہیں، حسن وجمال وناز وادا یہ تمام چیزیں جوان عورت کے اندر موجود ہوتی ہیں جن کا سن کم اور وہ خوش وخرم ہوتی ہیں ہمیں آنحضرتؐ کی پاک وپاکیزہ سیرت میں کہیں بھی ان چیزوں کا سراغ نہیں ملتا ہے، آپ باکرہ لڑکی کے بعد بیوہ عورت سے اور جوان خواتین کے بعد بوڑھی عورت سے شادی کرتے تھے یعنی عائشہ اور ام حبیبہ جو جوان تھیں ان سے شادی کے بعد ام سلمہ جو

بوڑھی تھیں اور زینب بنت جحش جن کی عمر پچاس رسال گر چکی تھی ان لوگوں سے شادی کی۔

دوسری طرف ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ آنحضرتؐ نے اپنی تمام بیویوں کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ لوگ چاہیں تو آپ کے ساتھ رہیں یا جسے چاہیں اختیار کریں البتہ اگر آپ کے ساتھ رہیں تو زہد اختیار کریں خود آرائی و تجمل کو ترک کر دیں چنانچہ یہ آیت اس ماجرے پر شاہد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوٰجِکَ اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ وَ اُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحاً جَمِیۡلاً ؛ وَ اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡکُنَّ اَجۡراً عَظِیۡماً." (۱)

اے پیغمبرؐ! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں: اگر تم لوگ دنیوی زندگی اور اس کی زینت کی

(۱) سورۂ احزاب (۳۳): ۲۸۔۲۹۔

خواہاں ہو تو آؤ میں تمھارا مہر ادا کر دوں اور خوشی خوشی تم سب کو آزاد کر دوں اور اگر خدا، اس کے رسولؐ اور آخرت کی خواہاں ہو تو یہ جان لو کہ خدا نے تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے بہت عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔

یہ بات (جیسا کہ آپ خود بھی ملاحظہ کر رہے ہیں) کسی طرح بھی اس آدمی کے حال سے مناسب نہیں ہے جو عورتوں کا رسیا ہو، عورتوں کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو اور وہ خواتین کے وصال کا عاشق ہو۔

پیغمبر اکرمؐ کی شادیوں کے اسباب

ایک محقق دانشمند کے لئے اگر وہ انصاف سے کام لے تو صرف یہی ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے جو متعدد خواتین سے شادیاں کیں کچھ سے بعثت کے شروع میں اور کچھ سے اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں وہ حضرات ان تمام شادیوں کے لئے یہ توجیہ کریں گے کہ ان میں عورت سے دوستی وعشق اور شہوت رانی نہ تھی بلکہ دوسرے اسباب وعوامل کارفرما تھے جن کی بنا پر آپؐ نے متعدد خواتین کو اپنی زوجیت کے شرف سے نوازا تھا۔

جناب رسول خدا ﷺ نے اپنی سیاسی تقویت اور لوگوں کی حمایت ونصرت حاصل کرنے کے لئے متعدد خواتین سے شادیاں کیں اور بعض کی دلجوئی کے لئے شادی کی اسی طرح آپ نے کچھ لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے بھی شادی کی بعض خواتین سے صرف اس لئے شادی کی کہ ان کی زندگی کے اخراجات برداشت کرسکیں اور اس طرح لوگوں کو عملی طور پر یہ درس دیں کہ فقیر ومسکین اور مجبور ولاچار بوڑھی عورتوں کا خیال رکھیں اور اہل ایمان حضرات آپ کے عمل کو سنت قرار دیں۔ آپ نے بعض عورتوں سے اس مقصد کے پیش نظر شادی کی کہ جاہلیت کی ایک رسم کو غلط قرار دیتے ہوئے اسے توڑ دیں۔

زینب بنت جحش سے اس لئے شادی کی تھی کہ ان کی شادی آپ کے منھ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے ہوچکی تھی زید نے انھیں طلاق دے دی تھی دور جاہلیت کی یہ رسم تھی کہ وہ لوگ منھ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں کرتے تھے کیونکہ جاہلیت کے عربوں کی نظر میں منھ بولا بیٹا حقیقی بیٹا مانا جاتا تھا تو جس طرح اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے شادی کرنا منع

ہے عربوں کے نزدیک منھ بولے بیٹے کی بیوی سے بھی شادی کرنا منع تھا آپ نے زینب سے شادی کر کے جاہلیت کی اس غلط رسم کو توڑا چنانچہ اس کے بارے میں قرآن کی چند آیات بھی نازل ہوئی ہیں۔(۱)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج

آپ نے سودہ بنت زمعہ سے اس لئے شادی کی تھی کہ جب وہ حبشہ سے دوسری مرتبہ ہجرت کے بعد واپس آئیں تو بیوہ ہو گئیں ان کے خاندان کے سارے لوگ کافر تھے اگر وہ اپنی قوم کے لوگوں کے پاس جاتیں تو وہ لوگ یا انھیں قتل کر دیتے یا انھیں بہت زیادہ آزار واذیت دیتے یا کفر کی طرف پلٹنے پر مجبور کرتے حضور سرور کائناتؐ نے ان سارے خطرات سے بچانے کے لئے ان سے شادی کی تھی درحقیقت ان کو ان تمام مشکلات سے امان بخشی تھی۔

---

(۱) احزاب (۳۳):۳۷۔

زینب بنت خزیمہ سے اس لئے شادی کی تھی کہ ان کے شوہر عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے دور جاہلیت میں ان کی یہ عادت تھی کہ فقراء ومساکین پر بہت زیادہ انفاق کرتی تھیں ان کے ساتھ مہربانیاں کرتی تھیں اسی وجہ سے وہ اس زمانہ کی ایک آبرومند اور مشہور خاتون تھیں انھیں ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا جناب رسول خداؐ نے ان سے شادی کر کے آپ کی عزت وآبرو کی حفاظت کر لی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا اصل نام ہند ہے ان کی شادی عبداللہ بن ابوسلمہ سے ہو چکی تھی

وہ جناب رسول خدا ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے آپ ہی سب سے پہلی وہ خاتون ہیں جنھوں نے حبشہ ہجرت کی آپ زاہدہ، فاضلہ، دیندار اور بڑی سمجھدار تھیں جب ان کے شوہر دنیا سے رخصت ہو گئے تو جناب رسول خداؐ نے اس وجہ سے آپ سے شادی کر لی کہ آپ بوڑھی ہو چکی تھیں آپ کے کئی ایک یتیم بچے تھے ان کے اخراجات وغیرہ کا بہت بڑا مسئلہ تھا۔

آنحضرتؐ نے صفیہ بنت حیّ بن اخطب جو بنی نضیر کے یہودیوں کے بزرگ تھے ان سے اس لئے شادی کی کہ ان کے باپ بنی نضیر کی جنگ میں مارڈالے گئے تھے اور ان کے شوہر کو جنگ خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا اور اسی جنگ میں صفیہ کو اسیر کر لیا گیا تھا جناب رسول خداؐ نے پہلے ان کو آزاد کیا پھر ان سے شادی کر لی تا کہ قیدی ہونے کی ذلت سے نجات دیں اور آپ تمام یہودیوں کے داماد بن جائیں تا کہ سارے یہودی آپ کے خلاف سازش کرنے سے رک جائیں۔

جویریہ جن کا اصل نام برہ تھا وہ بنی مصطلق کے ایک بزرگ یہودی حارث کی بیٹی تھیں ان سے آپ نے اس لئے شادی کی تھی کہ جنگ بنی مصطلق میں مسلمانوں نے اس قبیلہ کے دوسو افراد کو قیدی بنا لیا تھا جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں تو جویریہ سے شادی اس مقصد سے کی تھی کہ ان تمام افراد سے خویشاوندی کا رابطہ برقرار ہو جائے جب مسلمانوں نے یہ حالت دیکھی تو وہ پکار اٹھے کہ یہ سارے کے سارے جناب رسول خداؐ کے رشتے دار ہیں ان کا اسیر رہنا مناسب نہیں ہے یہ سوچ کر سب کو آزاد کر دیا بنی مصطلق کے مردوں نے جب مسلمانوں کی یہ مہربانی دیکھی تو سب کے سب اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں سے آکر مل گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں اچھا خاصا اضافہ ہو گیا جناب رسول خداؐ

کا یہ عمل اور قبیلۂ بنی مصطلق کا یہ ردعمل عربوں کے دل پر بہت مؤثر واقع ہوا۔

میمونہ جن کا اصل نام برہ تھا وہ حارث ہلالیہ کی بیٹی تھیں ان سے آپ نے اس لئے شادی کی تھی کہ جب ان کے دوسرے شوہر ابورہم بن عبدالعزی کا انتقال ہوگیا تو انھوں نے خود اپنے آپ کو جناب رسول خدا ﷺ کو بخش دیا تا کہ حضورؐ کی کنیزی کا شرف حاصل ہوجائے پیغمبر اسلامؐ نے ان کی طرف سے اس محبت وخلوص کا اظہار دیکھا تو انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی آپ نے یہ اقدام اس وقت کیا جب اس کے بارے میں ایک آیت نازل ہوچکی تھی۔

جناب رسول خدا ﷺ نے ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان سے اس لئے شادی کی تھی کہ جب انھوں نے اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ دوسری مرتبہ حبشہ ہجرت کی تو ان کا شوہر وہاں جا کر نصرانی ہوگیا لیکن وہ خود دین اسلام پر باقی رہیں۔

یہ ایسا عمل تھا کہ جس کی قدردانی اسلام کی طرف سے بہت ضروری تھی ایک دوسری مشکل یہ بھی تھی کہ ان کا باپ اسلام کا بہت سخت دشمن تھا برابر جنگ کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کرتا رہتا تھا تو آنحضرتؐ نے اس وجہ سے ام حبیبہ سے شادی کر لی کہ ان کے نیک عمل کی قدردانی بھی ہوجائے اور ان کے باپ کی جناب رسول خداؐ سے جو دشمنی ہے وہ بھی ختم ہوجائے اور آپ خطروں سے مطمئن ومحفوظ ہوجائیں۔

حفصہ بنت عمر سے اس لئے شادی کی تھی کہ ان کے شوہر خنیس بن حذاقہ جنگ بدر میں مارڈالے گئے تھے وہ بیوہ ہوچکی تھیں۔

آنحضرتؐ کی تمام زوجات میں صرف عائشہ بنت ابوبکر باکرہ تھیں بقیہ تمام بیویاں بوڑھی

اور بیوہ تھیں یا دوسری مشکلات میں گرفتار تھیں شادی کر کے آپؐ نے ان کی کفالت کی۔

بنا برایں اگر ان خصوصیات اور ان جہات میں سے کہ جنھیں ہم آپ کی سیرت طیبہ سے آپ کی عمر مبارک کے ابتدائی اور آخری ایام سے پیش کر چکے ہیں اور اس زہد کے بارے میں جو آپ دنیا اور زینت دنیا کے بارے میں رکھتے تھے بلکہ اپنی بیویوں کو بھی اس زہد کی دعوت دیتے تھے اگر ان سارے امور میں غور کیا جائے تو ذرّہ برابر بھی شک باقی نہیں رہ جائے گا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیاں عام لوگوں کی شادیوں کے مانند نہ تھیں ان تمام باتوں کے علاوہ آپ اپنی تمام ازواج کے ساتھ حسن سلوک اور عدالت برتتے تھے، دور جاہلیت میں ان خواتین کے پامال شدہ حقوق کو زندہ کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی اجتماعی حیثیت کے قائل تھے یہ ساری باتیں اس بات کے اوپر بھی دلیل ہیں کہ آپ عورت کو مرد کی شہوت رانی کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے اور آپ کی پوری کوشش یہ تھی کہ خواتین کو ذلت وغلامی سے نجات بخشیں چنانچہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی ان کے بارے میں مردوں سے تاکید کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

"الصلوٰة الصلوٰة و ما ملکت ایمانکم لا تکلّفوهم ما لایطیقون اللّٰه اللّٰه فی النساء فانّهنّ عوان فی ایدیکم" نماز، نماز اور جو غلام وکنیزیں تمھاری ملکیت میں ہیں خبردار ان سے ان کی توانائی سے زیادہ کوئی کام نہ لینا، عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرنا کیونکہ وہ تمھارے ماتحت رہتی ہیں۔ (۱)

آنحضرتؐ اپنی ازواج کے درمیان جس قدر عدالت کی رعایت فرماتے تھے اور ان سب کے ساتھ جتنا اچھا برتاؤ کرتے تھے اور جس حسن وخوبی کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کرتے

تھے وہ صرف آپ ہی سے مخصوص ہے ہم نے مناسب جگہ ان باتوں کو بیان کیا ہے۔

اب صرف ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپؐ کے لئے کیوں چار سے زیادہ بیویاں جائز تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم روزۂ وصال (۲) کے مانند آپؐ کے مختصات میں سے ہے پوری امت میں کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ پوری امت کے لئے واضح تھا اسی لئے آپؐ کے دشمنوں کو بھی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ اس کی وجہ سے اور متعدد بیویوں کی وجہ سے آپ پر اعتراض کرتے جب کہ وہ لوگ ہمیشہ اس بہانہ کی تلاش میں رہتے تھے کہ خلاف توقع آپ سے کوئی عمل دیکھیں اور ہر طرف اس کا پرچار شروع کردیں۔

---

(۱) سیرۂ حلبی ۳:۳۷۳۔

(۲) روزۂ وصال اس روزہ کو کہا جاتا ہے جس میں روزہ دار مسلسل کئی دنوں تک صرف ایک افطار کے ساتھ روزہ رکھتا ہے یہ حکم صرف جناب رسول خدا ﷺ سے مخصوص تھا۔

میراث میں تفاوت اور اس کا فلسفہ

میراث میں تفاوت اور اس کا فلسفہ

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْباً مَّفْرُوْضاً."

ماں باپ اور رشتے دار جو کچھ چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور اسی طرح عورتوں کے ماں باپ اور رشتے دار جو کچھ چھوڑ جائیں ان کے لئے بھی حصہ ہے خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ ہر ایک کا حصہ، مفروض و معین ہے۔(۱)

''نصیب'' کے معنی سہم و حصہ کے ہیں یہ لفظ مادۂ نصب سے ماخوذ ہے جس کے معنی برپا کرنے کے ہیں۔

سہم کو اس وجہ سے ''نصیب'' کہا گیا ہے کہ ہر سہم، تقسیم کے وقت تمام اموال سے جدا ہو جاتا ہے تا کہ ان میں مخلوط نہ ہو سکے ''ترکہ'' اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی انسان کے مرنے کے بعد بچا رہتا ہے گویا مردہ اسے ترک کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے پس دراصل اس لفظ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے پھر آہستہ آہستہ رائج ہو گیا۔

اَقْرَبُونَ: وہ رشتے دار جو انسان سے بہت زیادہ نزدیک ہوتے ہیں، ''اقرباء''،

---

(۱) نساء(۴):۷۔

''اُولی القُربیٰ'' اور ''اَقْرَبُون'' نیز اس جیسے دوسرے کلمات کے درمیان سے لفظ ''اَقْرَبُون'' کو اس لئے منتخب کر کے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ میراث کے معیار پر دلالت کرے اور اس نکتہ پر دلالت کرے کہ اگر وارث میراث پاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے وہ مردہ سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے۔(۱)

''فرض'': ہر محکم چیز کا قطع کرنا اور کسی چیز کے ایک حصہ کا جدا کرنا اور اسی لئے یہ لفظ وجوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کا انجام دینا واجب اور اس کا امتثال قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی جو سہم و نصیب فرض ہے اس کا انجام دینا ضروری ہے۔

اس آیت میں ایک جدید کلی اور سنتی حکم کی تشریع ہوئی ہے جو مکلفین کے ذہن کے لئے نا آشنا ہے کیونکہ اسلام میں جس طرح وراثت کی تشریع ہوئی ہے اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کیونکہ رسم یہ تھی کہ کچھ وارث افراد میراث سے محروم رہا کرتے تھے یہ سنت اس طرح سے رائج تھی کہ گویا لوگوں کے لئے ایسی طبیعت ثانوی بن چکی تھی کہ اگر اس کے خلاف سنتے تھے تو ان کے جھوٹے احساسات بھڑک جاتے ہیں۔

اسی لئے خداوند عالم نے حکم میراث کی تشریع سے پہلے راہ خدا میں دوستی اور مومنین کے درمیان دینی ایثار کا حکم دیا اور ان کے درمیان عقد اخوت و برادری برقرار کیا اس کے بعد دو بھائیوں کے درمیان وراثت کی تشریع کی تا کہ وہ لوگ اسلامی میراث کے قانون کو تسلیم کرلیں پھر آخر میں اس کے ذریعہ اس رسم کو منسوخ کر دیا جو پہلے سے میراث کے بارے

---

(۱) ہم نے آیت آبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعاً. (نساء(۴):۱۱) کے ذیل میں اس کے بارے میں بحث کی ہے۔

میں موجود تھی اور مومنین جو اس قدیم و دیرینہ تعصب کی رسم و عادت میں گرفتار تھے کہ جس کی جڑیں بہت گہری تھیں اسلام نے آکر انھیں اس سے نجات بخشی ہے۔

پھر جب دین کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور دینی حکومت اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی تو رشتے داروں کے درمیان ایک دوسرے سے میراث پانے کا قانون نافذ کیا۔ اسلام نے میراث کے قانون کو ایسے وقت میں تشریع کی جب مومنین کے ایک گروہ نے اس کی تشریع پر بہت اچھی طرح لبیک کہی۔

اس مقدمہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ آیت میراث کے بارے میں وارد ہونے والے

ہر قسم کے شبہہ کو برطرف کر رہی ہے اور اس جملہ ''لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانَ وَ الْاَقْرَبُونَ'' کے ذریعہ ایک قاعدۂ کلیہ کی بنیاد رکھی ہے۔ بنابرایں اس آیت کا حکم مطلق ہے کسی حال یا وصف سے مقید نہیں ہے اسی طرح اس حکم کا موضوع یعنی مرد بھی عام ہے کسی متصل خصوصیت کے ذریعہ اس کی تخصیص نہیں ہوئی ہے بنابرایں چھوٹے بچے بھی مردوں کی طرح میراث پائیں گے۔

اس قاعدہ کی بنیاد رکھنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُونَ''، یہ جملہ بھی گزشتہ جملہ کی طرح ایک قاعدہ کو تاسیس کر رہا ہے اور پہلے والے جملہ کی طرح عام بھی ہے اس میں بھی کسی تخصیص کا شائبہ نہیں ہے لہٰذا تمام خواتین کو شامل ہے۔

یہ بتادینا ضروری ہے کہ چونکہ پہلے جملہ میں یہ عبارت ہے: ''مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُونَ'' لہٰذا یہاں پر یہ مناسب تھا کہ دوسرے جملہ میں ضمیر پر اکتفا کر کے اس طرح ارشاد فرماتا: ''وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكُوا'' یعنی والدین اور رشتے دار جو مال چھوڑ کر دنیا سے چلے جائیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور اس میں خواتین کا بھی حصہ ہے لیکن دوبارہ اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمایا: ''تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُونَ''، ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ بالکل صراحت کے ساتھ صاف صاف بتادیا جائے تاکہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

اس کے بعد پھر اسی مقصد کے پیش نظر اس عبارت کا اضافہ کیا'' مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ''، اس سے مزید وضاحت کر دی اور یہ سمجھا دیا کہ اگر کسی مردہ کی میراث کم ہو تب

بھی اس میں غفلت اور سستی سے نہیں کام لینا چاہئے بلکہ اسے بھی تقسیم کرنا چاہئے۔

آخر میں ارشاد فرمایا: ''نَصِيْباً مَّفْرُوْضاً''، اگر لفظ ''مفروض'' کو لفظ ''نصیب'' کا حال تسلیم کرلیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ اس میں مصدری معنی پوشیدہ ہیں تو یہاں معنوی اعتبار سے تاکید در تاکید ہے اور بالکل صراحت کے ساتھ بیان کرنے پر دلیل ہے اس سے ہر قسم کا ابہام وشک دور ہو جاتا ہے اس کا خلاصہ ونتیجہ یہ ہے کہ نہ تو کسی قسم کا اشتباہ ہے اور نہ کوئی ابہام۔

۱۔ میراث کے بارے میں ایک تحقیق (۱)

میراث (بعض زندہ افراد کا مردہ افراد کے اموال کا مالک بننا) یہ بڑی قدیم سنت ہے جو بشریت کے معاشرہ میں ہمیشہ سے رہی ہے موجودہ تاریخی منابع کے بس میں یہ بات نہیں

---

(۱) دیکھئے: المیزان ۴:۲۲۲۔۲۳۳؛ ترجمہ ۴:۳۵۳۔۳۶۸۔

ہے کہ یہ بتا سکے کہ کب سے اس کا آغاز ہوا ہے ابھی تک کسی امت وملت کی تاریخ نے اس کا پتہ نہیں بتایا ہے البتہ مزید برآں کہ میراث پانا ایک رسم تھی اس لئے طبیعت امر بھی اسی بات کی مقتضی ہے کیونکہ اگر ہم انسان کی اجتماعی طبیعت کے بارے میں غور کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ مال خاص طور سے وہ مال کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو طبیعی طور سے انسان اس کا طلبگار بن جاتا ہے اور اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرے، مال کا حاصل کرنا خصوصاً ایسے مال کو اپنے اختیار میں لینا جس کو حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یہ انسان کی بڑی پرانی عادت ورسم ہے۔

نیز انسان کی طبیعی حالت کے بارے میں دِقت اور غور وفکر کے بعد ہمارے لئے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انسان نے جس دن سے معاشرہ کو تشکیل دیا ہے (چاہے وہ مدنی معاشرہ ہو یا بدوی) کبھی بھی وہ قرب وولایت کے اعتبار سے بے نیاز نہیں ہوا ہے۔(۱)

ہم سادے سادے الفاظ میں یوں کہیں: دور قدیم سے بشر کی یہ فطرت وعادت رہی ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو اپنے سے بہت زیادہ قریب اور محبوب سمجھتا ہے اور اسی احساس واعتبار نے اسے اس بات پر مجبور کیا کہ ایک چھوٹے اور بڑے اور اس سے بھی بڑے معاشرہ یعنی گھر، خاندان، قبیلہ، طائفہ اور گروہ وغیرہ کو تشکیل دے۔

بنابرایں بشریت کے معاشرہ میں ایک دوسرے سے نزدیک ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے نہ تو بشریت کی بہت پرانی تاریخ میں ایسا تھا اور نہ آج ہی ایسا ہے، اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اولاد اپنے باپ سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ نزدیک ہے اور اسی

---

(۱) قرب وولایت سے ہماری مراد وہ چیز ہے جس کی اقربیت واولویت کے اعتبار سے نتیجہ گیری ہوتی ہے۔ طرح اس کے رشتے دار، رشتہ داری کی وجہ سے؛ دوست، دوستی ورفاقت کی وجہ سے؛ غلام وکنیز، مولویت کی وجہ سے؛ ہمسر، ہمسری کی وجہ سے؛ رئیس، ریاست کی وجہ سے یہاں تک کہ ایک طاقتور اپنے ضعیف سے بہت زیادہ ارتباط رکھتا ہے اگر چہ معاشرے میں ان چیزوں کی تشخیص میں اختلاف ہے وہ بھی ایسا اختلاف کہ شاید جسے ثبت وضبط نہ کیا جاسکے۔

ان دونوں امور کا لازمہ یہ ہے کہ میراث کا مسئلہ بہت قدیم ہے اور اس کی تاریخ بہت پُرانی ہے۔

۲۔ میراث میں تدریجی انقلاب

بشری معاشروں میں جو سنتیں رائج تھیں میراث کی سنت بھی انھیں ساری سنتوں کی طرح ہمیشہ تبدیل ہوتی رہی اور انقلابات اور ترقیوں نے اسے اپنا بازیچہ بنا رکھا ہے البتہ چونکہ بدوی معاشروں میں اس تحول وانقلاب کا کوئی صحیح نظام نہیں تھا لہٰذا انسانوں کی تاریخ سے اس کی منظّم تبدیلی کا پتہ لگانا کہ جس پر اطمینان ہو جائے یہ بہت مشکل امر ہے بلکہ ناممکن ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ ان معاشروں میں خواتین اور کمزور افراد میراث سے محروم رکھے جاتے تھے اور میراث خاص طور سے مردہ کے رشتے داروں کے درمیان تقسیم کی جاتی تھی اور اس کی دلیل صرف یہ تھی کہ اس زمانہ کے لوگ عورتوں، کنیزوں، غلاموں، چھوٹے بچوں اور معاشرہ کے تمام کمزور لوگوں کو جانور سمجھتے تھے ان کے ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کرتے تھے اور انھیں حیوانات کی طرح رام وتابع کر کے اپنی زندگی کا وسیلہ بناتے تھے بالکل اسی طرح جیسے گھر کے تمام ساز وسامان کو استعمال میں لایا جاتا ہے اس سے زیادہ ان مذکورہ افراد کی کوئی اہمیت نہ تھی جس طرح انسان اپنے وسائل زندگی سے استفادہ کرتا ہے لیکن وہ وسائل خود انسان سے کوئی استفادہ نہیں کرتے بس کمزور افراد کا بالکل یہی حال تھا، مرد لوگ ان کے وجود سے استفادہ کرتے تھے لیکن وہ انسانوں سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کرتے تھے اور وہ سارے اجتماعی حقوق جو انسانوں سے مخصوص ہیں ان سب سے محروم تھے۔

اس کے باوجود بھی اس بات کی تشخیص کہ طاقتور کون ہے؟ اس میں اختلاف تھا اور ہر زمانہ میں الگ الگ معیار تھا مثلاً ایک زمانہ میں طاقتور اور میراث پانے کا معیار، گروہ اور قبیلہ کا رئیس ہونا تھا، ایک زمانہ میں میراث گھر کے رئیس سے مخصوص تھی، ایک زمانہ میں میراث قوم کے سب سے بہادر اور سب سے زیادہ سخت انسان سے مخصوص تھی یہ تدریجی تبدیلی سبب بنتی رہی کہ میراث میں بھی جوہری تبدیلی پیدا ہو جائے۔

چونکہ یہ جاری سنتیں اور رسمیں بشر کی فطری چاہت یعنی سعادت کی ضامن نہ بن سکیں لہٰذا ان میں تبدیلی پیدا ہوگئی یہاں تک کہ یہ سنتیں ان متمدن قوموں میں بھی تبدیلی سے محفوظ نہ رہ سکیں جن کے درمیان قانون کی حکمرانی تھی یا کم سے کم ان کے درمیان ملی وقومی رسمیں قانون کا حکم رکھتی تھیں جس طرح روم اور یونان میں قوانین جاری تھے تمام قوموں میں آج تک میراث کا جو قانون موجود تھا اس کی عمر اسلامی میراث کے قانون کے برابر نہ ہوسکی، اسلام میں میراث کا قانون جس دن سے تشریع ہوا ہے اس دن سے آج تک (چودہ صدیوں کی طولانی) اس کی عمر جاری ہے۔

۳۔ متمدن قوموں کے درمیان وراثت

رومیوں کے اجتماعی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگ قبیلہ اور خاندان کے لئے مدنی استقلال کے قائل تھے ایسا استقلال جو خاندان کو عمومی معاشرہ سے جدا کر دیتا تھا اس کو اور اس کے افراد کو حکومت کے نفوذ وغلبہ سے اس کے بہت سے احکام میں حفاظت کرتا تھا۔ ہم سادے الفاظ میں یوں بیان کریں کہ وہ لوگ خاندان کے لئے اس طرح استقلال کے قائل تھے کہ بہت سے احکام جو اجتماعی حقوق سے مربوط تھے

حکومت انھیں ان افراد کے بارے میں جاری نہیں کرتی تھی بلکہ رومیوں کی رسم کے مطابق خاندان کے لوگ حکومت کے امر ونہی اور جزاوسزا وغیرہ میں مستقل تھے۔

خاندان کا رئیس اپنے اہل وعیال یعنی بیوی، اولاد، غلاموں اور کنیزوں کا معبود ہوتا تھا صرف وہی مالک بن سکتا تھا اور جب تک وہ زندہ رہتا تھا کسی کو مالکیت کا حق حاصل نہیں تھا نیز وہ اپنے خاندان کے تمام افراد کا ولی اوران کے امور کا قیم ہوتا تھا اور وہ مطلق طور پر ان کے اوپر اختیار رکھتا تھا اور خود وہ (جب کہ خاندان کا معبود شمار ہوتا تھا) خاندان کے پچھلے معبود ورب کی پرستش کرتا تھا اور اگر اس خاندان کے پاس کوئی مال ہوتا تھا تو اس کے مرنے کے بعد صرف خاندان کا رئیس ہی اس کا وارث بنتا تھا مثلاً اگر اس خاندان کا کوئی بچہ اپنے رئیس کی اجازت سے کوئی مال حاصل کرتا تھا اور پھر دنیا سے رخصت ہو جاتا تھا خاندان کی لڑکی (خاندان کے بزرگوں سے اجازت لے کر) شادی کے ذریعہ مال حاصل کرتی تھی اور پھر دنیا سے رخصت ہو جاتی تھی یا کوئی رشتہ دار کوئی مال کماتا تھا اور پھر وہ مرجاتا تھا تو یہ سارے اموال، میراث کے طور پر خاندان کے بزرگ کو ملتے تھے کیونکہ مطلق مالکیت وآقائی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ گھر اور گھر کے تمام لوگوں کا نیز گھر کے سارے اموال کا مالک ہو۔

جب خاندان کا بزرگ دنیا سے چلا جاتا تھا تو اس کا کوئی لڑکا یا بھائی (جس کے اندر آقا و مالک بننے کی صلاحیت ہوتی تھی اور تمام لوگ اسے وارث کا حقدار سمجھتے تھے وہ) وارث بن جاتا تھا اور تمام اولاد کے اوپر وہ پورا پورا اختیار رکھتا تھا البتہ جب کوئی لڑکا شادی کر لیتا تھا اور وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو جاتا تھا اور ایک نئے خانوادہ کو تشکیل دیتا تھا تو وہ اس نئے گھر کا بزرگ شمار ہوتا تھا اور اگر سارے لڑکے باپ کے گھر میں ایک ساتھ زندگی

بسر کرتے تھے تو وہ لوگ وارث مثلاً اپنے بھائی کا اسی طرح خیال رکھتے تھے جس طرح باپ کا رکھتے تھے یعنی سب کے سب بھائی کی مطلق ولایت اور قیمومت کے ماتحت ہوتے تھے۔

اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خاندان کے بزرگ کا منھ بولا بیٹا اس کا وارث بن جاتا تھا کیونکہ کسی کو اپنا منھ بولا بیٹا بنانا یعنی ایک بیگانہ لڑکے کو اپنا بیٹا بنانا لوگوں کے درمیان ایک رسم تھی جو چلی آرہی تھی۔ اس زمانہ میں یہ رسم موجود تھی جس طرح دور جاہلیت کے عربوں کے درمیان یہ رواج تھا کہ عورتیں یعنی خاندان کی سب سے بزرگ عورت، بیٹی اور ماں یہ سب کسی طرح بھی میراث نہیں پاتی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو یہ منظور نہیں ہوتا تھا کہ اپنے گھر کا مال غیر یعنی داماد کے گھر جائے ان کا اصول یہ تھا کہ دولت وثروت کو ایک گھر سے دوسرے گھر نہیں جانا چاہئے۔

شاید یہ وہی بات ہے جس کے بارے میں بعض دانشمندوں نے کہا ہے: رومی لوگ اشتراکی واجتماعی مالکیت کے قائل تھے وہ لوگ انفرادی وشخصی مالکیت کو معتبر نہیں جانتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس نظریہ کی علت وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں اشتراکی مالکیت نہیں ہے کیونکہ وحشی بدو قوم کے لوگ بھی قدیم زمانہ سے اشتراک کے مخالف رہے ہیں یعنی انھیں یہ منظور نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے صحرانشین لوگ ان کی چراگاہوں اور شاداب و آباد زمینوں میں ان کے ساتھ شریک رہیں وہ لوگ اپنے قبیلہ کی حمایت کرتے تھے اور جو لوگ اس پر للچائی نگاہ ڈالتے اور ان سے لینا چاہتے تھے دفاع کے عنوان سے ان کے ساتھ جنگ شروع کر دیتے تھے۔ اس قسم کی ملکیت ایک قسم کی عمومی واجتماعی مالکیت تھی جس کا کوئی خاص شخص مالک نہیں ہوتا تھا بلکہ چند افراد ایک ساتھ مالک ہوتے تھے۔

البتہ اس مالکیت میں اس سے کوئی منافات نہ تھا کہ معاشرہ کا ہر شخص بھی کسی عمومی مِلک کے ایک حصہ کا مالک ہو اور وہ صرف اسی سے مخصوص ہو۔ اس قسم کی مالکیت صحیح اور معتبر ہے ہاں! وحشی بدو قومیں جس صحیح طریقہ سے عمل کرنا چاہئے تھا نہ کر سکیں اور اچھی طرح سے اس سے بہرہ مند نہ ہو سکیں۔ اسلام نے بھی اس کو احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔

قرآن کریم میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے: ''خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً'' جو چیزیں روئے زمین پر ہیں ان سب کو تمھارے ہی لئے پیدا کیا ہے۔(۱)

پس انسانی معاشرہ بشرطیکہ وہ اسلامی بھی ہو اور اسلام کے ماتحت ہو تو وہ زمین کی تمام ثروتوں کا مالک ہے البتہ اس معنی میں مالک ہے کہ جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی ملکیت کے سب سے نچلے مرحلہ میں، اسلامی معاشرہ اس ثروت کا مالک ہے جو اس کے

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۹۔

قبضہ اور اختیار میں ہے اسی لئے اسلام نے یہ قانون بنایا ہے کہ ایک کافر کا مسلمان سے میراث لینا جائز نہیں ہے اور اس نظریہ کے لئے اس وقت دنیا کی بعض قوموں کے درمیان بہت سے نمونے موجود ہیں وہ لوگ بیگانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ان کے وطن کے غیر منقول اموال اور اراضی وغیرہ پر قبضہ جمائیں اور ان کے مالک بنیں۔

قدیم روم میں گھر اپنے لئے استقلال و تمامیت رکھتا تھا ہم نے جس رسم کو بیان کیا کہ وہ بعض مستقل ممالک اور طوائف میں موجود تھیں وہ سب وہاں پر بھی تھیں۔ رومیوں کے گھروں میں اس رسم و سنت کا پایا جانا اور اسی کے ساتھ ان کے درمیان یہ سنت بھی کہ وہ

لوگ اپنے محرم افراد سے شادی نہیں کرتے تھے یہ امر باعث بنا کہ ان کے درمیان رشتے داری دو قسم کی ہوگئی:

اوّل: قرابت طبیعی اس کا معیار خون میں اشتراک تھا اور یہی باعث تھا کہ محارم سے شادی کرنا ممنوع تھا اور غیر محارم سے شادی جائز تھی۔

دوم: قرابت رسمی وقانونی جس کا لازمہ میراث پانا نفقہ اور اولاد وغیرہ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اولادیں گھر کے بزرگ اور اپنے درمیان طبیعی قرابت بھی رکھتی تھیں اور رسمی قرابت بھی لیکن خواتین صرف طبیعی قرابت رکھتی تھیں رسمی قرابت نہیں رکھتی تھیں اسی لئے عورت اپنے باپ، اپنی اولاد، اپنے بھائی اور اپنے شوہر بلکہ کسی دوسرے کی بھی میراث نہیں پاتی تھی، یہ قدیم روم کی سنت ورسم تھی۔

قدیم یونان میں گھر اور خاندان کی حالت تقریباً قدیم روم جیسی تھی ان لوگوں کی رسم یہ تھی کہ میراث صرف لڑکے کو اور وہ بھی سب سے بڑے لڑکے کو ملتی تھی عورتیں میراث سے محروم رہتی تھیں خواہ وہ عورت مرد کی بیوی ہو یا لڑکی یا بہن اور ان لوگوں کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ چھوٹے بچے بلکہ سبھی کمسن افراد میراث نہیں پاتے تھے یونانی لوگ ایک لحاظ سے رومیوں کے مشابہ تھے وہ لوگ کمسن بچوں کو اور جس کسی کو بھی وہ بہت چاہتے تھے خواہ وہ مرنے والے کی بیویاں ہوں یا لڑکیاں یا بہن، میراث چاہے کم ہو یا زیادہ اس کو دینے کے لئے وہ لوگ بہت سے بہانے کرتے تھے مثلاً وصیت وغیرہ کے ذریعہ اس اجتماعی رسم کے خلاف راستہ ہموار کرتے تھے۔

ہندوستان، مصر اور چین میں خواتین کا مطلق طور پر میراث سے محروم ہونا، کمسن اولاد کا

محروم ہونا یا ان لوگوں کا ولایت وقیمومت کے ماتحت باقی رہنا تقریباً ویسا ہی تھا جیسا روم اور یونان میں رائج تھا۔

ایران میں محرم افراد یعنی بہن اور اسی طرح دوسرے محرم افراد سے شادی کرنا جائز تھا نیز (جیسا کہ اس کی مناسب جگہ بیان کیا جاچکا ہے) ایرانی لوگ متعدد بیویوں سے شادی کرنے کو قانونی سمجھتے تھے ان کے درمیان منھ بولا بیٹا بنانا رائج تھا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورتوں میں جو سب سے زیادہ محبوب ہوتی تھی وہ شوہر کی نظر میں بیٹے کا حکم پیدا کر لیتی تھی پھر اس کے نتیجہ میں ایک حقیقی بیٹے یا منھ بولے بیٹے کے مانند اپنے شوہر کی میراث پاتی تھی لیکن مرنے والے کی دوسری بیویاں اور اس کی شادی شدہ لڑکیاں میراث نہیں پاتی تھیں کیونکہ انھیں اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ گھر اور خاندان کا مال ہاتھ سے نکل کر باہر چلا جائے گا لیکن جو لڑکیاں شادی شدہ نہیں ہوتی تھیں وہ لڑکوں کی میراث کا آدھا حصہ پاتی تھیں۔ نتیجہ میں اگر مرنے والے کی بیویاں جوان ہوتی تھیں اور ان کے بارے میں یہ احتمال ہوتا تھا کہ مرحوم شوہر کے بعد وہ دوسرے شوہر سے شادی کر لیں گی تو جو لڑکیاں شادی کر چکی ہوتی تھیں وہ سب میراث سے محروم رہتی تھیں۔

ہاں! بوڑھی عورت جس کے شوہر کی وفات کے بعد اس کے لئے شادی کی امید نہیں ہوتی تھی اور منھ بولا بیٹا اور غیر شادی شدہ لڑکی ان سب کو خاندان کے بزرگ کے حصہ سے تھوڑا سا مال دے دیا جاتا تھا۔

عرب لوگ عورتوں کو مطلق طور پر اور کمسن لڑکوں کو میراث سے محروم سمجھتے تھے لیکن جو اولاد سب سے زیادہ عقلمند ہوتی تھی اور ساتھ ہی وہ جنگجو بھی ہوتی تھی اور قبیلہ وخاندان کے حریم

کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی وہ میراث پاتی تھی ورنہ اسے بھی میراث نہیں ملتی تھی پھر مرنے والے کے دور کے رشتے داروں کو ملتی تھی۔

یہ اس زمانہ کے کچھ واقعیات کے چند گوشے ہیں جب میراث کی آیات نازل ہوئیں بہت سے مورخین کہ جنھوں نے بہت سی قوموں کے آداب ورسوم کو لکھا ہے یا جن افراد نے سفرنامے لکھے ہیں یا حقوق کے بارے میں کوئی کتاب تدوین کی ہے یا اسی طرح کی ان کی دوسری تحریریں موجود ہیں جو مطالب اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان لوگوں نے بیان کیا ہے، محترم قارئین مزید اطلاعات اور جزئیات کے لئے اس طرح کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

ان سارے مطالب سے یہ نکتہ اخذ ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں خواتین کو میراث سے محروم رکھنا ایک ایسی رسم تھی جو دنیا کی تمام قوموں اور ملتوں میں جاری تھی اور عورت ایک بیوی یا ماں یا لڑکی یا بہن کے عنوان سے میراث نہیں پاتی تھی اور اگر لوگ استثنائی طور پر کسی عورت کو کچھ دے دیتے تھے تو بہت سے مختلف عنوانات سے دیتے تھے ان لوگوں کی یہ عادت وسنت بھی تھی کہ چھوٹے اور یتیم بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے ہاں! کسی خاص مورد میں فرزند یا دائمی سرپرستی کے عنوان سے میراث دیتے تھے۔

۴۔ اسلام نے کیا کیا؟

اسلام، بشریت کے صحیح احکام وقوانین کی حقیقی بنیاد کو بشر کی فطرت جانتا ہے جس فطرت پر سارے انسان خلق کئے گئے ہیں اور خدا کی خلقت میں کوئی تبدیلی پیدا ہونے والی

نہیں ہے۔خداوند عالم نے اسی نظریہ کی بنیاد پر میراث کی بنیاد کو رشتے داری قرار دیا ہے کہ یہ خود بھی ایک فطری چیز ہے اس نے منھ بولے بیٹے کی میراث کو باطل قرار دیا چنانچہ ارشاد فرمارہا ہے:

"وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَ کُمْ اَبْنَآءَ کُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ؛ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا آبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوٰلِیْکُمْ."

اور اس نے تمہارے منھ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا قرار نہیں دیا ہے یہ تو تمہاری صرف زبانی باتیں ہیں اور خدا حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ان کو تم ان کے باپ کے ناموں کے ساتھ پکارو خدا کے نزدیک یہ بہت انصاف پسند بات ہے اور اگر ان کے باپ کو نہیں پہنچانتے ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور موالی ہیں۔(۱)

---

(۱) احزاب (۳۳):۴۔۵۔

اسلام نے جب میراث کے مسئلہ کی بنیا کو رشتے داری اور خون پر قرار دیا وصیت کے مسئلہ کو اس عنوان سے خارج کر دیا اور الگ سے اسے ایک مستقل عنوان عطا کیا ہے یہ ایسا عنوان ہے جس کے ذریعہ ان لوگوں کو بھی مال ملتا ہے جو رشتے دار نہیں ہیں اور دوسرے افراد بھی مرنے والے کے مال سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں اگر چہ عرف کی بعض اصطلاحات میں اس بہرہ مندی اور مالکیت کو بھی میراث ہی کہا جاتا ہے جو وصیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے لیکن یہ کہنے سے دو واقعیت ایک واقعیت میں تبدیل نہیں ہو جائے گی، میراث اور وصیت کا اختلاف صرف نام ہی رکھنے میں نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا معیار الگ الگ ہے

فطری اصلیت مستقل ہے کیونکہ میراث کا معیار رشتے داری ہے اس میں مرنے والے کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے لیکن وصیت کا معیار مرحوم کی مرضی ہوتی ہے وہ یہ ارادہ کرسکتا ہے کہ لوگ اس کے مرنے کے بعد اس کے کچھ مال کو بیگانہ وغیرہ کو دے سکتے ہیں کیونکہ صاحبِ مال کی مرضی محترم ہوتی ہے پس اگر کبھی لوگ میراث اور وصیت کو ایک دوسرے میں داخل کردیں پہلے کو وصیت اور دوسرے کو میراث کہنے لگیں تو یہ صرف لفظوں کی تعبیر اور نام گزاری ہوگی۔

نمونہ اور مثال کے طور پر جس چیز کو قدیم روم کے لوگ میراث کہتے تھے میراث کی سنت میں اس کا اعتبار نہ تو خویشاوندی تھا اور نہ مردہ کی مرضی بلکہ حقیقت امر یہ تھی کہ وہ لوگ میراث کا معیار مرحوم کی مرضی کو سمجھتے تھے اور اس کے ارادہ کا احترام کرتے تھے کیونکہ مرحوم کی یہ مرضی ہوتی تھی کہ اس کا مال خود اسی کے گھر کے اندر محفوظ رہے اور اس کی موت کے بعد جو شخص اس کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا وہ سارے اموال کا سرپرست قرار پائے گا بہرحال ان لوگوں کی نظر میں میراث احترام کے اوپر قائم کیونکہ اگر خون اور خویشاوندی کو اس کی بنیاد قرار دیا جاتا تو بہت سے وہ افراد جو مرنے والے کے مال سے محروم تھے انھیں بہرہ مند ہونا چاہئے تھا اور بہت سے وہ افراد جو بہرہ مند تھے انھیں محروم ہونا چاہئے تھا۔

اسلام نے رشتے داری اور مرضی ان دونوں معیاروں کو الگ الگ کرکے میراث کے مسئلہ کو بیان کیا ہے اور ان دونوں اساسی اصلوں کو معیار قرار دیا ہے۔

۱۔ اصل خویشاوندی جو انسان اور اس کے رشتے داروں کے درمیان ایک مشترک عنصر ہے

اس عنصر میں عورت ومرد اور چھوٹے بڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اگر چہ ان کے درمیان تقدم وتاخر ہے یعنی طبقۂ اوّل کے ہوتے ہوئے دوسرے طبقہ کی نوبت نہیں آئے گی جو شخص مقدم ہے وہ بعد والے کو میراث پانے سے روک دے گا کیونکہ بھلے ہی یہ سب لوگ مرنے والے کے رشتے دار ہیں لیکن ان میں سے کچھ لوگ مرنے والے سے تھوڑا سا نزدیک ہیں اور کچھ لوگ بہت نزدیک ہیں اور کچھ لوگ تھوڑا سا دور ہیں کچھ لوگ بہت دور ہیں، کچھ لوگ بغیر کسی واسطہ کے نزدیک ہیں اور کچھ لوگ واسطہ کے ذریعہ نزدیک ہیں جیسے: بھائی کی اولاد اور چچا۔

بنابرایں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ سارے افراد جو مرنے والے کے رشتے دار اور خون میں مشترک ہیں جیسے: اولاد، بھائی اور چچا یہ تمام لوگ تقدم وتاخر کا لحاظ رکھتے ہوئے مرحوم کے مال سے میراث پائیں گے۔

مرد اور عورت کا اصل اختلاف ان دونوں کے طبیعی وجود کی طرف پلٹتا ہے ایسی طبیعت جو ان دونوں کے اختلاف اور ان دونوں کے تخلیقی عناصر سے اخذ ہوتی ہے۔ مرد اندیشہ وفکر سے استوار ہے اور عورت احساسات کی نعمت سے بہرہ مند ہے پس مرد اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایک عقل واندیشہ والا انسان ہے اسی طرح عورت اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایک لطیف احساسات وعواطف سے بہرہ مند مخلوق ہے۔ زندگی میں جو یہ تفاوت ہے اس کا اثر بالکل واضح ہے یعنی مرد کو مال ودولت کی تدبیر کرنے اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مال کو خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور یہی اصل سبب ہے کہ میراث میں عورت اور مرد کا حصہ کم اور زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ عورت اور مرد جو میراث کے ایک ہی طبقہ میں ہوں جیسے: لڑکا اور لڑکی یا بھائی اور بہن کہ اجمالاً دونوں کی میراث یکساں نہیں ہے۔

اسلام نے خون میں اشتراک کی اصل سے رشتے داروں کی طبقہ بندی کے مسئلہ کا نتیجہ نکالا ہے اور انھیں کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے کیونکہ کچھ لوگ مرنے والے سے نزدیک ہیں اور کچھ لوگ دور، ایسا اس لئے ہے کہ کچھ رشتے دار بغیر کسی واسطہ کے میت سے متصل ہوتے ہیں اور کچھ لوگ واسطہ کے ساتھ، بہر حال ان لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں: کچھ لوگ بہت کم واسطوں کے ذریعہ متصل ہوتے ہیں اور کچھ لوگ زیادہ واسطوں کے ذریعہ متصل ہوتے ہیں۔

میراث کے پہلے طبقہ کے افراد جو بغیر واسطہ کے مرنے والے سے متصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: بیٹا، بیٹی، باپ، ماں۔

دوسرے طبقہ کے افراد جو ایک واسطہ کے ذریعہ مردہ سے متصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: بھائی، بہن، دادا، دادی ان لوگوں کا مرنے والے سے جو ارتباط کا واسطہ ہے وہ باپ اور ماں ہیں۔

تیسرے طبقہ کے افراد جو دو واسطوں کے ذریعہ مرنے والے سے ارتباط رکھتے ہیں وہ یہ ہیں: چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، صرف دادا یا صرف نانا اور اسی طرح دادی ونانی میں سے کوئی ایک، یا دادی ونانی دونوں۔

پہلے مرنے والے کے باپ اور ماں دوسرے مرنے والے کے دادا، دادی ہر جگہ یہی قاعدہ جاری ہوگا۔

ہر طبقہ کی اولاد (بشرطیکہ خود اس طبقہ میں کوئی وارث نہ ہو) اس طبقہ میں جگہ شمار ہوگی اور اپنے بعد والے طبقہ کے لئے میراث سے مانع ہوگی۔ میاں بیوی کا خون چونکہ شادی کی

وجہ سے مخلوط ہوگیا ہے لہٰذا یہ دونوں تمام طبقات میں وارث بنتے ہیں اور کوئی طبقہ ان کے لئے میراث پانے سے مانع نہیں ہوتا ہے۔

اسلام نے دوسری اصل سے مرد اور عورت کے تفاوت سے نتیجہ نکالا ہے البتہ ماں اور کلالۂ (۱) مادری (یعنی ماں کے حصہ کو باپ کا نصف نہیں کیا ہے اور مذکر کلالۂ مادری کے حصہ کو مونث کلالۂ مادری کے حصہ کا دوگنا قرار نہیں دیا ہے) کے علاوہ تمام موارد میں مرد، کی میراث عورت کی دوگنا ہوتی ہے، قرآن مجید میں جن چھ سہام کا ذکر ہے (نصف، دو ثلث، ایک ثلث، ایک چہارم، ایک ششم اور ایک ہشتم) اگر چہ متفاوت ہے اسی طرح وہ مال جو آخر میں کسی ایک وارث کے ہاتھ لگتا ہے اگر چہ وہ مذکورہ فرائض کے ساتھ متفاوت ہوتا ہے (۲) نیز اگر چہ ماں باپ اور کلالۂ مادری کا حصہ آخر میں قاعدہ (مرد کا عورت

---

(۱) لغت میں کلالہ کے معنی احاطہ کے ہیں اور اصطلاح میں ان ورثہ کو کہا جاتا ہے جو اولاد اور والدین کے علاوہ ہوں۔

(۲) یعنی جس شخص کو مثال کے طور پر نصف پانا چاہئے آخر کار وہ اکثر موارد میں نصف سے زیادہ حصہ پاتا ہے کیونکہ رَد کے عنوان سے اس کو کچھ حصہ دیا جاتا ہے اور کبھی اس سے کم پاتا ہے۔

سے دوگنا حصہ) کے تحت سے خارج ہوجاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں نوع کی رعایت کی گئی ہے اور یہ کہ سابق نوع (مردہ) لاحق نوع (زندہ) کو اپنا جانشین بنائے اسے معتبر قرار دیا گیا ہے۔

ان ساری چیزوں کی برگشت اس کی طرف ہوتی ہے کہ بیوی اور شوہر میں سے کوئی ایک دوسرے کو اپنا جانشین بنائے اور پیدا کرنے والے یعنی والدین پیدا ہونے والے یعنی اولادوں کو اپنا جانشین بنائیں اور دونوں گروہوں کو اسلامی فریضہ یعنی بیویاں، شوہر اور اولاد میں وہی قاعدہ ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' (مرد کا حصہ عورت کا دوگنا ہے)

جاری ہے۔

اس کلی نظریہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام نے روئے زمین پر موجود تمام مال اور دولت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک سوم اور دو سوم، خواتین دنیا کی ایک سوم دولت و ثروت کی مالکیت ہیں اور مرد حضرات دو سوم حصہ کے حقدار ہیں البتہ یہ بات صرف اخذ تملک کے لحاظ سے ہے مصرف واستعمال میں یہ نظریہ نہیں ہے کیونکہ اسلام نے خواتین کے سارے اخراجات کے لئے مردوں کو ذمہ دار بنایا ہے اور انھیں یہ حکم دیا ہے کہ تمام امور میں عدالت اور میانہ روی سے کام لیں۔ اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مرد اخراجات میں اپنے اور خواتین کے درمیان برابری کی رعایت کریں۔ ان جہات ثلاثہ کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام خواتین دنیا کے ایک سوم مال میں مستقل ہیں اور مرد کی مداخلت کے بغیر تصرف کرسکتی ہیں اور دوسرے ایک سوم حصہ میں مرد کی مرضی کے مطابق تصرف کرسکتی ہیں پس خلاصہ یہ ہوا کہ عورت دنیا کے دو سوم مال میں تصرف کرتی ہے اور مرد ایک سوم مال میں تصرف کرتا ہے۔

۵۔ اسلام میں خواتین اور ایتام

اسلامی نقطۂ نظر سے یتیم بچے میراث پاتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح طاقتور لوگ میراث پاتے ہیں صرف یہی نہیں کہ یتیم افراد میراث کے مالک بنتے ہیں بلکہ جو مال انھیں ملتا ہے وہ اولیاء یعنی دادا یا تمام مومنین یا اسلامی حکومت کے ماتحت قرار پاتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور یتیم بچوں کے سرپرست افراد اس وقت تک پیسے کو ادھر ادھر لگا کر بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ یتیم بچے سن تمیز کو پہنچ جائیں اور جب یتیم

افراد رشید اور بالغ ہوجاتے ہیں تو ان اموال کو ان کے مالک ان کے سپرد کر دیتے ہیں تا کہ تمام دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مستقل طور پر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ یتیموں کے بارے میں یہ سب سے اچھی اور عدالت پسند راہ ہے جس کا تصور یتیموں کے بارے میں کیا جاسکتا ہے۔

تمام خواتین ایک عمومی نظریہ کے مطابق دنیا کی ایک تہائی دولت وثروت کی مالک ہیں لیکن جو کچھ واقع ہوتا ہے اس کے مطابق وہ دنیا کے دو تہائی اموال پر اختیار رکھتی ہیں وہ اپنے ایک تہائی حصہ میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں بالکل مستقل ہیں اور مردوں کی دائمی یا موقت سرپرستی کے ماتحت نہیں ہیں اور مرد لوگ بھی ان کے تصرفات کے ذمہ دار نہیں ہیں جب تک کہ خواتین اپنے بارے میں جو کچھ کر رہی ہے وہ سارے کام صحیح ہوں۔

بنا برایں اسلام میں عورت کی شخصیت مرد کے برابر ہے اور وہ بھی مرد کی طرح اپنے ارادہ و اختیار اور عمل میں ہر جہت سے آزاد ہے اور کسی بھی اعتبار سے وہ مرد سے متفاوت نہیں ہے مگر ان چیزوں میں کہ جس کا تعلق اس کی طبیعت وخلقت سے ہے اور اس کا خصوصی جذبہ اس کا تقاضا کرتا ہے تو ان صورتوں میں اس کی وضعیت وحالت مرد سے متفاوت ہو جاتی ہے، عورت کی شخصیت احساسی وجذباتی اور مرد کی شخصیت فکری وعقلانی ہے اسی لئے اسلام نے روئے زمین کی ثروت کا دو تہائی حصہ مرد کے اختیار میں دیا ہے تا کہ دنیا کے اندر عقل وفکر کی تدبیر، احساس وعاطفہ کی تدبیر پر غالب رہے عورت کے کام میں اور اس کی احساسی تدبیر میں جو نقائص اور کمیاں رہ جائیں مرد کی قوت فکر وعقل سے اس کا تدارک ہو جائے (کیونکہ عورت کے تصرفات مرد سے زیادہ ہیں)۔

اگر اسلام نے ہمخوابی کے سلسلہ میں عورت پر شوہر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے تو مہر کے ذریعہ اس کی تلافی کر دی ہے۔

اگر قضاوت وحکومت جس کی بنیاد، قوت عقل وفکر پر استوار ہے ان دونوں کو عورتوں پر حرام کیا ہے تو مردوں پر ایک دوسری ذمہ داری عائد کر کے اس کا جبران کر دیا ہے اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ مردوں پر عورتوں کی حمایت اور ان کے حریم کا دفاع کرنا واجب ہے، خواتین کے اوپر کمائی اور معاش کی اہم ذمہ داری، خود ان کی زندگی، اولاد اور والدین کے اخراجات نہیں عائد کئے ہیں اولاد کی پرورش اور تربیت کے اخراجات بشرطیکہ عورت انجام دینا چاہتی ہو تو یہ ساری ذمہ داریاں مرد کے اوپر عائد کی ہیں اس کے علاوہ عورتوں کو جو دوسرے دستورات دیئے ہیں ان کے ذریعہ ان سارے احکام کی تعدیل کر دی ہے مثلاً یہ کہ خواتین اپنے کو نامحرم افراد کے سامنے پیش نہ کریں اور حتی الامکان نامحرم مردوں کے ساتھ مل جل کر نہ رہیں بلکہ امور خانہ داری اور اولاد کی تربیت میں مشغول رہیں۔

اگر کسی کو یہ منظور ہو کہ ان احکام کی اہمیت کو مزید وضاحت کے ساتھ سمجھے کہ اجتماعی امور کی تدبیر جیسے: دفاع، قضاوت اور حکومت کی ذمہ داری کیوں عاطفہ واحساس کی مالک عورت کو سپرد نہیں کی گئی تو اس کے لئے یہی کافی ہے کہ بشریت کے جن معاشروں میں عورتوں کی بیجا دخالت ہے جن سے بڑے تلخ اور ناگوار نتائج برآمد ہوتے ہیں انھیں پر غور کر لے۔

بین الاقوامی جنگیں جو آج کل کے تہذیب وتمدن کی دین ہیں اور اس وقت عام طور سے جو دنیا کی بری حالت ہے اگر کوئی شخص ان کے بارے میں مطالعہ وغور وفکر کرے اور ان

سارے حوادث کا فکری و عاطفی دونوں قوتوں سے تقابل کرے تو سمجھ جائے گا کہ انحراف و گمراہی کہاں سے شروع ہوئی ہے اور حقائق کا سرچشمہ کہاں ہے۔

ان ساری باتوں کو چھوڑتے ہوئے مغربی متمدن قوموں نے ادھر سو رسال کے زائد عرصہ سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت ایک کلاس کے اندر کریں اور ان کی تربیت میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان کسی قسم کے فرق کے قائل نہ ہوں تا کہ دونوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو قوت کے مرحلہ سے فعلیت کے مرحلہ میں لے آئیں اس کے باوجود جب ہم میدان سیاست میں اور حقوق وقضا کے شعبہ میں نیز میدان کارزار میں دیکھتے ہیں کہ تو ہمیں بڑے بڑے سیاست مدار، عظیم مفکر، باصلاحیت کمانڈروں کی فہرست میں عرصہ دراز سے فقط مردوں کے نام نظر آئے ہیں اگر ہم ان کا جائزہ لیں اور پھر حکومت و جنگ اور قضاوت (جن سے اسلام نے خواتین کو منع کیا ہے) کے سلسلہ میں نابغہ افراد کو شمار کریں تو پتہ چل جائے گا کہ ان مذکورہ تینوں امور میں کوئی نابغہ عورت نہیں پیدا ہوئی ہے مگر یہ کہ بہت ہی کم جسے کہ سیکڑوں اور ہزاروں نابغہ مردوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خود یہی اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ ان تینوں چیزوں میں عورت کی طبیعت قابل رشد نہیں ہے کیونکہ ان تینوں شعبوں میں صرف قوت عقل اور اندیشہ کارفرما ہوتی ہے اور یہ تینوں امور جس قدر عواطف سے متاثر ہوں گے ان کا نقصان ان کے نفع سے کہیں زیادہ ہوگا۔

یہ تحقیق ایک محکم جواب اور اس نظریہ کی رَد ہے جس کا کہنا یہ ہے: معاشرہ میں خواتین کے ترقی نہ کرنے کا صرف ایک سبب ہے کہ ان کی جو صحیح تربیت ہونی چاہئے وہ نہیں ہو پاتی ہے اور وہ اس شعبہ میں کمزور رہ جاتی ہیں کہ جن میں دنیا کی خواتین، بشریت کی قدیم

ترین تاریخ سے گرفتار ہیں اگر باقاعدہ ان کی صحیح اور اچھی تربیت کی جانے لگے تو ان کے اندر جو احساسات اور نرم دلی کے عواطف ہیں وہ کمال کی جہت میں مردوں سے بھی آگے بڑھ جائیں گی یا کم سے کم مردوں کے برابر رہیں گی۔

یہ استدلال ان استدلال کے مانند ہے جس کا نتیجہ نقیض مطلوب ہوتا ہے کیونکہ خواتین کے رقیق عواطف یا ان کے اندر عواطف واحساسات کا زیادہ ہونا مذکورہ امور میں ان کے پچھڑنے کا سبب ہے جن میں قوت فکر وعقل کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے سبقت کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے برعکس ایسے گروہ کے سبقت کرنے کا باعث ہے جو ایسا نہیں ہے یعنی مرد لوگ جو روحانی عواطف کے لحاظ سے عورتوں سے پیچھے ہیں اور عقل وفکر کے لحاظ سے عورتوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔

تجربہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو شخص روحانی صفت میں دوسروں سے زیادہ طاقتور ہوگا اگر اس کی تربیت ایسے شعبہ میں کی جائے جو اس صفت کے مناسب ہو تو اس کا نتیجہ زیادہ اچھا برآمد ہوتا ہے اور اس تجربہ کا لازمہ یہ ہے کہ مردوں کی جو حکومت وقضاوت اور جنگ میں تربیت کی جاتی اس کا نتیجہ بہت اچھا ثابت ہوتا ہے اور خواتین ان امور میں اچھی طرح تربیت نہیں حاصل کر پاتی ہیں نیز اسی طرح جو کام رقیق عواطف سے مناسبت رکھتے ہیں جیسے: ڈاکٹری کے بعض شعبے مثلاً تصویر کھینچنا، موسیقی، باورچی خانہ کی ذمہ داری، بچوں کی تربیت، بیماروں کی عیادت اور ان کی دیکھ بھال اور آرائش وغیرہ تو ان سارے مشاغل میں خواتین کی تربیت مردوں سے بہت اچھی ہوتی ہے، ہاں! ان دونوں شعبوں کے علاوہ جن امور میں نہ تو بہت زیادہ عقل وفکر کا دخل ہے اور نہ بہت زیادہ رقیق عواطف کی ضرورت ہے تو ان میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

بعض مخالفین نے کہا ہے کہ خواتین اس وجہ سے حکومت وقضاوت اور دفاع کے مسئلہ میں پیچھے ہیں کہ یہ صرف ایک اتفاق وتصادف کی بنا پر ہے۔

اگر یہ بات سچ ہوتی تو کم سے کم بشریت کا یہ طولانی معاشرہ جو صدیوں سے چلا آرہا ہے جس کی عمر کئی ملین سال ہو چکی ہے اس میں کہیں تو اس اتفاق وتصادف کے خلاف ہو گیا ہوتا۔

اگر اس بات پر بنا رکھ دی جائے کہ روحانی وغریزی مسائل، اتفاقی ہیں اور جن امور میں بشر کی روحانی طور پر مختلف دستہ بندی ہوئی ہے ان سب کو تصادفی (اتفاقی) تسلیم کریں تو پھر ہم کسی طبیعی صفت اور فطری خصلت کو حاصل نہ کر سکیں گے اور یہ بھی نہ کہہ سکیں گے کہ مثلاً بشر جو اجتماعی زندگی یا تہذیب وتمدن کی طرف رجحان رکھتا ہے وہ فطری ہے یا بشر کا علم اور حوادث کے اسرار کی جستجو کی طرف مائل ہونا فطری ہے۔

ممکن ہے کہ ہمیں یہ جواب دیں: نہیں! یہ ساری چیزیں تصادفی ہیں جیسا کہ آپ نے کہا کہ ذوقی اور ظریف کمالات میں خواتین کا مقدم ہونا اور عقل وفکر، رعب ووحشت اور دشوار امور جیسے جنگ میں ان کا پیچھے رہنا یہ تصادفی ہے اور اِن امور میں مردوں کا سبقت کرنا اور اُن امور میں پیچھے رہنا بھی تصادفی ہے۔

اس قضاوت وفیصلہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب عورتوں کی طرف ظریف وعاطفی امور کی نسبت دی جائے اور سخت کاموں میں مردوں کی طرف فکر وعقل کی نسبت دی جائے تو خواتین کو تکلیف ہوگی جب کہ کوئی تکلیف کی بات نہیں ہے کیونکہ فکر اور احساس یہ دونوں الٰہی عطیے ہیں جنھیں خدا نے برحق الٰہی اغراض ومقاصد کے لئے انسان کی طبیعت کے اندر امانت

کے طور پر رکھا ہے کسی کی دوسرے پر کوئی فوقیت وفضیلت نہیں ہے، دونوں میں سے کسی کے لئے تقویٰ کے علاوہ کوئی کرامت وشرافت نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کمالات چاہے جو بھی ہوں وہ اپنی جگہ ترقی کرتے رہتے ہیں ورنہ ایک وزنی بوجھ کے علاوہ کچھ اور نہ ہوں گے۔

۶۔ دور جدید میں میراث کے قوانین

دور حاضر میں میراث کے جو قوانین موجود ہیں اگر چہ وہ کمیت وکیفیت کے لحاظ سے کہ جس کا بیان آئندہ اجمال کے ساتھ آئے گا، اسلامی میراث کے قانون کے مخالف ہیں لیکن ان قوانین نے اپنی پیدائش اور ثبوت میں اسلامی میراث کی سنت وروش سے مدد لی ہے جب کہ ان قوانین کی پیدائش اور اسلام ظہور کے اسلام زمانہ کے درمیان بہت فرق ہیں۔

جس دن اسلام نے قانون میراث کی تشریع کی وہ ایسا زمانہ تھا کہ میراث کے لئے کوئی قانون یہاں تک کہ ناقص اور ادھورا قانون بھی نہ تھا اور نہ ہی بشریت کے کانوں نے اسلامی قانون کے مانند کسی اور قانون کی کوئی آواز سنی تھی اور نہ تو انسانوں نے کئی نسلوں تک اپنے بزرگوں سے اس کے بارے میں کچھ سنا تھا قانون اسلام کی کوئی پچھلی تاریخ نہیں ملتی ہے، اسلام نے کسی قانون کو اپنے لئے نمونہ نہیں بنایا ہے، غرب میں اس وقت میراث کا قانون بنایا گیا جب کئی صدیوں سے اسلام کا قانون زمین کے بہت سے آباد علاقوں میں اور کئی ملین افراد کے درمیان حکومت کر چکا تھا اور بعد والے افراد نے اپنے بزرگوں سے میراث کے طور پر پایا تھا۔

روان شناسی کی ایک مسلم بحث یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ظہور پذیر ہو پھر ثابت ومستقر ہو جائے تو اس کے مانند دوسری چیز کے ظہور اور وجود میں آنے کے لئے وہ چیز بہترین مددگار بنتی ہے۔خلاصہ یہ کہ ہر سابق اجتماعی سنت ورسم اپنے بعد کی سنتوں اور رسموں کے لئے فکری بنیاد کی جڑ ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی پہلی چیز ہے جو دوسری چیز کی شکل میں تبدیل ہوگئی ہے پس کوئی اجتماعی محقق اس بات کا منکر نہیں ہوسکتا کہ میراث کے جدید قوانین سے پہلے چونکہ اسلامی میراث کے قوانین موجود تھے لہٰذا اسی اسلامی میراث سے مدد لی ہے بلکہ یہ وہی قانون ہے جو تبدیلی کے بعد اس شکل میں تبدیل ہوگیا ہے اب چاہے صحیح ہو یا غلط۔

بنا برایں اگر آپ یہ سنیں تو تعجب کریں گے کہ کوئی عصبیت (کہ خدا اس قدیم جاہلی عصبیت کو نیست ونابود کرے) کے ساتھ کہے کہ میراث کے جدید قوانین کو قدیم رومیوں کے قانون سے لیا گیا ہے جب کہ میراث کے بارے میں آپ قدیم رومیوں کی سنت و روش کو معلوم کر چکے ہیں اور بشریت کے معاشرہ کے لئے جو کچھ اسلامی سنت وروش نے پیش کیا ہے ان سے بھی آشنا ہو چکے ہیں اور آپ نے اس کی طرف توجہ کی ہے کہ اسلامی سنت وروش، پیدائش اور عملی طور پر اجرا کے لحاظ سے دو قانون کے درمیان میں ہے قدیم روم کے قانون اور جدید غرب کے قانون اور بہت طولانی ومتوالی صدیوں میں ملین بلکہ سیکڑوں ملین افراد کے معاشرہ میں رائج رہ چکی ہے تو محال ہے کہ ایسا قانون مغربی قانون گزار افراد کے افکار پر کوئی اثر نہ ڈالے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں: اسلامی میراث کے قوانین، قدیم روم کی میراث سے متاثر ہیں اور انھیں کو اپنے لئے نمونہ بنایا ہے۔

مختصر یہ کہ جو جدید قوانین مغربی قوموں کے درمیان رائج ہیں اور ان پر عمل ہو رہا ہے اگر چہ وہ بعض خصوصیات میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن تقریباً اس سلسلہ میں اتفاق رکھتے ہیں کہ عورت و مرد، لڑکے اور لڑکی، باپ اور ماں کی میراث یکساں و برابر ہے۔

فرانس کے قانون نے میراث کے طبقات کو چار طبقوں میں بتایا ہے: پہلے طبقہ میں لڑکے اور لڑکیاں ہیں، دوسرے طبقہ میں باپ اور ماں بھائی اور بہن ہیں، تیسرے طبقہ میں دادا، دادی اور نانا نانی ہیں، چوتھے طبقہ میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ ہیں۔

اس قانون نے بیوی کو کلی طور سے ان طبقات سے خارج کیا ہے اور اسے قلبی محبت کی بنیاد پر قرار دیا ہے۔ فی الحال ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ اس قانون میں بیوی اور شوہر نیز دوسرے طبقات کے جزئیات میں پڑیں اگر کسی کو ان جزئیات وتفصیلات کی ضرورت ہو تو وہ اس کی مناسب جگہ رجوع کرے۔

یہاں پر ہمارے لئے جس چیز کی تحقیق اہمیت رکھتی ہے وہ دنیا کی ثروت میں عورت اور مرد کے برابر ہونے کا نتیجہ ہے۔ ایک عمومی نظریہ کے مطابق عورت، دنیا کی موجودہ ثروت میں مرد کی شریک ہے لیکن اس نظریہ کے افراد کہتے ہیں کہ عورت، مرد کی سرپرستی میں رہتی ہے اور یہ لوگ اسے اس قدر بے اختیار سمجھتے ہیں کہ جو مال اسے میراث کے عنوان سے ملا ہے اس میں بھی وہ مستقل طور پر تصرف نہیں کر سکتی اس کے دخل وتصرف کے لئے مرد سے اجازت لینا ضروری ہے نتیجہ میں یہ لوگ دنیا کی ثروت کو مرد اور عورت کے درمیان مشترک جانتے ہیں لیکن پوری ثروت میں تصرف کو مردوں سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اس قانون نے بہت سے لوگوں کو اپنے خلاف بھڑکا دیا ہے وہ لوگ یہ چاہتے

ہیں کہ خواتین کومردوں کی سرپرستی سے خارج کردیں۔اگرہم یہ فرض کرلیں کہ یہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب ہوجائیں گےتو اس میں ایک کمی یہ ہے کہ انھوں نے مردوں اورعورتوں کوتمام اموال میں شریک کیا ہے ملکیت میں بھی اورتصرف میں بھی۔

۷۔میراث کی روشوں کا موازنہ

گزشتہ امتوں کے درمیان جومیراث کی روش جاری تھی ہم نے اسے مختصرطور پر بیان کردیااب یہاں پران کے درمیان موازنہ کرکے اپنا فیصلہ سنائیں گے کہ کون ناقص اورکون کامل ہے،کون مفیداورکون بشری معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے،کس سے خوش بختی پیدا ہوتی ہےاورکس سے بدبختی وجود میں آتی ہے۔ہم یہ تمام باتیں اپنے محترم پڑھنے والوں سے بیان کریں گے پھران سے درخواست کریں گے کہ تمام مذکورہ روشوں کا اسلامی قانون سے موازنہ کریں پھردیکھیں کہ وہ خوداس بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہاں پرہم جوبات پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ میراث کے سلسلہ میں جواسلامی روش ہےاس میں اوردوسری تمام روشوں کے درمیان بنیادی وجوہری فرق ہےاوروہ فرق،مقصدنیزغرض وغایت میں ہے۔اسلام میں میراث کے قانون کی غرض یہ ہے کہ دنیامیں سدھار پیدا ہواوردوسری تمام روشوں کی غرض یہ ہے کہ لوگ اپنا اپنا مقصد پوراکرلیں اورتمام جزئی تفاوت کی برگشت، جوہری تفاوت کی طرف ہوتی ہے۔قرآن کریم نے انسان کی بہت سی تمناؤں اورخواہشوں کواشتہائے کاذب بتایا ہےاورارشاد فرمایاہے:

"وَ عَسٰیٓ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئاً وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰیٓ اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئاً وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ."(۱)

تمہارے اوپر جہاد کو واجب قرار دیا گیا ہے جب کہ تمھیں پسند نہیں ہے] اور تم بہت سی چیزوں کو پسند نہیں کرتے ہو جب کہ وہ تمھارے لئے بہتر ہیں اور تم بہت سی چیزوں کو پسند کرتے ہو جب کہ وہ تمہارے لئے بری ہیں اور خدا اس کو بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔

نیز خواتین کے ساتھ معاشرت کی کیفیت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"یٰـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَایَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھاً وَّ لَاتَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآاٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفٰحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَّ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰیٓ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئاً وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْراً کَثِیْراً."

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۱۶۔

اے ایمان لانے والو! تمھارے لئے یہ حلال اور جائز نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور ان کے اوپر سختی نہ کرو کہ جو کچھ انھیں دے چکے ہو اسے لے لو مگر یہ کہ وہ خواتین کھلم کھلا برائی کرنے لگیں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر تم انھیں پسند نہ کرو (تب بھی صبر و تحمل سے کام لو) عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو جب کہ خدا تمہارے لئے اس میں بہت زیادہ بھلائی قرار دے رہا ہو۔(۱)

---

(۱) نساء (۴): ۱۹۔

عورت کی اجتماعی شخصیت

عورت کی اجتماعی شخصیت

جس دن سے بشر نے روئے زمین پر قدم رکھا ہے اور اجتماعی صورت میں زندگی بسر کرنا

شروع کی ہے وہ اپنی طبیعی پیدائش میں بھی اور اپنی اجتماعی زندگی بسر کرنے میں عورت کا محتاج رہا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ مرد اپنی زندگی اور اپنی بقاء میں عورت سے بے نیاز ہوا ہو۔

چونکہ بشریت کا معاشرہ چاہے وہ عام انسانوں کا ہو یا متمدن انسانوں کا وہ ہمیشہ اپنی اجتماعی زندگی گذارنے میں کچھ قوانین کا جیسے رسم ورواج، عادلانہ یا ظالمانہ قوانین کا پابند رہا ہے اس لحاظ سے خاص طور سے عورت کے بارے میں بھی ہر قبیلہ وگروہ اور ہر قوم و ملت کے درمیان خاص قوانین جاری ہوتے تھے۔

جب کسی معاشرہ میں وہاں کے قوانین ورسوم کی سنت جاری ہوتی ہے تو اس کے کچھ اسباب وعوامل اور طبیعی شرائط بھی ہوتے ہیں جو وہاں کی آب وہوا، وہاں کے ماحول اور وہاں کی زندگی کے اقتصاد کے مطابق ہوتے ہیں چنانچہ تحول وتکامل کا قانون جو طبیعت پر حکومت کر رہا ہے وہ ان اجتماعی مقررات میں بھی اثر انداز ہوتا ہے جو ایک طرح سے طبیعت کا خلق کردہ ہے اور جو مقررات عورت کے بارے میں جاری تھے وہ بھی اس کلی حکم سے مستثنیٰ نہ تھے وہ بشریت کی زندگی کی راہ میں تحول وتکامل کے ساتھ استکمال کی راہ طے کرتے رہے (لیکن بڑی سستی کے ساتھ)۔

معاشرہ میں عورت کی حیثیت اور اس کے تحول وتکامل کا تین مرحلوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

عورت ایک انسان نما جانور ہے

پہلا مرحلہ: عورت، بشریت کے بدوی (غیر متمدن) سماج میں انسانی معاشرہ کا جزء نہیں شمار ہوتی تھی اور اجتماع میں اس کی کوئی اہمیت وحیثیت نہ تھی عورت کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا تھا جو ایک زبان بستہ حیوان کے ساتھ انسان انجام دیتا تھا۔

انسان جب وحشی جانور کو اپنی خصوصی زندگی کے دائرہ میں لایا تو اس سے اپنے طبیعی مقاصد کو پورا کرنا چاہا اس نے استخدام واستثمار کی قدرت کے ذریعہ اپنی ضرورت کے مطابق اس سے خدمت لی اور اپنے انسانی منافع کی راہ میں اس کا مالک بن گیا چنانچہ اس کے گوشت پوست، اون، ہڈی، دودھ، خون، طاقت وتوانائی یہاں تک کہ اس کے مدفوعات سے بھی استفادہ کرنے لگا عین اس حالت میں کہ اس کو اپنے معاشرہ کے اندر جگہ دی اور اس کی تربیت بھی کر رہا ہے مگر اس کے لئے کسی قسم کے حق کا قائل نہیں۔

اگر انسان پالتو جانوروں کے لئے کھانے پینے اور جفت گیری کے وسائل واسباب فراہم کرتا ہے اور ان کی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے تو اس مقصد کے پیش نظر کرتا ہے کہ ان سے بہت سے منافع اور فوائد کی توقع رکھتا ہے انسان اس لئے یہ سب کام انجام نہیں دیتا کہ یہ سارے حیوان بھی انسان کی طرح ایسے زندہ موجودات ہیں جو شعور رکھتے ہیں اور کچھ حقوق کے مالک ہیں۔

اگر کوئی پالتو جانور کسی انسان کی خدمت میں مشغول ہے اگر اس کے اوپر کوئی ظلم ہوتا ہے یا کوئی شخص اسے کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو اس کی وجہ سے ظلم کرنے والے کا مواخذہ کیا جاتا ہے یا اسے سزا دی جاتی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ متجاوز وظالم نے حیوان کے مالک کے حقوق میں سے ایک حق کو ضائع کر دیا ہے اس طرح وہ ایک جرم کا مرتکب ہوا

ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس جانور پر ظلم ہوا ہے وہ بشریت کے معاشرہ میں کوئی حق رکھتا ہے۔

انسان اپنی زندگی میں آسودگی اور چین وسکون کے لئے روزانہ جو بہت سی کیمیاوی دوائیں استعمال کرتا ہے اس کے ذریعہ زمین اور ہوا کے اندر موجود کروڑوں مضر جراثیم اور حشرات کو نیست ونابود کر دیتا ہے وہ اپنے کھانے اور دوسری ضرورتوں کے لئے نہ جانے کتنے ملین چرند اور پرند کو فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اس کام میں اپنے لئے ذرا بھی جرم کا احساس نہیں کرتا۔

ابتدائی انسانوں کے معاشرہ میں عورت کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ تاریخ کے گوشہ وکنار سے اس کا اندازہ ہوتا ہے اور وحشی قوموں نیز آبادی کے اطراف میں رہنے والوں کے درمیان جو روش تھی ان کے باقی بچے ہوئے آثار سے یہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔

انسانیت کی عمر بہت طولانی (شاید کئی ملین سال کی) ہو چکی ہے جب کہ بشری معاشرہ کے اندر عورت کو ایک طفیلی سمجھا جاتا تھا اسے انسانی معاشرہ میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی معاشرہ کے اندر اس کے وجود کا فائدہ صرف یہ تھا کہ معاشرہ کی کچھ ضرورتیں اسی سے پوری ہوتی تھیں نہ یہ کہ وہ معاشرہ کے حقوق سے بہرہ مند ہوتی تھی، حقیر اور معمولی کام جیسے: قبیلوں کے سرد اور گرم علاقوں کی طرف کوچ کرتے وقت سامان کا حمل ونقل کرنا، ایندھن کا بندوبست کرنا، مچھلی کا شکار، مردوں کی خدمت انجام دینا، بچوں کی تربیت کرنا اور بیماروں کی عیادت نیز دیکھ بھال کرنا یہ سارے کام عورتوں سے متعلق تھے۔

عورت جب تک اپنے باپ یا کسی سرپرست کے گھر تھی نہ صرف یہ کہ کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ مرد کی خالص ملکیت تھی یہاں تک کہ اس کے خصوصی لباس اور زیورات کا بھی تعلق گھر کے رئیس سے ہوتا تھا اس کے بارے میں ہر قسم کا مواخذہ اور سزا کی کوئی رکاوٹ نہ تھی یہاں تک کہ اسے قتل کرنا بھی مباح تھا وہ بیچاری بخشش، قرض عاریہ اور نوازش کے عنوان سے دوسروں کے سپرد کردی جاتی تھی اور وہ جیسے ہی شوہر کے گھر قدم رکھتی تھی عام طور سے خرید وفروخت کے ذریعہ شوہر کے گھر منتقل ہوتی تھی۔ اس پرانی رسم وعادت میں سے ایک چیز آج بھی بعض جگہوں پر پائی جاتی ہے اور وہ ''شیر بہا'' ہے جب کہ باپ کے گھر میں اس سے اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے تھے وہ مرد کی شہوت رانی کا مرکز تھی جس سے جنسی شہوت کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔

آج بھی ہمارے متمدن معاشرہ کے گوشہ وکنار سے یہ بات سنائی دیتی ہے کہ ترقی یافتہ شہروں میں جس طرح پیشاب و پاخانہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے عام بیت الخلا ضروری ہے اسی طرح آب شہوت کو خالی کرنے کے لئے عمومی فاحشہ خانے (جسم فروشی کے اڈے) ضروری ہیں تا کہ جو لوگ شادی نہیں کر سکتے یا سفر میں ہیں یا دوسرے اسباب وعوامل کی وجہ سے وقتی طور پر عورت سے محروم ہیں اور ان کے اندر شہوت کا مادہ جمع ہو گیا ہے اسے باہر نکال سکیں۔ یہ انھیں پرانے لوگوں کے افکار وخیالات میں سے ہے جو آج بھی باقی ہے۔

گزشتہ معاشروں میں مرد کے لئے متعدد عورتوں سے شادی کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی برخلاف عورت کے اسی طرح طلاق کا اختیار صرف مرد کو تھا عورت کوئی حق اور اختیار نہ تھا، عورت ہمیشہ کسی مرد کی سرپرستی میں رہتی تھی وہ مطلق طور پر مرد کے تمایلات پر فدا تھی

یہاں تک کہ عام قحط کے زمانہ اور خصوصی میز بانی میں عورت کا گوشت کھایا جاتا تھا اور اس کے گوشت سے رنگ برنگ کے کھانے تیار کر کے مہمانوں کو پیش کئے جاتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی انسانوں کے معاشرہ میں عورت کی شکل صرف انسان کی تھی اس کے ساتھ ایک پالتو جانور جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا۔

عورت آزاد ہو کر بھی زنجیر میں!

دوسرا مرحلہ: معاشرہ میں عورت کی زندگی کی راہ میں ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں متمدن قوموں کے درمیان شرائع وقوانین رائج ہوئے جیسے: بابل میں حمورابی شریعت، قدیم روم اور قدیم یونان کے قانون اور مصر وچین اور قدیم ایران کے مقررات کہ یہ سب ایک مدنی قوانین کے مشابہ ہیں۔

یہ شرائع وقوانین اور مقررات اگر چہ آپس میں ایک دوسرے سے بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے درمیان ایک قدر جامع کا تصور کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ عورت کے انسانی معاشرہ کے اندر کچھ حقوق ہوتے ہیں اور اسے اس نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور انسان ہے جو اپنی زندگی گزارنے پر توانائی نہیں رکھتی ہے۔

ان معاشروں میں عورت کے لئے یہ تصور تھا کہ وہ ہمیشہ مرد کی سرپرستی نگرانی میں زندگی گزارے اور ہمیشہ کسی کے ماتحت رہے، اسے ذرا بھی استقلال حاصل نہیں ہے، نہ تو ارادہ میں کوئی استقلال ہے کہ اپنے سے زندگی میں کسی راہ کا انتخاب کرے اور نہ تمام تصرفات میں سے کسی تصرف میں وہ آزاد ہے اور نہ عمل میں کوئی استقلال ہے کہ بہت

سے اعمال میں سے کسی عمل کے نتیجہ کو اپنے سے مخصوص کرے اور کسی کام کے نفع کی مالک بنے یا کسی حق کی مستحق قرار پائے یا کسی پر کوئی دعویٰ دائر کرے یا قضاوت کے صالح مقامات پر کوئی گواہی دے یا دوسرے کو امر و نہی کرے۔

ان معاشروں میں جب تک عورت اپنے باپ کے گھر رہتی ہے باپ کی اطاعت گزار رہتی ہے اس کے لئے خصوصی طور پر باپ کی اطاعت ضروری ہوتی ہے باپ اس کے بارے میں جیسا بھی تصرف کرنا چاہے وہ نافذ ہے جس سے چاہے اس کی شادی کر دے جسے چاہے اٹھا کر بخش دے اور جیسی سزا چاہے اسے دے سکتا ہے۔

ان معاشروں میں عورت کی تقریباً ایسی قانونی خویشاوندی ہوتی تھی کہ نہ تو میراث پاتی تھی اور نہ اس کے لئے دوسرے خانوادگی حقوق تھے نہ مردوں کے ساتھ اور نہ دوسری عورتوں کے ساتھ اس کی صرف طبیعی خویشاوندی ہوتی تھی جس کی وجہ سے کبھی باپ، بھائی اور لڑکے سے شادی کرنا ممنوع ہوتا تھا۔

قدیم ایران میں محرم افراد سے شادی ہوتی تھی، چین اور ہمالیہ کے اطراف میں طبیعی قرابت صرف عورت کے ذریعہ تھی اور حسب و نسب اسی کے اوپر متمرکز ہوتا تھا جس کا نتیجہ کئی شوہروں کا ایک عورت پر اجتماع ہوتا تھا اور ابھی تک ان میں سے بعض لوگوں کے درمیان یہی رسم باقی ہے اور اولاد کا باپ دادا کے ذریعہ تعارف کرانے کے بجائے ماں اور نانی سے کرایا جاتا تھا اور وہ لوگ ماؤں کے ستون کو شمار کرتے ہیں۔

ان ملتوں اور قوموں کے درمیان عورت کسی ثروت کی مالک نہیں بنتی تھی مگر اس وقت جب سرپرست سے اجازت لے کر کوئی کام کرتی تھی یا شادی کر کے جب مہر پاتی تھی بشرطیکہ

سر پرست خود اس میں تصرف نہ کرے، عورت کی زندگی سر پرست کی کفالت اور اس کی نگرانی وولایت کے تحت بسر ہوتی تھی اسی لئے باپ یا شوہر کو ہر طرح سے یہ حق حاصل تھا کہ عورت کو جیسی سزا چاہیں دیں یہاں تک کہ اگر اس کے قتل میں مصلحت ہو تو قتل کر دیں۔

عورت کے لئے سب سے زیادہ دشوار وقت وہ ہوتا تھا جب وہ کسی بیگانہ مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی تھی یا ایام ماہواری میں ہوتی تھی ان حالتوں میں لوگ اسے ایک گندی شئی سمجھ کر اس سے دوری اور پرہیز کرتے تھے یا جب اس کے یہاں ولادت ہوتی تھی اور خاص طور سے جب لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اس کا برا حال رہتا تھا۔

اگر عورت کوئی اچھا کام انجام دیتی تھی تو اس کا نفع اور اس کی تعریف اس کے سر پرست کے نام لکھی جاتی تھی اور عورت کی نیکی کا بدلہ اس کے سر پرست کو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی برا کام انجام دیتی تھی تو خود وہی اس کی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی تھی اور سزا پاتی تھی۔

کبھی کبھی استثناء کے طور پر باپ اور اولاد، محبت کے ساتھ پیش آتے ہوئے یا شادی کی وجہ سے محبت کی بنا پر وصیت وغیرہ کے ذریعہ اسے کچھ مال دے دیتے تھے، یا زندگی میں اس کے حق میں بھی کچھ اہمیت کے قائل ہو جاتے تھے لیکن ہر صورت میں عورت کو اپنے ارادہ وعمل میں کوئی استقلال نہیں حاصل رہتا تھا۔

مثال کے طور پر ان مذکورہ قوموں کے درمیان عورت ایک کمسن بچہ کے مانند تھی جسے اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کی کوئی توانائی نہ تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے اولیاء کی سر پرستی میں زندگی بسر کرے کیونکہ کمسن بچہ اگر چہ انسان ہوتا ہے لیکن اس کی عقل کم

اوراس کاارادہ ناقص ہوتا ہے اگر وہ ارادہ یا عمل میں مستقل ہو جائے تو اجتماعی نظام کو مختل کر کے رکھ دے گا اور معاشرہ کے تمام افراد کو مفلوج کر کے چھوڑ دے گا اس لئے ضروری ہے کہ اپنے اولیاء کے ماتحت رہ کر زندگی بسر کرے اور بزرگوں کے حکم کے مطابق عمل کرے تا کہ آہستہ آہستہ تمرین وکوشش کے ذریعہ اپنے اندر معاشرہ کا ایک رکن بننے کی صلاحیت پیدا کر لے۔

ان قوموں کے درمیان عورت کو ایک قیدی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو غلامی کی حالت میں اپنی زندگی گزار رہی ہو اور ارادہ وعمل کی نعمت سے محروم ہو۔ ایک قیدی وغلام جو جنگ میں ایک فاتح دشمن کے ہاتھوں اسیر ہوتا ہے اگر چہ وہ انسان ہی ہوتا ہے اور اس کے اندر انسان کے تمام شرائط موجود ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایک فاتح وغالب معاشرہ کا دشمن ہے اگر اسے ارادہ وعمل میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ معاشرہ کی بنیاد کو منہدم اور انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا لہٰذا اسے ارادہ وعمل میں آزادی نہیں دینی چاہئے وہ ماتحت رہ کر ذلت ومملوکیت کی بیڑی میں جکڑا رہے اور غالب ہونے والا معاشرہ عام حالات میں اسے جدھر چاہے موڑ سکتا ہے۔

اسی طرح عورت اپنے شعور وادراک کے ضعیف ہونے کی بنا پر اور اپنے ہوس آمیز عواطف واحساسات کی بنا پر معاشرہ کی دشمن شمار ہوتی تھی اگر وہ اپنے مستقل ارادہ وعمل کے ساتھ معاشرہ میں آجائے تو پورے معاشرہ کو مفلوج کر کے رکھ دے گی اور آخر میں شرمندگی کے علاوہ کچھ اور ہاتھ نہ آئے گا۔

قدیم ترقی یافتہ ملتوں کے مشترک شرائع وقوانین اور ان کے مقررات کے لحاظ سے عورت کی حیثیت وہی تھی جو بیان کی گئی اور یہود ونصاریٰ کی دیانت کے لحاظ سے ان کی آسمانی

کتابوں (توریت وانجیل) کے مطابق جواس وقت موجود ہیں معاشرہ کے اندر عورت کی حیثیت تقریباً وہی ہے جو متمدن قوموں کے معاشرہ میں تھی کیونکہ اگر چہ توریت اور انجیل میں خواتین کے ساتھ نرمی اور مدارات کی سفارش وتاکید کی گئی ہے لیکن ان مقدس کتابوں کی ایک مسلم بات یہ ہے کہ عورت کبھی بھی مرد کے برابر نہیں ہوسکتی اور عورت کی اجتماعی و دینی حیثیت مرد کی اجتماعی ودینی حیثیت سے بہت کم ہے۔(۱)

غیر آسمانی تمام ادیان میں بھی عورت کے دینی اعمال کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے یا بالکل ہی اہمیت نہیں ہے۔

---

(۱) فرانس کی دینی انجمن نے ۵۸۶ء میں عورت کے موضوع پر بہت زیادہ بحث کرنے کے بعد اعلان کیا:
عورت انسان ہے لیکن وہ مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔
تقریباً سورسال پہلے تک انگلینڈ میں عورت کو انسانی معاشرہ کا جزء نہیں شمار کیا جاتا تھا۔
اسی طرح قدیم زمانہ کے اکثر ادیان، عورت کے عمل کو بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ قدیم یونان میں لوگ کہتے تھے:
عورت ایک ایسی گندی چیز کا نام ہے جسے شیطان وجود میں لایا ہے۔

عورت اور اسلام

تیسرا مرحلہ: (۲) اسلام نے عورت کو ایک انسانی فرد بتایا ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ تمام معنی میں انسانی معاشرہ کا ایک جزء ہے ایک انسان اپنے ارادہ وعمل کی تاثیر کے لحاظ سے بشری معاشرہ میں جو حیثیت پیدا کرسکتا ہے وہ ایک عورت بھی کرسکتی ہے۔

عورت کے بارے میں اسلام کے نظریہ کو سمجھنے کے لئے یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہم اس

وقت ایسے ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں جہاں سیاست کی مخالف ہوائیں اور پروپیگنڈوں کی متضاد و متبائن موجیں چل رہی ہیں جن سے اس قدر بے چینی، وحشت اور مرعوبیت پھیل چکی ہے کہ ہم سے صحیح غور و فکر کرنے کی صلاحیت کو چھین لیا ہے اور بجائے اس کے کہ ہمیں مستقل اور صحیح فکر کی پیروی کرنی چاہئے اس نے ہماری فطری منطق اور خداداد صلاحیت کو اندھی تقلید میں بدل دیا ہے۔ ایک طرف سے قرون وسطیٰ میں کلیسا کی بے رویہ اور ڈکٹیٹری روش اور بے منطق و زبردستی تعلیمات جو مسلسل کئی صدیوں سے چلی آرہی ہیں اور انھوں نے صحیح افکار کو زندہ زندہ قبر کے اندر دفن کر دیا ہے اور کروڑوں انسانوں کو بغیر کسی وجہ کے سخت سزا کے بعد مار ڈالا ہے اپنی بے بنیاد پارٹی کی حفاظت کے لئے اسلام کو اپنا سب سے خطرناک دشمن بتایا ہے اور اپنے ماننے والوں کے سامنے اسلام پر ہر قسم کی تہمت لگائی ہے، بہت ہی غلط طریقہ سے اس کا تعارف کرایا ہے اور اس دین پاک کے تمام حسین حقائق میں سے ہر حقیقت کو بہت خراب صورت میں پیش کیا ہے

---

(۱) اس حصہ کو بڑے اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ قوسین کی عبارت اگرچہ اصل کتاب میں متن کے ساتھ ہے لیکن اس کا حاشیہ میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔

یہاں تک کہ کلیسا کی زیادہ روی و گزاف گوئی اس حد تک بڑھ گئی کہ ادھر آخری صدیوں میں اہل یورپ نے جو اپنے اندر صنعتی تحریک کے ساتھ فکری استقلال دیکھا تو کلیسا کی جہانگیر قدرت کو تمام جگہوں سے سمیٹ کر اسے روم کے کلیسا کی چہار دیواری کے اندر منحصر کر دیا اور کئی صدیوں کے گزاف گوئی، بیجا حکمرانی اور کلیسا کے زبردستی عقیدہ کے ردالعمل نے ان کے افکار پر ایسا برا اثر ڈالا کہ وہ لوگ دینی حقائق کو صرف قدیم خرافاتی افسانہ سمجھنے لگے اور لفظ ''دین'' اور ''اندھی تقلید'' کو مترادف سمجھنے لگے جب وہ لوگ اپنے

مقدس آئین کو ایسا سمجھنے لگیں تو ظاہر ہے کہ دوسرے آئین منجملہ آئین اسلام کو بھلا کیونکر اچھا سمجھیں گے جب کہ اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں۔

دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ یورپی قوموں نے علمی اور ٹیکنالوجی ترقی کے ذریعہ جو ایک عجیب وغریب قدرت وطاقت حاصل کی ہے وہ اس کے ذریعہ سے دنیا کے دوسرے براعظم کو بھی اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں وہ اپنے سیاسی اثر ورسوخ کو اور اقتصادی سیاست کو ہر جگہ پھیلانے کے لئے تمام ممکن وسائل کے ذریعہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور وہ لوگ اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں چنانچہ انھوں نے دوسرے لوگوں کو اپنی علمی وعملی فضیلت کا معترف بھی بنالیا ہے اور یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ اگر یورپی زندگی کی روش کو چھوڑ دیا جائے تو پھر زندگی کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی اور گزشتہ لوگوں کے خرافات کی تقلید کے علاوہ کچھ اور نہیں رہ جاتا جب کہ گزشتہ افراد کے پاس نہ تو علم تھا اور نہ ہی ہوشیاری۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے: ہر باشعور انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی خداداد منطق کو چھوڑ دے اور بغیر کسی چوں چرا کے یورپی زندگی کے طور طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے خصوصی طور پر اس کی پیروی کرے۔

مغربی پروپیگنڈوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی ہے کہ جس جگہ کا نام ''دنیا'' رکھا جاتا ہے یہ وہی مغربی علاقہ ہے اور جسے ''انسان'' کہا جاتا ہے یہ وہی مغربی انسان ہے اور وہ زندگی کہ جس کی انسانی سعادت مرہون منت ہے یہ وہی یورپی زندگی ہے اسی ترقی کو دیکھ کر ہمارے روشن فکر افراد کا کہنا ہے: ہمارے قدیم اجتماعی مقررات اور دینی احکام آج کل کی دنیا کے مطابق نہیں ہیں ہمیں تو ایسے قوانین کی ضرورت ہے جو دنیا پسند ہوں آج متمدن دنیا میں فلاں سلیقہ وطریقہ سے کام لیا

جارہا ہے۔(۱)

ایک دوسری مشکل یہ بھی ہے کہ مکمل تلخی کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ اپنے اندرونی اختلافات اور ہزار سالہ تضاد نیز اپنے حکمرانوں کی خود خواہی اور ان کی ہوسرانی کی وجہ سے ہم نے اپنا فکری استقلال مکمل طور پر کھودیا ہے، آزادی کے ساتھ غور و فکر کرنے اور خداداد منطق وصلاحیت کو کچھ قومی تعصّبات اور خواہ مخواہ کے جمود وخمود میں بدل دیا ہے۔

ان عوامل کے اجتماع نے جو نتیجہ دیا اور ہمارے اندر جو اثر چھوڑا وہ یہ تھا کہ فکر وعقل کی آزادی کے نام پر اور تقلید کے شرائط کو نظر انداز کر کے اپنی خداداد منطق کو دور پھینک دیا اور مغربی لوگوں کی چشم بستہ تقلید شروع کر دی اور ہم نے ان کی رفتار وگفتار کی پیروی کرنے کے علاوہ کسی دوسری راہ کو اختیار ہی نہ کیا۔

---

(۱) ان جملوں میں ''دنیا'' سے مراد ''مغرب'' اور ''دنیا والوں'' سے مراد ''مغربی افراد ہیں۔ مثل سابق اس عبارت کا حاشیہ میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔

ان میں سے بعض عیوب یہ ہیں کہ ہم نے حقائق کی توضیح، معنویات کی تفسیر اور اپنے اندرونی معارف کی شرح کو بھی انھیں لوگوں سے اخذ کیا اور اپنی خصوصی معلومات کو انھیں سے سیکھا جب کہ ہمارے اسلامی حقائق کے بارے میں ان لوگوں کی معلومات وہی پرانے خیالات اور قرون وسطیٰ کے برے افکار ہیں یا مستشرقین کی عجیب وغریب تحقیقات ہیں اور وہ ایسی ہیں کہ ان دانشمندوں کے نوشتہ جات کی تحقیق کرنے کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانہ کے رائٹر افراد اور عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں پر سیکڑوں درود وسلام بھیجنا

چاہئے۔

وہ مستشرقین لکھتے ہیں: ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات رسال کی عمر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی! جناب عمر کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو خلافت ملی! کاظمین شہر میں شیعوں کے گیارہویں امام مدفون ہیں! وغیر وغیرہ۔''

دایہ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے کہ منطق اور سلیقہ کے لحاظ سے انھوں نے اسلام میں عورت کی اجتماعی حیثیت کا تعارف کرایا ہے کہ اسلام میں عورت ایک قیدی کے مانند ہوتی ہے اور وہ مکمل طور سے تمام اجتماعی حقوق سے محروم رہ کر زندگی بسر کرتی ہے، اسے ارادہ وعمل میں آزادی نہیں حاصل ہے، گواہی اور میراث میں اس کی اہمیت ایک مرد کے نصف ہے (اور وہ بھی صرف برائے نام ہے عملاً نہیں) عورت کو ہمیشہ گھر کے اندر قیدی بن کر رہنا ضروری ہے، اسے تعلیم سے بھی محروم رہنا چاہئے اگر کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے تو اسے ایک سیاہ چادر میں ملبوس ہو کر نکلنا چاہئے تا کہ اس کے نشیب وفراز ظاہر نہ ہوں۔

ان حالات اور ان کے مفاسد کو ملاحظہ کرتے ہوئے ہماری شرعی ذمہ داری روشن ہو جاتی ہے کہ ہمارے لئے جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اور دین کے دوسرے بنیادی مسائل کے سلسلہ میں اسلام کی نظر کی توضیح وتشریح بیان کریں، ادھر ادھر دوڑ دھوپ نہ کریں، ان کی ان کی باتیں نہ سنیں بلکہ آزاد فکر اور اپنی خداداد منطق کے ذریعہ دینی بیانات کے متن کی طرف مراجعہ کریں اور ایک دوسرے سے ان حقوق کے جو روابط ہیں اور ان کے اساسی اصول کو جہاں تک ممکن ہے ان سب کو حاصل کریں۔

اسلامی قوانین کی عمومی بنیادیں

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسان کا جو امتیاز ہے اور انسان کی جو خصوصیت ہے کہ اسے ہر جانور سے تمیز دیتی ہے وہ اس کی غور و فکر کی صلاحیت ہے وہ اپنے حواس کے تمام اجزاء کو تعمیم دیتا ہے اور انھیں کلی معلومات کے ذریعہ انھیں خاص طریقہ سے منظّم کر کے ایک کلی نتیجہ حاصل کرتا ہے اور اس سے نامعلوم چیزوں کو کشف کرتا ہے۔

اگر چہ انسان کے اندر بہت سے اندرونی احساسات اور داخلی عواطف ہیں جن سے اپنی زندگی کی راہ میں بہت سے اچھے اچھے فائدے اٹھاتا ہے لیکن ایک زندہ انسان کی جو خاصیت ہے اس کے مطابق اسے چاہیئے کہ وہ اپنی عقل و فکر کو بہ طور منظّم بہ روئے کار لائے ورنہ دوسرے تمام حیوانات کے اندر بھی یہ سارے عواطف و احساسات موجود ہیں بلکہ بہت سے جانوروں میں بہت سی جہتوں سے انسان سے بدرجہا زیادہ قوت موجود ہے اور وہ اس اعتبار سے انسان سے آگے ہیں۔

قرآن کریم نے بہت سی آیات میں انسان کو عقل جیسی نعمت عطا کرنے کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا کہ انسان اپنی عقل اور اپنے حواس کا ذمہ دار ہے:

"هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ کُمْ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصٰرَ وَ الْاَفْئِدَةَ."

وہی وہ خدا ہے جس نے تم کو عدم سے وجود عطا کیا اور تمھیں آنکھ، کان اور عقل دی۔(۱)

"اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً."

بارگاہ الٰہی میں آنکھ، کان اور عقل یہ سب ذمہ دار ہیں۔(۲)

اسی اصل کے لحاظ سے انسانی معاشرہ کو جو خاص کر انسان کا مولود اور اس تنومند مخصوص درخت کا پھل ہے اسے عقل وفکر کی خاصیت سے وابستہ کیا ہے اور اجتماعی مقررات و قوانین کو عقل سلیم کی تشخیص سے مربوط جانا ہے اور اسے عواطف واحساسات کے اوپر نہیں چھوڑا ہے۔

نتیجہ میں ان احکام وقوانین کو معاشرہ کے اندر عملی ہونا ضروری سمجھتا ہے جن کی تشخیص عقل کرتی ہے چاہے وہ معاشرہ کے اکثر افراد کی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ انسان کو چاہئے کہ اپنی سعادت کی راہ میں اس غرض ومقصد کو پیش نظر رکھے جس کو اس کی نوعیت کا ضمیر (عقل وخرد) نقطۂ سعادت بتائے نہ کہ اس چیز کو کہ جسے حیوانی عواطف پسند کریں۔

"یَھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ."

---

(۱) ملک (٦٧):۲۲۔

(۲) اسراء (۱۷):۳٦۔

قرآن کریم لوگوں کو حق اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔(۱)

"وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَھْوَآءَ ھُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ."

اور اگر حق ان کی ہوس آمیز، دل خواہ باتوں کی پیروی کرنے لگے تو آسمان وزمین کے سارے امور مختل ہوکر رہ جائیں گے۔(۲)

اسلامی تشخیص یہ ہے کہ انسانیت ایک ممتاز نوع ہے اور مرد اور عورت دونوں انسان ہیں

اگر چہ نر اور مادہ ہونے میں دونوں الگ الگ ہیں لیکن انسانیت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ انسان کی ہر فرد کو چاہے وہ مرد ہو یا عورت نر ہو مادہ، دونوں مل کر اپنے تناسل کے ذریعہ وجود میں لاتے ہیں۔

"اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عٰمِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی بَعۡضُکُمۡ مِّنۡ بَعۡضٍ."

میں تم میں سے کسی مرد اور عورت کے عمل کو قطعاً ضائع نہیں کروں گا تم میں سے بعض بعض سے ہیں۔(۳)

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡۤا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ."

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مذکر اور ایک مونث سے پیدا کیا ہے اور تمھیں شعبہ شعبہ

---

(۱) احقاف (۴۶):۳۰۔

(۲) مومنون (۲۳):۷۱۔

(۳) آل عمران (۳):۱۹۵۔

اور قبیلہ قبیلہ قرار دیا ہے تا کہ آپس میں آشنائی پیدا کرو (ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو) خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔(۱)

اسی اصل کے لحاظ سے اسلامی شریعت نے عورت کو بھی مرد کے مانند انسانی معاشرہ کا جزء کامل قرار دیا ہے اور دونوں کو برابر متشارک جزء بتایا ہے اور عورت کے لئے بھی ارادہ و عمل کی آزادی کی تشریع کی ہے جیسا کہ مرد کے لئے بھی اسی حق کو قرار دیا ہے لیکن یہ ضرور

معلوم رہے کہ معاشرہ کے کسی فرد کے جزء کامل ہونے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ معاشرہ کے ایک جزء یا ایک فرد کی جو خاصیت وخصوصیت ہے وہی خاصیت وخصوصیت دوسرے فرد کی بھی ہو کیونکہ جزئیت کو فرض کرتے ہوئے اجتماعی وزن میں افراد واجزاء کا اختلاف ہوتا ہے اور یہ ان کے اجتماعی حقوق میں تفاوت کا باعث بنتا ہے تاریخ اس بات کی گواہی دے رہی ہے اور مشاہدہ بھی یہ بتا رہا ہے کہ ہمیشہ تاریخ انسانیت میں بہت سے معاشرے تھے اور مرد بھی اس کا جزء تھے ان تمام چیزوں کے باوجود ایک تعلیم یافتہ انسان کو جو رتبہ و درجہ دیا گیا کبھی بھی وہ کسی نادان کو نہیں دیا گیا اور ایک تجربہ کار و توانا مرد کے جو وظائف تھے اسے کسی بے تجربہ اور ناتواں انسان کو سپرد نہیں کیا گیا، نیز اسی طرح ظالم و متخلف، نکمے ولاپرواہ کو کسی عادل و پرہیزگار کی جگہ پر نہیں بیٹھایا گیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کو قانون کے لحاظ سے برابر ہونا چاہئے لیکن یہ مساوات اور برابری صرف قانون جاری ہونے کے لحاظ سے ہے نہ کہ وزن اجتماعی اور مقررہ حقوق میں مساوات برقرار کرنے کے لحاظ سے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ جس معاشرہ میں سارے

---

(۱) حجرات (۴۹): ۱۳۔

امیر و مامور، چھوٹے اور بڑے، عقلمند و نادان، صاحبِ عقل و بے عقل اور ظالم و پرہیزگار تمام اجتماعی خصوصیات میں برابر ہوں اور معاشرہ اپنی راہ پر گامزن رہے وہ منہدم و متلاشی نہ ہو؟

بنا برایں انسانی معاشرہ میں رکنیت کا اصل ہونا ایک بات ہے اور رکنیت کی کیفیت ایک دوسری بات ہے اس کو ایک دوسرے سے نہیں ملانا چاہئے اور انسانی معاشرہ کے حال کا

مکمل طور سے لحاظ رکھنے کا لازمہ یہ ہے کہ اس کے تمام اعضاء میں اجتماعی عدالت کی رعایت کی جائے اور ہر شخص اپنے استحقاق کے لحاظ سے حقوق سے بہرہ مند ہو۔

اسلام میں عورت کی حیثیت

جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دنیا کے نیلگوں افق سے خورشید اسلام کے طلوع کرنے سے پہلے نیز دنیا اور دنیا والوں پر اپنی نور افشانی کرنے سے پہلے دنیا دو اہم گروہوں میں تقسیم تھی: متمدن قوموں جیسے روم کی عظیم شہنشاہیت، ایران کی شاہنشاہی حکومت اور اسی طرح دوسری قومیں جیسے مصر، حبشہ و ہندوستان اور چین ان تمام معاشروں میں عورت ایک قیدی کی حیثیت رکھتی تھی یعنی وہ اس انسان کے مانند تھی جو اپنے ارادہ و عمل میں آزاد نہ تھا وہ معاشرہ کے عمومی خصوصیات سے مکمل طور سے محروم تھی، میراث نہیں پاتی تھی، اس کے عمل کا کوئی احترام نہیں تھا، وہ خوراک و پوشاک، مکان، شادی وطلاق، معاشرت کے تمام اقسام نیز اموال اور دیگر امور میں آزادی اور استقلال نہیں رکھتی تھی، اسے سانس لینے اور قدم اٹھانے میں بھی مرد سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی تھی اور اگر اس کے اوپر ظلم ہوتا تھا تو مرد لوگ اس کی طرف سے دعویٰ دائر کرتے اور شکایت کرتے تھے نیز عورت کی شکایت اس کی گواہی بلکہ اس کی کسی بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

دوسرا گروہ بچھڑی ہوئی قوموں کا تھا جیسے افریقہ میں بسنے والے اور آباد سرزمینوں کے اطراف واکناف میں سکونت اختیار کرنے والے افراد چنانچہ ان قبائل واقوام کے درمیان عورت اصلاً انسان ہی نہیں شمار ہوتی تھی بلکہ اسے معاشرہ کا ایک طفیلی سمجھا جاتا تھا اسے ان جانوروں کی صف میں تسلیم کیا جاتا تھا جن سے خدمت لی جاتی تھی، وہ بوجھ

اٹھاتی تھی، شکار کرتی تھی، مردوں کی خدمت، بچوں کی تربیت اور بیماروں کی عیادت اور دیکھ بھال کرتی تھی، شوہر اور دوسرے لوگوں کی آتش شہوت کو خاموش کرتی تھی اور کبھی قحط کے زمانہ میں یا باشکوہ دعوت میں اس کا گوشت پکایا جاتا تھا۔

یہ تھی اس زمانہ کی دنیا کی عمومی حالت چنانچہ ایسے ماحول میں اسلام کا ظہور ہوا جس کا خصوصی محیط عربستان تھا جہاں کے لوگ عام طور سے بادیہ نشین تھے مگر اس کے باجود بھی وہاں کے لوگ باہر سے روم، ایران وحبشہ اور مصر کی عظیم قوموں کے ساتھ حصار میں تھے اور اندر سے یثرب اور اس کے اطراف کے یہودیوں نیز یمن وعراق کے نصرانیوں کے ساتھ معاشرت کرتے تھے اور ان کے اکثر افراد ثنویت (دوگانہ پرستی) کے قائل تھے۔ ان لوگوں کی زندگی کے رسم ورواج ان ساری قوموں کے رسم ورواج اور ومقررات سے بہت زیادہ متاثر تھے اور کسر وانکسار کی وجہ سے سب کا ایک طریقہ بن گیا تھا جس میں ہر طریقہ کے بہت سے نمونے تھے۔

اسی ترتیب سے روم وایران اور دوسری قوموں نے بھی عورت کو تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا اور ہمیشہ اسے مرد کی سرپرستی میں رکھا مرد کو ہر طرح کی آزادی تھی لیکن عورت کا معاشرہ کے اندر کوئی احترام نہیں تھا۔

اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ان بدولوگوں کا اخلاق یہ تھا کہ وہ لوگ بنیادی طور پر عورت کو عیب سمجھتے تھے وہ لڑکی سے نفرت کرتے تھے انھیں لڑکی بہت بری لگتی تھی یہاں تک کہ قبیلہ بنی تمیم لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا تھا جیسا کہ قرآن کریم نے ایک مخصوص لہجہ کے ساتھ ان دونوں باتوں کو بیان کیا ہے:

"وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدّاً وَ هُوَ کَظِیْمٌ."(۱)

اور جب ان میں سے کسی کولڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا تھا اور وہ غصہ میں ہو جاتا تھا۔

"یَتَوٰرٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَابُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی هُوْنَ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ."(۲)

اسے جو بری خبر دی جاتی تھی اس کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا تھا کیا اس خبر سے وہ ہمیشہ ذلت ہی میں رہے گا یا اسے مٹی کے اندر دھنسا لے گا آگاہ ہو جاؤ یہ لوگ کتنا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

"وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ". (۳)

---

(۱) نحل (۱۶):۵۸۔

(۲) نحل (۱۶):۵۹۔

(۳) تکویر (۸۱):۸۔۹۔

قیامت کے دن جس لڑکی کو زندہ دفن کیا گیا ہے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس جرم و گناہ میں اسے قتل کیا گیا ہے؟

ایسے ماحول میں جس کی توصیف کی گئی اسلام نے عورت کو انسانی معاشرہ کا جزء حقیقی اور عضو کامل قرار دیا ہے اور اسے قید سے آزادی بخشی ہے، اسے ارادہ و عمل کی آزادی عطا کی ہے عورت بھی مرد کی طرح اس ثروت میں شریک ہوتی ہے جسے گزشتہ لوگ میراث کے

طور پر چھوڑتے ہیں، وہ ماں باپ، بھائی، چچا، ماموں، شوہر اور دوسرے رشتے داروں کی میراث پاتی ہے، وہ ہر جائز کام اور اچھی زندگی کے لئے کوئی راہ انتخاب کر سکتی ہے، اس کے عمل کا معاشرہ کے اندر احترام ہے، اہمیت ہے، وہ اپنا حق لینے کے لئے براہ راست عدالت میں جا کر شکایت کر سکتی ہے، اپنے حق کے بارے میں ظلم و تجاوز کی صورت میں دعویٰ دائر کر سکتی ہے اور گواہی بھی دے سکتی ہے۔ ان سارے امور میں کہ جن سے عورت کی زندگی کے تمام مراحل مکمل ہوتے ہیں ان میں عورت کے اوپر کسی قسم کی ولایت و سرپرستی زبردستی نہیں ہے۔

"فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ."

جب تک خواتین شریعت کے حدود میں رہ کر کوئی کام انجام دیں اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہے وہ اس میں آزاد ہیں۔(۱)

"وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ."

اور مردوں کی طرح عورتوں کا بھی والدین اور رشتے داروں کے ترکہ میں حصہ ہے چاہے

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۳۴۔

کم ہو یا زیادہ۔(۱)

حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت اس طرح کی جزئیات پر ہے یہاں پر ان تفصیلات کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عورت اور مرد کے حقوق میں برابری

❁ میراث کے مسئلہ میں: عورت سب کچھ ملا کر مرد کی آدھی میراث پاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' مرد کا حصہ دوگنا ہے۔(۲)

اس مرحلہ میں اگر چہ عورت کا درجہ مرد سے نیچے ہے لیکن دوسرے موارد میں اس کمی کا تدارک کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نفقہ یا عورت کے سارے اخراجات کی ذمہ داری مرد کے اوپر ہے۔

اس قانون گزاری میں اسلام کے بنیادی نظریہ کی دوسری راہ سے تحقیق کر کے حقیقی مقصد تک پہنچنا چاہئے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عورت کے اندر جو عاطفہ واحساس کی روح ہے وہ روح تعقل پر غالب ہے اور عورت کے تمام احوال واعمال میں طرح طرح کے لطیف عواطف واحساسات کا جلوہ نمایاں رہتا ہے اور مرد طبیعت کے لحاظ سے ٹھیک اس جذبہ کے مد مقابل ہے اور جیسا کہ شروع میں اس بات کی طرف متنبہ کر دیا گیا ہے اسلام، انسانی معاشرہ کے امور کی تنظیم میں تعقل کو عواطف واحساسات پر ترجیح دیتا ہے۔

---

(۱) نساء(۴):۷۔ (۲) نساء(۴):۱۱۔

اگر ہم ایک کلی نظریہ کے ساتھ انسانی معاشرہ پر نظر ڈالیں تو ہر زمانہ میں دنیا کی موجودہ ثروت ودولت اسی زمانہ کے لوگوں کے لئے رہتی ہے جب تک وہ لوگ زندہ رہتے ہیں اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور وفات کے بعد اپنے رشتے داروں (طبقات تالیہ) کے لئے میراث کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں اور جیسے ہی موجودہ طبقہ کا خاتمہ ہوتا ہے وہ طبقہ جو باقی رہ گیا ہے کہ جس میں عام طور سے عورت اور مرد سبھی موجود ہوتے ہیں وہ آجاتا ہے

اس میں سے دو تہائی مردوں کا ایک تہائی عورتوں کا ہوتا ہے اور چونکہ عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوتا ہے ایک تہائی ثروت جو عورت کے لئے ہوتی ہے وہ مردوں کے تصرف سے خارج ہوتی ہے اور مردوں کا دو تہائی حصہ مرد اور عورت کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوتا ہے نتیجہ میں دنیا کی دو تہائی دولت عورتوں کے قبضہ میں چلی گئی اور ایک تہائی مردوں کے قبضہ میں رہی جیسا کہ معکوس نسبت پائی جاتی ہے: ''وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.''(۱)

کچھ ایسے احکام ہیں جو خواتین کے نفع میں تشریع ہوئے ہیں وہ ان احکام کے معادل ہیں جو ان کے ضرر میں ہیں۔

اس تقسیم کے لحاظ سے مرد مالکیت و مدیریت اور تربیت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ ثروت پر قبضہ جمائے ہوئے ہے اور سب کا ذمہ دار وہی ہے اور عورت تصرف واستعمال اور بہرہ مندی کے لحاظ سے ثروت کے قابل ملاحظہ حصہ پر قبضہ جمائے ہوئے ہے اور اس سے بہرہ مند ہے، اب عدالت اجتماعی کا تقاضا صرف یہی ہے کہ ثروت کی

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۲۸۔

حفاظت کی ذمہ داری صاحبِ عقل انسان کے سپرد کی جائے اور اس سے بہرہ مندی کے لئے عواطف واحساسات رکھنے والی خواتین کو اجازت دی جائے۔

❁ **عمل کے احترام اور مالکیت کے سلسلہ میں:** اسلامی نقطۂ نظر سے عورت اپنی کمائی اور اس میں تصرف کرنے میں مکمل طور سے مستقل ہے اس کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں

ہے اور نہ تو اس میں اس کو مرد کی ولایت وسرپرستی کے ماتحت رہنے کی ضرورت ہے بلکہ وہ ارادہ وعمل میں ایک دم آزاد ہے۔

❁ **اجتماعی جائز روابط اور بہترین معاشرت کے سلسلہ میں:** عورت، مرد سے ذرّہ برابر بھی فرق نہیں رکھتی ہے بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ آزاد ہے کہ زینت وخود نمائی اور عشوہ گری نہ کرے، مردوں کی شہوت نہ بھڑکائے: ''فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''۔(۱)

❁ **اعمال اور دینی خصوصیات کے سلسلہ میں:** اسلام کی نظر میں دونوں کا درجہ صرف کرامت واحترام کی وجہ سے الگ الگ ہے ورنہ عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے:

''اِنِّی لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عٰمِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ''.(۲)

''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''۔(۳)

جب کسی طبقہ میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ ہو تو اسلام نے صرف تقویٰ اور دینی خدمات کو

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۳۴۔ (۲) آل عمران (۳): ۱۹۵۔

(۳) حجرات (۴۹): ۱۳۔

معیار قرار دیا ہے پھر اس مرحلہ میں عورت اور مرد میں کوئی فرق ہی نہ رہے گا پس ایک متقی و پرہیز گار عورت بے تقویٰ اور غیر پرہیز گار ہزاروں مردوں سے زیادہ محترم اور مقدم ہوگی۔

❁ **نکاح اور شادی کے سلسلہ میں:** عورت آزاد ہے وہ جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے

لیکن چونکہ میراث اور شادی کے موازین، نسب کی بنیاد پر استوار ہیں لہٰذا جب عورت ایک مرد سے شادی کر لے تو کسی طرح بھی دوسرے شوہر یا مرد کے ساتھ ہم فراش نہیں ہوسکتی جب کہ مرد ایک سے زیادہ کئی عورتوں سے ایک ہی وقت میں شادی کر سکتا ہے البتہ اس شرط کے ساتھ کہ اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدالت برقرار کر سکتا ہو۔

البتہ یہ معلوم رہے کہ اسلام نے کئی عورتوں سے شادی کرنے کو واجب نہیں قرار دیا ہے بلکہ صرف اجازت دی ہے کہ مرد ایک سے زیادہ چار عورتوں تک سے شادی کر سکتا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ان تمام بیویوں کے درمیان مساوات اور عدالت برقرار کرے اور ایسے حکم کے لئے صرف مناسب وقت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اسے ایسا ہونا چاہئے کہ عورتوں کی کمی کی وجہ سے اور مردوں کی زیادتی کی وجہ سے معاشرہ کے اندر جو نظم ہے وہ مختل نہ ہو اور ہرج و مرج لازم نہ آئے۔ یہ چیز مردوں کی جانب سے بالکل واضح ہے کیونکہ رہائش اور بیوی نیز اولاد کے تمام اخراجات کی ذمہ داری مردوں کے اوپر عائد ہوتی ہے اور ان کے لئے عدالت سے کام لینا شرط ہے لہٰذا متعدد عورتوں سے شادی کرنا صرف گنے چنے افراد کے لئے ممکن ہو سکے گا سب کے لئے ممکن نہ ہوگا اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ طبیعت اور خارجی حوادث ہمیشہ ایسی عورتیں پیدا کرتے رہتے ہیں جن کے اندر شادی کی صلاحیت رہتی ہے اور ان کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔

یہ بات بالکل صحیح و منطقی ہے بشری معاشرہ کی طبیعت میں اور غیر مترقبہ حوادث جو پیش آجاتے ہیں ان میں غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسانی معاشرہ میں عورت اور مرد کی تعداد برابر ہے (جیسا کہ اکثر و بیشتر اعداد و شمار سے یہی اندازہ لگایا گیا ہے) اگر ہم کسی ایک سال کو معین کر لیں پھر اس سال اور اس

کے بعد کے برسوں میں پیدا ہونے والے بچے اور بچیوں کو الگ الگ جمع کرتے رہیں جس پہلے سال میں کچھ لڑکے طبیعی یا قانونی حد بلوغ کو پہنچیں تو ان سے کئی گنا زیادہ وہ لڑکیاں ہوں گی جن کے اندر شادی کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہوگی وہ مردوں کی سات گنا ہوں گی اور پھر تیسویں برس میں عورتوں کی تعداد مردوں کی بہ نسبت گیارہ سے پانچ تک ہو جائے گی اور پچیسویں سال میں جو عام طور سے شادی کا سال ہوتا ہے ۱۶/ کی بہ نسبت ۱۰/ ہو جائے گی اور اگر اس صورت میں ان مردوں کی تعداد کا اندازہ لگائیں جن کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں ہیں انھیں ایک پنجم فرض کریں تو ۸٪ مردوں کے پاس ایک بیوی ہوگی اور ۲۰٪ کے پاس چار بیویاں ہوں گی اور پھر تیسویں سال میں ۲۰٪ مردوں کے پاس تین بیویاں ہوں گی۔

دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ عام طور سے صرف کچھ ہی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے اندر پچاس/رسال کے بعد تولید کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جب کہ عام طور سے مردوں کے اندر زندگی کے آخری ایام تک تولید مثل کی صلاحیت موجود رہتی ہے اگر معاشرہ کے اندر عورت اور مرد کی تعداد برابر ہو جائے اور مرد کے اوپر یہ پابندی لگا دی جائے کہ وہ صرف ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے تو پھر برابر یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ بہت سے افراد کی صلاحیت ضائع ہوتی رہے گی۔

ان باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ ہمیشہ ایسے طبیعی حوادث جو خلاف توقع رونما ہوتے رہتے ہیں جیسے خانمان سوز جنگوں اور خطرناک و مشقت آمیز امور میں لاتعداد مرد لوگ ہلاک ہوتے رہتے ہیں بہت سی عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور بہت سی لڑکیاں شادی کے لائق ہوتی ہیں تو ان تمام صورتوں میں اگر متعدد بیویوں سے شادی

کرنے کو منع کر دیا جائے تو عفت و پاکدامنی کی بنیاد منہدم ہو جائے گی اور بہت سے حرام زادے بچے پیدا ہو جائیں گے جیسا کہ دو آخری عالمی جنگوں نے اس حقیقت کو بڑی اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جرمنی میں بے شوہر خواتین نے حکومت سے یہ درخواست کی کہ اسلام میں جو قانون ہے اس کے مطابق یہاں پر بھی متعدد عورتوں سے شادی کرنے کا قانون نافذ کیا جائے تا کہ بے شوہر عورتوں کی مشکل دور ہو سکے مگر کلیسا نے مخالفت کر کے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔

یہ واقعہ خود بہترین دلیل ہے کہ عام طور سے عورتیں جو یہ مخالفت کرتی ہیں کہ ایک آدمی کے متعدد بیویاں نہ ہوں تو یہ صرف ان کی عادت کا تقاضا ہے کیونکہ ان کی طبیعت اور فطرت کے مطابق اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور یہ اس اعتراض کا محکم جواب ہے جو اس اسلامی حکم پر کیا جاتا ہے:

اسلام میں جو متعدد زوجات کا حکم ہے اس سے معاشرہ کی خواتین کے عواطف و احساسات کو ٹھیس لگتی ہے، ان کے دل افسردہ و رنجیدہ ہوتے ہیں، ان کے اندر انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے پھر بہت سے ناگوار حادثات رونما ہونے لگتے ہیں کیونکہ ان واقعات اور ان کے مانند دوسرے واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ضرورت پڑتی ہے اور شوہر کی کمی کا احساس ہوتا ہے تو یہ سارے مخالف افکار، موافق افکار میں بدل جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد زوجات کا طریقہ اسلام سے پہلے کسی خاص عدد میں محدود نہ تھا اور اسلام میں اس کی ایک مخصوص تعداد ہے اس پر ایک طولانی عرصہ تک عمل ہوتا رہا ہے، اس سے کبھی معاشرہ کے نظام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوا ہے اور نہ تو ہرج و مرج لازم ہے اور جو خواتین شادی شدہ مردوں سے دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی کے عنوان سے شادی کرتی

تھیں وہ زمین سے نہیں اُگتی تھیں یا آسمان سے نہیں گرتی تھیں بلکہ وہ بھی انھیں خواتین میں سے تھیں جن کے بارے میں معترض کا عقیدہ ہے کہ وہ طبیعت وفطرت کے لحاظ سے تعدد زوجات کی مخالف تھیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام نے متعدد بیویوں سے شادی کرنے کو واجب نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ مردوں کے لئے بے انصافی کا خوف نہ ہو اور وہ عدالت وانصاف کے ساتھ عمل کر سکتے ہوں، ان ساری چیزوں کے باوجود اسلامی فقہ میں کچھ ایسے طریقے بھی بتائے گئے ہیں جن کے ذریعہ عورت اپنے شوہر کو دوسری عورت سے شادی کرنے سے روک سکتی ہے یا اس صورت میں شوہر کو اپنے لئے طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے یہی بات طلاق میں بھی ہے جب کہ شریعت کے اصل قانون کے مطابق طلاق کا اختیار شوہر کو ہے مگر پھر بھی عورت کچھ طریقوں کو اختیار کر کے مرد سے طلاق لے سکتی ہے (یا پہلے سے ضرورت کے موارد کو بتا دے) پھر انھیں طریقوں کو اپناتے ہوئے اپنے لئے اس حق کو محفوظ رکھے، اپنے دل کو خوش رکھے اور خیال کو آسودہ رکھے۔

شادی کی دنیا میں طلاق کی تشریع اور اس کا اختیار مرد کو دینا اصل تشریع کے لحاظ سے یہ صرف دین مقدس اسلام کے خصوصی افتخار میں سے ہے (اگر چہ عورت بھی کچھ مخصوص طریقوں کے ذریعہ غیر مستقیم طریقہ سے طلاق لے سکتی ہے)۔

متمدن قوموں اور دنیا کی قانونی حکومتوں نے بہت زیادہ رنج ومشقت اور طولانی کشمکش کے بعد آخر کار مجبور ہو کر طلاق کو قانونی ہونے کا اعلان کر دیا ہے مگر پھر بھی چونکہ انھوں

نے طلاق کا اختیار براہ راست مرد اور عورت دونوں کو دیا ہے جس کی وجہ سے ہر سال طلاق کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے (خاص طور سے خواتین ہی زیادہ تر طلاق کی درخواست کرتی ہیں) مذکورہ طلاقوں سے حکومتوں کے اندر ایک خلفشار پیدا ہو گیا ہے اب وہ لوگ اس کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ خاص طور سے خواتین طلاق لینے کے لئے جو دلیلیں پیش کرتی ہیں اور عمومی مطبوعات واخبارات میں ان کی جو گزارشات نشر ہوتی ہیں اس سے اسلامی نظر کی متانت سورج سے بھی زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

ذمہ داری، عقل یا احساس کو سپرد کریں؟

جیسا کہ گزشتہ بحثوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ زندگی کے مختلف معاملات اور اجتماعی امتیازات میں اسلام کی نظر میں عورت، مرد سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہے وہ تمام حالات میں مستقل ہے، اپنے ارادہ وعمل میں مختار ہے اور وہ مرد کی ولایت وقیمومیت کے ماتحت نہیں ہے یہاں پر جو بات بالکل یقینی ومسلم ہے وہ یہ کہ فراش کے مسئلہ میں عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت واجب ہے۔

عورت جو سراپا مہر ومحبت رکھتی ہے اسلام نے اس کے لئے جہاں پابندی لگائی ہے وہ تین تعقلی چیزیں ہیں جن کی ذمہ داری اسلام نے تعقل (مرد) کے سپرد کی ہے تا کہ عاطفہ واحساس سے الگ ہو جائے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں: حکومت، قضاوت اور جہاد۔

دینی بیانات اور حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عورت، اسلامی معاشرہ کی ذمہ دار نہیں بن سکتی اور وہ حکومت نہیں کر سکتی ہے اسی طرح وہ قضاوت

اور فیصلہ بھی نہیں کرسکتی ہے، عورت براہ راست جہاد میں بھی شرکت نہیں کرسکتی ہے۔

"اَوَ مَنْ یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ" کیا جس شخص نے اپنی زندگی میں زیور و زینت کے درمیان پرورش پائی ہے اور مخاصمہ کے وقت طبعًا اپنے حقیقی مقاصد کا اظہار نہیں کرسکتا ہے اس کو خدا کی بیٹی سمجھا جا سکتا ہے اور وہ تدبیر امور کی ذمہ داری سنبھال سکتا ہے؟ (۱)

ان تینوں امور کا ذمہ دار صرف مرد ہوسکتا ہے": اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ". (۲)

ان تینوں چیزوں کا روح تعقل سے بہت گہرا ربط ہے اور اگر ان امور میں قوت عاطفہ و احساسات کی، مداخلت ہو جائے تو ان کی تباہی و بربادی اس قدر واضح ہے کہ کسی بحث و تحقیق کی ضرورت ہی نہیں ہے اور جو قطعی تجربات ہیں اس کی وجہ سے اس میں ذرّہ برابر بھی تردید نہیں کی جاسکتی ہے۔

ادھر کئی صدیوں سے جب سے دنیا کی متمدن قوموں نے عورت اور مرد کو تقریباً لا کر ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے اور پوری طاقت وقوت سے عورت و مرد کو یکساں تعلیم دے رہی ہیں انھوں نے اس راہ میں کوشش کر کے ہزاروں اور لاکھوں دانشمند و ہنر مند خواتین کی پر

---

(۱) زخرف (۴۳): ۱۸۔

(۲) نساء (۴): ۳۴۔

ورش کی ہے اور معاشرہ میں بہت سے نابغۂ روزگار افراد پیدا کئے ہیں تب بھی ابھی تک حکومتوں کو چلانے، حکومتوں کے ذمہ داروں، قانون گزار افراد کی قضاوتوں اور کمانڈروں کی لیسٹ میں صرف یہی نہیں کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے برابر نہیں ہوئی ہے بلکہ ابھی

تک ان خواتین کی تعداد اتنی بھی نہ ہوسکی ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ دی جائے۔

میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا کہ آخری عالمی جنگ کے شروع میں جنگ کا سلسلہ فرانس تک پہنچا ''دنگرگ'' اور اس کے اطراف میں شدید جنگیں ہوئیں، آسمان سے آگ کی بارش ہورہی تھی اور زمین سے خون ابل رہا تھا ایک فرانسوی عورت جو فرانس کی فوج میں ایک عظیم عہدہ پر فائز تھی (جیسا کہ اخباروں نے لکھا تھا) اس نے جنگ کے دوران ہی عورتوں کی ایک ایسی خوبصورت ٹوپی تیار کی تھی جس کے چاروں طرف لبہ تھے اور اس کے آگے قینچی کی علامت تھی۔

متعه

متعہ

ماہ بہمن ۱۳۴۲ھ شمسی میں ''کیہان'' نامی اخبار نے ڈاکٹر ''راسل لی'' کے نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے (جس میں انھوں نے کہا تھا کہ انسان ایک ایسا موجود ہے جو طبیعی طور پر ایک بیوی پر قناعت نہیں کرتا) ایک موضوع پر آزاد بحث کے لئے ایک دروازہ کھول دیا اور اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جن لوگوں کے نظریات اس کے موافق یا مخالف ہوں گے سب کو درج کیا جائے گا۔

بحث، متعہ (موقت شادی) تک پہنچ گئی پھر اس کے بعد ۶۱۶۹ کے شمارہ میں اسی سال ۲۴ر بہمن کو کیہان اخبار نے ''کردستان'' کے ایک سنی عالم ''مردوخ'' کے دستخط کے ساتھ ایک مقالہ شائع کیا شیعہ مذہب جس کے یہاں متعہ جائز ہے موصوف نے اس پر اعتراض کیا تھا ہم نے اس مقالہ کو اسی کے جواب میں لکھا ہے جو بہت سے اسباب کی بنا پر اس اخبار میں شائع نہ ہو سکا۔

مولوی مردوخ نے اپنی باتوں کو استدلال کی شکل میں پیش کیا ہے لیکن افسوس کہ جو بحث تقریباً چودہ سو رسال سے شیعہ اور سنی کے دو بزرگ مذہب کے درمیان ہوتی چلی آ رہی ہے اس میں انھوں نے اپنے استدلال کی بنیاد کو ایسے مطالب پر رکھا ہے کہ جنھیں اختلاف کے ابتدائی دنوں میں سنی علماء نے بیان کیا ہے اور سیکڑوں مرتبہ اس کا جواب دیا جا چکا ہے اور دونوں گروہ کی فقہی و کلامی کتابوں میں وہ درج ہے۔

اس بات کو صحت پر حمل کرنے کے لئے ہمیں صرف ایک ہی راستہ نظر آیا کہ ہم یہ کہیں

موصوف کواس مسئلہ میں کوئی خاطر خواہ معلومات نہیں ہے موصوف نے تعصب کی بنا پر وہ چند کلمات جوان کے کانوں سے ٹکرائے اس خیال میں اس پر یقین کرلیا کہ شیعہ علماء کوان باتوں کی کوئی خبر نہیں ہے انھوں نے سوچا کہ اخبار پڑھنے والوں کو کوئی بہت بڑا تحفہ پیش کردیا ہے۔

ہمارے دعویٰ پر شاہد کے عنوان سے ایک بہت تضحیک آمیز روایت ہے کہ جسے انھوں نے بحث کے شروع میں نقل کیا ہے: ''متعتان کانتا علیٰ عهد رسول اللّٰه حلا لاً و انا احرّمهما و اعاقب علیهما : المتعة و لحم الحمر الانسیة'' کیونکہ انھوں نے روایت کے ابتدائی حصہ کو دوسرے خلیفہ عمر کے خطبہ سے نقل کیا ہے اور اسی روایت کے آخری حصہ کو حضرت علی علیہ السلام کی اس روایت سے نقل کیا ہے جسے کتاب بخاری وغیرہ میں متعہ کی تحریم کے سلسلہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے پھران دونوں روایتوں کے مجموعہ کوایک ہی روایت کی شکل میں پیش کر کے ایک مضحکہ خیز روایت بنا کر شیعہ علماء کی طرف نسبت دی ہے۔

خلیفہ دوم کے اصل خطبہ کا ترجمہ یہ ہے: ''دوقسم کے متعہ جو جناب رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں حلال وجائز تھے میں انھیں حرام کررہا ہوں اور جولوگ انھیں انجام دیں گے میں انھیں سزادوں گا ان دونوں میں سے ایک متعہ حج (حج تمتع) ہے اور دوسرا عورتوں سے متعہ کرنا ہے۔''

حدیث کا جوحصہ حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: ''جناب رسول خدا ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور اہلی (پالتو) گدھوں کا

گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔''

مولوی مردوخ نے جس خطبہ کو بیان کیا ہے اور اس کا عربی متن اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: ''خلیفۂ دوم نے کہا: رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں دو قسم کے متعہ حلال تھے میں انھیں حرام کر رہا ہوں اور ان دونوں کو انجام دینے والوں کو سزا دوں گا وہ دونوں متعہ یہ ہیں: متعہ اور اہلی گدھوں کا گوشت۔''

بنا برایں جو شخص ایسی منطق سے روبرو ہوا ہے اور بحث میں وارد ہونا چاہتا ہے اس کو اس کا حال معلوم اور واضح ہے، جو لوگ اس طرح کے مسائل میں کافی مطالعہ نہیں رکھتے ہیں ہم ان کی وضاحت کے لئے مختصر طور پر موصوف کی باتوں سے متعلق کچھ نکات و تذکرات پیش کرنا چاہتے ہیں اگر ہمارے ان تذکرات میں کسی کو کوئی اعتراض ہو تو ہم بڑی کشادہ روئی و خوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے بحث و تفصیل کے لئے بالکل آمادہ ہیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''اگر متعہ سے منع نہ کیا گیا ہوتا تو سارے مسلمان اس پر عمل کرتے وہ صرف شیعہ فرقہ سے مخصوص نہ ہوتا۔''

ہاں! خلیفۂ دوم کے منع کرنے سے پہلے سارے مسلمان اور آنحضرتؐ کے صحابۂ کرام اس پر عمل کرتے تھے اور خود انھیں صحابہ میں سے خلیفۂ اوّل تھے انھوں نے اپنی بیٹی اسماء کا متعہ زبیر سے کرایا تھا جو ایک صحابی تھے اور عبداللہ بن زبیر جو خود بھی ایک صحابی تھے وہ اسی متعہ سے پیدا ہوئے تھے لیکن خلیفۂ دوم کے منع کرنے کے بعد ان کے ماننے والوں نے متعہ کو ترک کر دیا مگر شیعہ نے اس ممانعت کو قبول نہ کیا۔

عمر کے منع کرنے کے بعد بھی کچھ صحابہ کرام جیسے حضرت علی علیہ السلام، ابن عباسؓ،

ابن مسعودؓ، جابرؓ، عمرو بن حریث اور تابعین علماء جیسے مجاہد، سدی، سعید بن جبیر اور ابن جریج جواز کے قائل تھے۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''ہمارا خیال ہے کہ یہ عبداللہ بن سبا یہودی کی اپج ہے... ۔''

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عبداللہ بن سبا ایک وہمی و خیالی آدمی کا نام ہے یہ صرف ایک افسانوی ہیرو ہے اموی خلفاء اور ان کے معاصر علماء نے ایسے فتنے جو صدر اسلام میں خلیفۂ سوم (عثمان) کے قتل کا باعث بن گئے تھے صرف ان کی توجیہ کے لئے اس وہمی و خیالی انسان کو اس داستان کا ہیرو بنا دیا تھا اور اسی شیعہ مذہب کا بانی بتا دیا گیا ادھر آخر میں کچھ علماء یہاں تک کہ خود اہل سنت کے مشہور عالم طٰہٰ حسین اور دوسرے علماء نے تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ ''ابن سبا'' ایک افسانوی انسان کا نام ہے۔(۱)

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''بغیر کسی مجوز کے عمر بھلا کیونکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں؟''

خلیفہ ثانی اپنے عقیدہ و نظریہ کے مطابق جہاں مصلحت دیکھتے تھے احکام کو بدل دیتے تھے جیسا کہ بعض متاخر علماء نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے یہاں تک کہ وہ خدا اور رسولؐ کی صریح

---

(۱) اس سلسلہ میں ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے: الفتنة الکبریٰ: طٰہٰ حسین؛ وعاظ السلاطین: ڈاکٹر وردی؛ عبداللہ بن سبا: مرتضیٰ عسکریؒ؛ نیز توضیحات مکتب تشیع سالانہ ۲۔

نص کے ہوتے ہوئے بھی باز نہیں آتے تھے جیسا کہ احمد امین صاحبِ کتاب فجر الاسلام اور صاحبِ تفسیر المنار نے تصریح کی ہے اس دعویٰ کے صحیح ہونے پر تاریخ میں بہت سے موارد و شواہد موجود ہیں اور شیعہ علماء نے اس خطبہ کو سنی علماء کی کتابوں سے نقل کیا ہے

انھوں نے شیعہ علماء کی کتابوں سے نقل نہیں کیا ہے اور خطبہ کا سیاق نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتا رہا ہے کہ خلیفہ نے جو لوگوں کو متعہ سے منع کیا وہ نہی عن المنکر کے عنوان سے نہیں تھا بلکہ انھوں نے وقت کی سیاست کے باعث اپنی جانب سے ایسا کیا تھا۔

خلیفۂ دوم اپنے خطبہ میں کہتے ہیں: ''پیغمبرؐ کے زمانہ میں جو دو متعہ تھے میں تم لوگوں کو دونوں سے منع کر رہا ہوں اور انھیں انجام دینے والوں کو سزا دوں گا وہ دونوں متعہ یہ ہیں: عورتوں سے متعہ کرنا اور حج تمتع بجالانا۔''

ہر وہ انسان جو عربی زبان جانتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں مشروع وحلال تھے مگر میں انھیں حرام کر رہا ہوں نہ یہ کہ حرام تھے لوگ عمل کرتے تھے پیغمبرؐ اور صحابہ ان کا تماشہ دیکھتے تھے اس وقت میں نہی عن المنکر کے عنوان سے تمھیں ان کے حرام ہونے کی خبر دے رہا ہوں۔ اس کے علاوہ اہل سنت کی بہت سی روایات میں منقول ہے کہ خلیفۂ دوم نے متعہ کرنے والے کی سزا رجم (سنگسار کرنا) قرار دی تھی (۱) اور اس حد کو جاری کرنے کے لئے انھوں نے قسم بھی کھائی تھی جب کہ رجم کی سزا کسی دلیل کے موافق ومطابق نہ تھی یہاں تک کہ اہل سنت کے علماء نے بھی یہ جرأت نہیں کی ہے کہ متعہ کرنے والے کے لئے رجم کا فتویٰ دیں بلکہ انھوں نے کہا ہے:

---

(۱) تفسیر المیزان (عربی) جلد چہارم یا اس کے فارسی ترجمہ جلد چہارم کی طرف رجوع فرمائیں۔
''خلیفۂ ثانی نے تہدید صوری کے عنوان سے یہ بات کہی ہے قطعیت کے عنوان سے یہ بات نہیں کہی ہے۔''

مولوی مردوخ نے جو یہ لکھا ہے: ''خلیفۂ ثانی نے منبر سے کہا تھا: ''جو شخص بھول چوک اور خطا کے بارے میں مجھے بتائے گا میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔''

خلیفہ کا یہ قول ان کی بات پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا کیونکہ خلیفہ نے قطعاً یہ نہیں کہا تھا کہ لوگ جو کچھ کہیں گے میں اسے مان لوں گا۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''صحیح بخاری میں جو تاریخی کتاب سے ذرا بھی کم نہیں ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ متعہ کے حرام ہونے کی روایت کرنے والے خود حضرت علی علیہ السلام ہیں۔''

ہم کہتے ہیں: اولاً: صحیح بخاری، حدیث کی کتاب ہے اور حدیث کو قانونی لحاظ سے جرح وتعدیل کے بعد ہی قبول کرنا چاہئے سرسری طور پر اور بغیر کسی چوں چرا کے قبول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسی صحیح بخاری میں یہ روایت بھی موجود ہے: ''بیت المقدس کی تعمیر کعبہ سے چالیس رسال بعد ہوئی ہے!'' جب کہ یہ بات بالکل مسلمات اور واضحات میں سے ہے کہ کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کے بانی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور ان حضرات کے درمیان تقریباً ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری میں عائشہ سے مروی ہے: ''شب معراج پیغمبرؐ رات بھر صبح تک بستر پر میرے پہلو میں سوئے ہوئے تھے!'' جب کہ یہ بات بھی مسلم ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے واقع ہوئی ہے اور عائشہ ہجرت کے ایک مدت کے بعد پیغمبرؐ کے گھر آئی ہیں۔
کتاب صحیح مسلم میں جو کچھ صحیح بخاری میں ہے وہ حضرت علی علیہ السلام سے بالکل برخلاف منقول ہے آپ سے اس مشہور جملہ کی روایت ہوئی ہے: ''لولا انّ عمر نھی

عن المتعة ما زنی الاّ شقی" اگر عمر متعہ سے نہ روکتے تو بد بخت کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتا۔(۱)

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ ۔(۲) شیعہ اس آیت کو متعہ کے بارے میں بتاتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر عورت مدخولہ ہو تو پورا مہر دینا چاہئے۔''

اس بحث کا تعلق عربی ادبیات سے ہے ہم نے تفسیر المیزان کی چوتھی جلد میں بہت تفصیل سے اس کے بارے میں بحث کی ہے چونکہ اکثر حضرات فارسی داں ہیں لہٰذا ہم تفصیلی بحث سے پرہیز کرتے ہوئے مختصر طور پر عرض کرتے ہیں: صدر اسلام کے مفسرین جیسے ابن عباسؓ، ابن مسعود اور اُبی یہ حضرات صحابہ تھے اور مجاہد وقتادہ وسدی اور ابن جبیر یہ حضرات تابعین میں سے تھے یہ لوگ زمان نزول کے قریب اور عربی داں بھی تھے مولوی مردوخ جو ایک کردی ہیں چودہ سو رسال بعد پیدا ہوئے ہیں تمام صحابہ وتابعین کو ان سے زیادہ اپنی عربی زبان معلوم تھی وہ تمام حضرات اس آیت سے اسی ''متعہ'' کو سمجھے ہیں وہ لوگ ''دخول'' کو نہیں سمجھے ہیں اسی لئے تو صدر اسلام میں خلیفۂ دوم کے طرفدار لوگ جس حکم کو انھوں نے صادر کر دیا تھا اس کی اصلاح کرنے کے لئے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ متعہ کی آیت منسوخ ہوگئی ہے ان لوگوں نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ یہ آیت، متعہ پر دلالت ہی نہیں کرتی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم۔

(۲) نساء(۴):۲۴۔

اس کے علاوہ مولوی مردوخ نے کہا ہے: ''استمتاع وتمتع کے معنی تلذذ کے ہیں اور اس سے مراد دخول ومباشرت ہے۔'' انھوں نے بالکل غلط معنی کئے ہیں کیونکہ ان دونوں الفاظ

کی اصل الگ الگ ہے اور دونوں کے معنی متفاوت ہیں چنانچہ استمتاع کے معنی یہ ہیں: لذت چاہنا اور تمتع کے معنی یہ ہیں: لذت حاصل کرنا اسی لئے کبھی بھی لفظ استمتاع اس دخول کے بارے میں استعمال نہیں ہوسکتا جس کے معنی لذت حاصل کرنے کے ہیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''اسلام میں زوجیت کے بہت سے آثار ہیں ان میں سے کوئی ایک اثر بھی متعہ میں نہیں پایا جاتا جیسے: ایک دوسرے کا وارث بننا، نفقہ، عدت اور صرف چار عورتوں میں محدودیت وغیرہ وغیرہ پس عمل متعہ، زوجیت نہیں ہے اور جب زوجیت نہ رہی اور ملک یمین بھی نہ رہی تو آیت شریفہ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ. (۱) کے مطابق جنسی آمیزش صرف اسی صورت میں جائز ہے جب زوجیت یا ملک یمین ہو ورنہ زنا کہلائے گی۔''

یہ دلیل بڑا پرانا مغالطہ ہے تقریباً چودہ سو رسال سے چلا آرہا ہے اور شاید شیعوں کی جانب سے چودہ ہزار مرتبہ جواب دیا جاچکا ہے اس کے باوجود بھی لوگ نہیں مانتے پھر پرانی بات کو دہرا دیتے ہیں۔

اوّلاً: مولوی مردوخ نے زوجیت کے جو آثار شمار کئے ہیں وہ شرعاً دائمی زوجیت کے آثار ہیں مطلق زوجیت کے نہیں ہیں اور وہ خود بھی اس کے معترف ہیں کہ جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں متعہ (ان کے بقول) پیغمبرؐ کے منع کرنے سے پہلے دائر و جاری تھا اس وقت

---

(۱) مومنون (۲۳):۶۔

اس کے یہ آثار نہ تھے ہمارے دعویٰ پر اہل سنت کی روایات شاہد ہیں۔

ثانیاً: جس آیت سے موصوف نے تمسک کیا ہے خود وہی دلیل ہے کہ عمل متعہ، زوجیت

ہے کیونکہ اگر اسلام میں متعہ حرام ہوا ہوتو قطعی طور پر ہجرت کے بعد ہے جیسا کہ خود انھیں حضرات کی روایات گواہی دیتی ہیں: جنگ خیبر میں، یا عمرۂ قضا میں، یا جنگ اوطاس میں، یا فتح مکہ کے موقع پر، یا حجۃ الوداع میں جیسا کہ اس کے بارے میں مختلف روایات موجود ہیں اور چونکہ سورۂ مومنون مکہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوا ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب متعہ جائز تھا لہٰذا قطعی طور پر زوجیت شمار ہوتا تھا۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''عمل متعہ، زنا کے برابر تھا پیغمبرؐ نے مردار کھانے کے عنوان سے وقتی طور پر اس کے لئے اجازت دی تھی ضرورت ختم ہو جانے کے بعد اس کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا۔'' یہ بھی ایک تہمت ہے اہل سنت پہلے ہی دن جس غلطی میں گرفتار ہوئے ہیں اس کی اصلاح کے لئے بڑی بے باکی سے رسول خداؐ پر تہمت لگا دیتے ہیں کیونکہ ظہور اسلام کے آغاز ہی سے خداوند عالم نے مکی سوروں جیسے مومنون، اسراء و فرقان اور معارج وغیرہ میں زنا کو فحشاء بتایا ہے اور قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ قرآن کے متعدد مقامات پر جیسے سورۂ اسرائیل اور مائدہ وغیرہ میں بڑے سخت لہجہ میں پیغمبر اکرمؐ کو قرآنی احکام میں معمولی دخل و تصرف کرنے سے روکا ہے تو کسی مسلمان کو جرأت کر کے یہ نہیں کہنا چاہئے: پیغمبرؐ کچھ کچھ دنوں کے بعد ایک مرتبہ زنا کی اجازت دے دیا کرتے تھے اور سب سے بڑھ چڑھ کر خود پیغمبرؐ کے اصحاب جیسے ابو بکر، زبیر و جابر اور ابن مسعود وغیرہ اس برے عمل کو انجام دیتے تھے چنانچہ کوئی صحابی اپنی بیٹی دیتا تھا، کوئی دوسرا متعہ پر عمل کرتا تھا، اس سے اولاد بھی پیدا ہوتی تھی جیسے عبداللہ بن زبیر جو ایک صحابی تھے ابو بکر نے اپنی بیٹی اسماء کا جو زبیر سے متعہ کرایا تھا یہ اسی سے پیدا ہوئے تھے۔ یقیناً کسی شیعہ نے ایسی قانون شکنی اور خودسری کی نسبت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں دی ہے اور

اس نے رسوائی کی بات نہیں کہی ہے۔

گزشتہ باتوں کے علاوہ اگر وسعت نظر کے ساتھ جہان بشریت پر غور کیا جائے تو واضح طور پر یہ اندازہ ہو جائے گا کہ انسانی معاشرہ میں جنسی آمیزش کو صرف دائمی شادی میں محدود نہیں کیا جا سکتا اور پھر ہر قسم کی دوسری آمیزش کو غیر قانونی بتا دیا جائے صرف دائمی شادی پر قناعت نہیں کی جا سکتی ہے جب کہ دائمی شادی پوری دنیا میں رائج ہے اور تمام لوگ عمل زنا کو برا مانتے ہیں، دنیا کے متمدن اور نیم متمدن کسی ملک میں بھی کسی قانونی حکومت نے بھی کسی ذریعہ سے وقتی آمیزش کی کثرت سے نہیں روکا ہے اور دنیا کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں پوشیدہ طور پر یا ظاہری طور پر فحشاء کے بہت سے مرکز پائے جاتے ہیں ایسی صورت میں اسلام جو ایک جہانی و دائمی مذہب ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ جنسی آمیزش کو شادی میں محدود کر دے اور مطلق طور پر لوگوں کو زنا سے محفوظ رکھے لہٰذا ضرورت پیش آئی کہ متعہ کو کچھ خاص شرائط کے ساتھ اپنے دیگر قوانین کے ساتھ قرار دے تا کہ تمام لوگوں کی اس جنسی ضرورت کو پورا کر سکے اور لوگوں کو زنا سے محفوظ رکھ سکے بہر حال ان خاص شرائط میں سے بعض یہ ہیں: عورت محرم نہ ہو، شادی شدہ نہ ہو، مہر معین ہو، عورت جدا ہونے کے بعد عدہ کی عدت پوری کرے۔

تفسیر طبری اور اسی طرح شیعہ روایات میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اگر خلیفۂ ثانی متعہ سے منع نہ کرتے تو صرف وہی لوگ زنا کرتے جو گمراہی سے ہلاک ہونے والے تھے۔''

مولوی مردوخ نے اپنے کلام کے آخر میں واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے کہ علمائے شیعہ اس مسئلہ میں اور دوسرے اختلافی مسائل میں تجدید نظر کر لیں۔ ہم بھی اختتام کلام میں ان

کو جواب دے رہے ہیں: شیعہ علماء، سنی علماء کے برخلاف باب اجتہاد کو کھلا ہوا مانتے ہیں اور وہ آپ کے فتویٰ کے منتظر نہیں ہیں بلکہ وہ حضرات خود برابر اپنے فتویٰ پر نظر کرتے رہتے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جو مسئلہ سورج کی طرح روشن ہے اس کے بارے میں کوئی مخالف نظریہ نہیں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

ہم مولوی مردوخ سے گزارش کر رہے ہیں کہ وہ اپنی تحریروں میں عفت قلم کی رعایت کریں محاورہ کے آداب کو فراموش نہ کریں موصوف نے اپنے نہایت مختصر سے مقالہ میں کبھی شیعہ کو کافر بتایا کبھی ان کا حسب ونسب فاسد بتایا انھیں حرامزادہ بتایا اور انھوں نے گالیوں کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے شیعہ علماء کے رشتے داروں لڑکیوں اور بہنوں میں سے بھی کسی کو نہیں چھوڑا ہے اور انھوں نے ماجرا جوئی میں کوئی فروگزاشت نہیں کی ہے۔ اگر واقعاً وہ اسلام میں اتحاد برقرار کرنا چاہتے ہیں اور داخلی اختلافات کو دور کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح کی غلط تہمتوں سے پرہیز کریں کیونکہ اولاً جناب رسول خداؐ اور آپ کے بزرگ صحابہ کی شان میں جسارت وہتک حرمت ہے حضورؐ نے یہ قانون بنایا تھا اور سب سے پہلے صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرنے والے تھے ثانیاً: دو مذہب کے درمیان بہت سے کینہ وکدورت کا اصل سبب یہی باتیں ہیں جب یہ باتیں عوام تک پہنچ جاتی ہیں تو پوری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ چند فرعی مسائل میں نظریات کے مختلف ہونے سے اتنا زیادہ شور وغل نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ مقالہ لکھنے کے کچھ دنوں بعد میرے ایک دوست نے ڈاک کے ذریعہ میرے پاس ایک خط بھیجا لفافہ کے اندر مولوی مردوخ کا ایک مختصر مضمون تھا انھوں نے ''کیہان'' نامی اخبار میں جو مقالہ شائع کیا تھا تقریباً اسی کے اوپر بہت زیادہ زور دیا تھا اور متعہ کو حرام بتایا

تھا۔

اس مقالہ کی باتیں ان لوگوں کے لئے واضح ہیں جنھوں نے مقالہ اور رسالہ دونوں کو پڑھا ہے گزشتہ مقالہ میں انھوں نے جو کچھ لکھا تھا اس کے علاوہ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے جس کی بنا پر ہمیں مزید بحث و تحقیق کی ضرورت ہو لیکن ہم نے یہ دیکھا کہ موصوف کا مقصد یہ ہے کہ مقالہ و اخبار جن کا ایک خاص وقت و موسم ہوتا ہے اسے چھوڑ کر اب تالیف کی صورت دینا چاہتے ہیں جس میں ثبوت و دوام ہوتا ہے لہٰذا وہ مجبور ہو کر بیان و گفتگو کے رنگ کو بدل دیئے ہیں مگر پھر انھیں بے بنیاد و مضحکہ خیز باتوں کی تکرار کی ہے جنھیں مقالہ کے شروع میں لکھا تھا اور انھوں نے زبردستی و زور گوئی اور تہمت لگانے میں کسی عالم یہاں تک کہ اہل سنت کے علماء اور صحابہ کرام کو بھی نہیں بخشا ہے لہٰذا ہم نے ضروری سمجھا کہ اس رسالہ میں انھوں نے جو اپنی خاص منطق اختیار کی ہے اس کے نتائج و ثمرات کی طرف اشارہ کر دیں اور فیصلہ پڑھنے والوں کے اوپر چھوڑ دیں۔

مولوی مردوخ اس رسالہ میں کہتے ہیں: ''ضرورت کے وقت سارے احکام منسوخ ہو جاتے ہیں۔'' اگر موصوف ''اصول فقہ'' کی کتابوں پر نظر کرتے یا مفسرین نے آیات نسخ کے ذیل میں جو بحث کی ہے اسے دیکھ لیتے تو یہ سمجھ جاتے کہ نسخ حکم سے مراد کیا ہے؟ نسخ حکم سے مراد یہ ہے: زمانہ کے لحاظ سے حکم کا اٹھا لینا حالات کے اعتبار سے نہیں۔ عام حالات میں کسی حکم کا ثابت ہونا اور غیر عادی حالت میں اس کا ساقط ہونا جب کہ یہ دونوں اصل تشریع میں ملحوظ رکھے گئے ہوں تو نسخ میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ خداوند عالم نے ایک آیت میں مردار کھانے کو حرام اور ضرورت و مجبوری کے وقت اسے مباح و جائز بتایا ہے اور قطعی طور پر آیت کا ذیل، آیت کے ابتدائی حصہ کا ناسخ نہیں

ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں زنا کار عورت کے لئے غیر زنا کار مرد اور مشرک سے شادی کرنا منع تھا اسی طرح زنا کار مرد کے لئے غیر زنا کار عورت اور مشرک سے بیاہ کرنا منع تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گیا نہ کہ ضرورت اور غیر عادی حالت کے پیش نظر، پس اسلام میں سارے منسوخ احکام اسی طرح کے ہیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''فقہاء کی اصطلاح میں متعہ کے دو معنی ہیں: عقد موقت اور متعہ طلاق''۔

ہمیں ایسا لگتا ہیں کہ وہ جان بوجھ کر یہ بھول گئے ہیں کہ ایک تیسرے معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں ''متعہ حج'' یہ وہی حج تمتع ہے جس کی تشریع، نص قرآن کے مطابق حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی اور مسلمانوں نے اس پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ دوسرے خلیفہ کے زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا خلیفہ ثانی نے اپنی خلافت کے درمیانی دور میں ایک ہی ساتھ متعہ حج اور متعہ نکاح دونوں سے منع کر دیا۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''شیعہ اور سنی کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہے وہ زوجہ نہیں کہلاتی ہے'' یہ ایک افتراء اور ایک الزام ہے جو انھوں نے شیعہ پر لگایا ہے کیونکہ شیعوں کے نزدیک اہل بیت علیہم السلام کی فقہ کے مطابق زوجہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ دائمی زوجہ: اس کے کچھ خاص آثار ہیں، ۲۔ وقتی زوجہ: اس کے بھی کچھ خاص آثار ہیں جیسے: شوہر صرف ایک ہی رہے، دو مرتبہ حیض سے پاک ہونے کی عدت اور اولاد کا شوہر

سے ملحق ہونا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ خود جناب رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسا ہو چکا ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر جو خلیفۂ اوّل کی بیٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کے باپ زبیر نے ان کی ماں سے متعہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ زبیر سے ملحق کئے گئے تھے اور انھیں یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''سورۂ احزاب جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا اس میں خداوند عالم اپنے رسولؐ سے ارشاد فرما رہا ہے: ''ہم نے آپ کے لئے شادی اور ملک یمین کو حلال قرار دیا ہے'' پس اگر اس وقت متعہ حلال ہوتا تو خدا اسے ضرور ذکر فرماتا۔''

ہم بیان کر چکے ہیں کہ زوجہ، دائم اور موقت دونوں کو کہتے ہیں اس کے علاوہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سنت (حدیث) کے ذریعہ قرآن کے حکم کی تعمیم و تخصیص جائز ہے اور وقوع کے مرحلہ میں بھی ہے جیسا کہ خداوند عالم نے اپنی کتاب قرآن مجید میں نجس العین حیوان کے عنوان سے صرف سور کا ذکر کیا ہے لیکن سنت (حدیث) کے ذریعہ کتے کو بھی سور سے ملحق کر دیا گیا ہے لیکن ابھی تک کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ اگر کتا بھی نجس العین تھا تو خدا کے لئے اس کا بھی ذکر کرنا ضروری تھا، اس کے علاوہ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں.

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''ہجرت کے آٹھویں سال جب لشکر اسلام نے مکہ میں توقف کیا تھا تو لڑکیوں اور بیوہ عورتوں نے اپنے کو سنوار کر تمام لشکر اسلام کو دکھایا تھا اور ان کی شہوت کو بھڑکایا تھا وہاں قیام طولانی ہو گیا تھا اور ان کے درمیان کچھ غیر شادی شدہ افراد بھی موجود تھے اس مشکل کو دور کرنے کے لئے حضرت رسولؐ نے ضرورت کے پیش نظر

متعہ کی اجازت دے دی تھی جس طرح مجبوری میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔''

ہمارا موصوف سے یہ سوال ہے: کیا یہ انھیں دنوں کی بات ہے جب زبیر نے خلیفۂ اوّل کی بیٹی سے متعہ کیا تھا؟ اور عبداللہ بن زبیر جو اس متعہ سے پیدا ہوئے تھے اور وہ رسول خدا ﷺ کے صحابی بھی شمار ہوتے تھے کیا ہجرت کے دسویں سال، رسول اکرمؐ کی رحلت کے وقت وہ صرف ایک ہی سال کے تھے؟ اس کے علاوہ کیا اس خطرہ کو دور کرنے کا راستہ صرف یہی تھا کہ رسول خدا ﷺ زنا کے جائز ہونے کا حکم صادر کر دیں یا جن عورتوں نے اپنے کو آراستہ کر رکھا تھا اور وہ مردوں کو بھڑکا رہی تھیں اس سے روکنا چاہتے تھے؟ جس سے قرآنی نص کے مطابق اس طرح منع کیا گیا ہے: وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ: خواتین اپنی زینت مردوں کو نہ دکھائیں مگر اپنے شوہروں اور محرم لوگوں کو(۱) تاکہ اس طرح قرآن کا ایک واجب الاجراء حکم جاری ہو جائے؟

ان باتوں کے علاوہ مکہ کو فتح کرنے میں کتنے سال لگے تھے جس سے لشکر اسلام کے لئے اتنی بڑی مشکل پیش آ گئی تھی؟ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت رسول اکرمؐ کے لئے دوسری بہت سی مشکلات تھیں مثلاً جنگ حنین کی دشواری، طائف کے متعدد محاصرے اور تہامہ کے اطراف میں دوسری اصلاحات، پورا لشکر اسلام صرف چند ہی دنوں مکہ میں تھا۔ واقعاً اگر صرف اتنی مختصر مدت میں قیام و توقف کے دوران مجبوری اور مشکل پیش آ جائے جیسا کہ مولوی مردوخ نے کہا ہے جس کی وجہ سے زنا کو مباح کرنا

---

(۱) نور(۲۴):۳۱۔

پڑے تو موصوف کے بقول آج کل کی دنیا میں ہر جگہ دلفریب و شہوت انگیز مناظر ہیں، ہر گلی میں ہر روڈ پر سیکڑوں عورتیں زینت میں بالکل غرق اور بہت سی جوان لڑکیاں

نیم عریاں دکھائی دیتی ہیں اور تنگدست جوانوں کے مختلف طبقات چاہے وہ کاریگر ہوں یا اپنی تعلیم میں مشغول ہوں جن کے اندر شادی کرنے کی توانائی نہیں اور وہ اپنی خانوادگی زندگی کو تشکیل نہیں دے سکتے تو کیا ان کے لئے شادی شدہ خواتین اور محرم جیسے اپنی ماں اور بہن سے زنا کرنا یہاں تک کہ لواط کرنا جائز نہیں ہے؟

کیا اس طرح کے اسلامی احکام ایسے گھٹن کے ساتھ ابھی تک زندہ ہیں اور منسوخ نہیں ہوئے ہیں؟ اور خود موصوف کے بقول متعہ زنا ہے! آخر متعہ اور غیر متعہ میں کیا فرق ہے کہ ایک جائز ہو جائے اور دوسری چیز اسی طرح حرام ہی رہے؟

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''عمر نے جب یہ دیکھا کہ اب متعہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے اور نادان افراد اس کے مرتکب ہو رہے ہیں تو آپ نے یہ اعلان کر دیا کہ اہلی گدھے کا گوشت اور متعہ حرام ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ خود حضرت پیغمبر اکرمؐ اس کی حرمت کا اعلان فرمائیں یا ان کے خلیفہ؟

اوّلاً: اس کے کیا معنی کہ اسلام میں کوئی حکم وہ بھی اس وضاحت کے ساتھ بعثت کے شروع میں (اور موصوف کے بقول ہجرت کے بعد) قرآن کے چند سوروں جیسے مومنون اور احزاب وغیرہ کی صریح نص کے ذریعہ تشریع ہو اور مسلسل مسلمانوں کے درمیان اس کی تلاوت ہوتی رہے یا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ رسالہ تبلیغی زندگی میں اس کے بارے میں زور دیا جاتا رہے اور اسی طرح آپ کی رحلت کے بعد خلیفہ اوّل کی پوری مدت خلافت میں اور دوسرے خلیفہ کے نصف دورِ خلافت میں ہو اس کے باوجود لوگوں پر پوشیدہ رہ جائے یا دوسرے خلیفہ کے اعلان کرنے کی وجہ سے لوگوں پر ظاہر ہو؟

ثانیاً: خلیفہ ثانی نے جو بات (موصوف کے بقول) خدا ورسولؐ کے حکم کو پہچاننے کے عنوان سے کہی ہے وہ یہ ہے: ''جناب رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں دو متعہ تھے میں انھیں حرام کر رہا ہوں اور انھیں انجام دینے والوں کو سزا دوں گا ان میں سے ایک عورتوں سے متعہ کرنا اور دوسرا حج تمتع ہے۔''

اب خود پڑھنے والے حضرات ہی یہ فیصلہ کریں کہ اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ حکم خدا اور رسولؐ کا اعلان کر رہے تھے یا خود خلیفہ ثانی اپنی طرف سے حکم دے رہے تھے؟

ثالثاً: اتفاق کی بات ہے کہ موصوف جن افراد کو نادان بتا رہے ہیں یہ وہی صحابۂ کرام اور مخصوصاً انھیں کے بزرگ افراد تھے جیسے حضرت علی علیہ السلام، ابن مسعود، ابن عباسؓ، زبیر اور پہلے خلیفہ جنھوں نے اپنی لڑکی کا متعہ زبیر سے کرایا.

رابعاً: خلیفہ ثانی نے جن دو متعہ کا نام لیا ہے وہ خواتین سے متعہ کرنا اور حج تمتع ہیں نہ کہ عورتوں کا متعہ اور اہلی گدھوں کا گوشت کیونکہ ان کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ اپنی عربی زبان نہ جانیں اور گدھے کے گوشت کو متعہ کہیں یقیناً یہ مولوی مردوخ کی جانب سے ایک عمدی لطیف اشتباہ ہے۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''آیت متعہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. (۱) کے معنی یہ ہیں: اگر تم اپنی زوجہ سے لذت حاصل کرو اور دخول کرو تو اسے

---

(۱) نساء (۴): ۲۴۔

پورا مہر ادا کرو، یہ آیت شریفہ اس معنی سے کوئی ربط نہیں رکھتی جسے شیعہ علماء نے بیان کیا ہے۔

ہم موصوف کونصیحت کررہے ہیں کہ اس آیت کے ذیل میں کتب حدیث وکتب تفسیر میں بزرگ صحابہ سے جوروایات مروی ہیں آپ ان کی طرف رجوع کریں تا کہ آپ کو یہ معلوم ہوجائے کہ شیعہ علماء سے پہلے ہی خود صحابہ جوقرآن کی زبان جانتے تھے انھوں نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اگر آپ کوکوئی طعنہ مارنا ہے تو پہلے انھیں حضرات کوطعنہ ماریں اور شیعہ علماء کوعربی کا درس نہ دیں، عرب اورلغت دونوں کے خلاف یہ نہ کہیں: ''استمتاع و تمتع یعنی باب استفعال وتفعل یہ دونوں عرب کی زبان میں ایک ہی معنی میں ہیں'' مزید اطلاع کے لئے بہتر ہے قارئین محترم تفسیر طبری، درمنثوراورحدیث کی دیگر کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''شیعہ کے کچھ رہبر لوگ کہتے ہیں :اگر چہ لغت میں لفظ استمتاع ،تلذذ وتمتع کے معنی میں ہے لیکن عرف شرع میں اس کا اطلاق ،عقد متعہ پر ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر چہ فقہ اورلغت کی کتابوں میں لفظ استمتاع کا اطلاق، عقد متعہ پرنہیں ہواتب بھی اگراستمتاع سے مرادعقد متعہ ہوتو آیت ''وَ یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ'' (۱) یہ تصریح کررہی ہے کہ جوشخص طیبات سے شادی نہ کرے اوران سے متعہ کرے وہ جہنمی ہوگا۔

---

(۱) احقاف (۴۶):۲۰۔

واہ رے یہ منطق اور معجز آفرین طرز تفکر! اس سے دلیل اوراس کے نتیجہ کے درمیان سے ہر قسم کا رابطہ ختم ہوگیا ہے، گویا موصوف کی منطق میں یہ ہے کہ اگر کسی لفظ کے کسی مورد میں

ایک معنی ہوں تو ہر مورد میں اسی معنی کا ہونا ضروری ہے مثلاً آیت متعہ میں لفظ ''اجر'' کے معنی ''مہر'' کے ہیں تو اس آیت: ''اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ''(۱) میں بھی اسی معنی کا ہونا ضروری ہے اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے ؟صبر کرنے والوں کو بے حساب مہر دیا جائے گا اسی طرح لفظ ''زوج، زوجان'' جن کے معنی بعض جگہ بیوی اور شوہر کے ہیں تو اس آیت: ''وَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ''(۲) میں بھی اسی معنی میں ہونا چاہئے پھر اس کا لازمہ یہ ہو جائے گا کہ ملائکہ میں بھی نر و مادہ ہیں اور ان میں بھی شوہر اور زوجہ ہیں۔ ان ساری باتوں کے علاوہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ استمتاع کے معنی عقد متعہ کے ہیں کیونکہ اس کے معنی ازدواج موقت کے ہیں ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ شیعہ لوگ خود متعہ کرنے کے قائل ہیں لیکن متعہ کرانے کو برا سمجھتے ہیں'' آپ کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں: یہ تو بالکل وہی روش ہے کہ خود آپ بھی دائمی شادی کے قائل ہیں لیکن اپنی لڑکی کی شادی کسی ایسے آدمی سے نہیں کرتے جو صرف ایک رات لذت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے بعد طلاق دینا چاہتا ہے یا اس بوڑھے آدمی سے بھی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرتے جس کی عمر کا چراغ صرف چند دنوں میں بجھنے والا ہے۔

---

(۱) زمر (۳۹): ۱۰

(۲) ذاریات (۵۱): ۴۹۔

اصولی طور پر لوگوں کا کسی چیز کو پسند کرنا اور پسند نہ کرنا اس کا تشریع اور عدم تشریع سے کیا ربط ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے: ''وَ عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئاً وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ

عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئاً وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمْ" (۱) نیز ارشاد فرماتا ہے: "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ" (۲) دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: "وَ لَوُ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوَاتُ وَ الْاَرْضُ". (۳) جو شخص قرآن کی باتوں پر تھوڑی سی بھی توجہ کرے وہ یہ شک نہیں کرے گا کہ احکام اسلام کی بنیاد، واقعی مصلحت کی رعایت اور حق کی متابعت پر ہے چاہے وہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: "مسلمان کی اکثریت متعہ کو حرام بتاتی ہے اور اکثریت و مذہب اور قانون کی خلاف ورزی غلط ہے۔"

آپ سے ہمارا سوال ہے کہ برحق مذاہب میں سے کون سا مذہب ایسا ہے جو اکثریت کی رائے کو معتبر سمجھتا ہے؟ خداوند عالم نے اپنی آسمانی کتاب میں صرف اور صرف حق کی اتباع کی تاکید وسفارش کی ہے اور اس کے مقابلہ میں اکثریت کی رائے کی مذمت کی ہے، ارشاد فرمایا ہے:

"لَقَدْ جِئْنٰکُمْ بِالْحَقِّ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَکُمْ لِلْحَقِّ کٰرِهُوْنَ" یقیناً ہم تمہارے لئے حق لائے ہیں لیکن تمہاری اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی ہے۔ (۴)

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۱۶۔

(۲) بقرہ (۲): ۲۱۶

(۳) مومنون (۲۳): ۷۱۔

(۴) زخرف (۴۳): ۷۸۔

اگر اکثریت کی پیروی ضروری ہوتی تو مسلمانوں کے لئے بتوں کی پوجا کرنا ضروری تھا کیونکہ مشرکین کی کثرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اقلیت تھی اور اسی طرح یہ بھی ضروری

تھا کہ پرہیز گار افراد جو معصیت کار اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے مقابلہ میں اقلیت میں ہیں وہ تقویٰ کو چھوڑ دیں۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی تو ہے کہ ایک دینی مسئلہ کا قانون سے کیا ربط ہے؟ اور جو قوانین کسی ملک کے لئے بنائے گئے ہیں دینی مسائل کے ثبوت وعدم ثبوت میں ان کی کیا تاثیر ہے؟ گویا موصوف کا تصور یہ ہے کہ جس طرح مجلس سنا یا مجلس شوریٰ کا ماحول ہوتا ہے اسی طرح فقہی یا کلامی مذہبی بحث کا بھی ہوتا ہے۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''متعہ کو جائز قرار دینا چونکہ قرآن کے مخالف اور کفر ہے لہٰذا اس کا قائل کافر ہے''۔

بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ کوئی ایک عرصہ تک دینی امور میں مشغول رہے مگر اسے اتنا بھی شعور نہ ہو کہ متعہ کے جائز اور ناجائز ہونے کے مسئلہ میں جو شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ہے تو ان میں سے ایک گروہ قطعی طور پر اسلام کا مخالف ہے۔ یہاں پر کفر کا باعث نہیں ہے۔ حیف ہے کہ انھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ انسان کافر کب ہو جاتا ہے اور کب دین سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا سبب دو چیزیں ہوتی ہیں: ۱۔ دین کے تین اہم اصول میں سے کسی ایک اصل کا انکار کرنا اور وہ یہ ہیں: توحید، نبوت اور قیامت، ۲۔ ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا انکار کر بیٹھنا اور وہ یہ ہیں: نماز، روزہ، کعبہ کا قبلہ ہونا کیونکہ ان چیزوں کا انکار گویا خدا اور رسولؐ کا انکار کرنا ہے۔

شیعہ اور سنی کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں سے ایک مسئلہ ''متعہ'' ہے یہ نہ تو اصول دین میں سے ہے اور ضروریات دین میں سے بلکہ اس کا تعلق فروع دین

سے ہے اور یہ ایک نظری امر ہے بدیہی وضروری نہیں ہے۔

بہر حال یہ بات بہت مشکل اور بہت بعید ہے کہ اب تک ان کے کانوں سے نہ ٹکرائی ہو کہ اگر کوئی ایک نظری مسئلہ کا منکر ہو جائے تو کوئی مسلمان اسے کافر نہیں کہتا لیکن آپ کے آثار سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ اس طرح کی بحثوں سے موصوف کا مقصد یہ ہے کہ سادہ لوح افراد کے جذبات کو بھڑکائیں اور آتش فتنہ کو شعلہ ور کریں جو صدیوں سے بھڑک رہی تھی اور کچھ انصاف پسند علماء کی کوششوں سے بجھنے والی تھی جیسا کہ ایک نہایت مختصر رسالہ میں کئی مقامات پر موصوف نے اس بات کی تکرار کی ہے کہ شیعہ لوگ صرف عمر سے دشمنی کی وجہ سے متعہ کرتے ہیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: ''متعہ سے جو فسادات برپا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں''۔اس کے بعد انھوں نے ان دس چیزوں کو شمار کیا ہے جیسے: نص قرآن کی رو سے متعہ ممنوع وحرام ہے، متعہ صرف ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا گیا تھا، متعہ قانون تناسل کے خلاف ہے، شریف خواتین متعہ نہیں کرتی ہیں اور جو عورت متعہ کر لیتی ہے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، تا آخر۔

قاریٔ محترم! عنوان مطلب کو (متعہ سے جو فسادات پیدا ہوتے ہیں) ان فضول مفاسد کے ساتھ جنھیں شمار کیا ہے اور عمر کی دشمنی کے ساتھ ختم کیا ہے تطبیق کر کے آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مولوی مردوخ کہتے ہیں: اگر متعہ کرنے میں عمر کی مخالفت منظور نہیں ہے تو کیا رکاوٹ ہے کہ احتیاطاً صیغہ متعہ کے بجائے صیغہ نکاح جاریں کریں اور جب جدائی اختیار کرنا

چاہیں تو طلاق کے ذریعہ جدائی اختیار کر لیں؟

بہتر ہے کہ موصوف سے پوچھا جائے کہ آپ نے متعہ کے لئے شادی کا وقت موقت ہونے کے لحاظ سے جن مفاسد کا ذکر کیا ہے وہ اسی نکاح میں موجود ہے جس کی مواصلت کا وقت ایک گھنٹہ یا ایک رات یا ایک ہفتہ سے زیادہ طولانی نہیں ہوتا۔

اس صورت میں ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے کہ آپ ایک کو جائز بتاتے ہیں اور ایک کو حرام قرار دیتے ہیں؟ کیا متعہ کو ممنوع قرار دینا درحقیقت قانون طلاق کا مذاق نہیں ہے؟

مولوی مردوخ نے رسالہ کے خاتمہ میں ایک عالم کے اوپر حملہ کیا ہے جنھوں نے ادھر اواخر میں متعہ کے، موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے وہ حملہ واعتراض یہ ہے کہ یہ روایت ''متعتان کانتا علیٰ عهد رسول الله وانا انهى عنهما و اعاقب عليهما'' جو تفسیر کبیر میں عمر سے منقول ہے اس میں تحریف کر کے کیوں اس طرح نقل کیا ہے:

''متعتان محلّلتان علیٰ عهد رسول الله و انا احرهما و اعاقب عليهما.''

اچھا ہوا کہ انھوں نے مذکورہ حدیث کو یاد دلایا جسے کیہان اخبار کے مقالہ میں اس طرح مضحکہ خیز صورت میں نقل کیا تھا: ''متعتان كانتا علیٰ عهد رسول الله و انا احرمهما و اعاقب عليها لحم الحمر الاهلية و متعة النساء'' موصوف نے صرف اتنے ہی پر قناعت نہ کی رسالہ میں بھی غلطی کی تکرار کی ہے۔ (و الله المستعان)

چالیس سوالات اور جوابات

چالیس سوالات اور جوابات(۱)

مرد اور عورت کے برابر ہونے کی کیفیت اور سیاسی امور میں دخالت

سوال نمبر۱: کیا اسلامی قانون میں مرد اور عورت برابر ہیں؟

سوال نمبر۲: کیا عورت سیاسی اور حکومتی امور میں دخالت کرسکتی ہے اور وہ مرد کے برابر ہوسکتی ہے؟

جواب ۱،۲: اسلام کے ابتدائی دور میں بشریت کے معاشرہ میں عورت کے بارے میں لوگ ان دو عقیدوں میں سے ایک عقیدہ رکھتے تھے:

ایک گروہ عورت کے ساتھ پالتو جانوروں جیسا برتاؤ کرتا تھا، اس کے نزدیک عورت معاشرہ کا رکن اور جز نہیں تھی لیکن اس کے باوجود لوگ اسے معاشرہ میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اس کے اوپر پورا پورا تسلط واختیار رکھتے تھے وہ فقط معاشرہ کی خدمت کیا کرتی تھی۔

دوسرا گروہ جو ذرا متمدن تھا وہ عورت کو ایک ناقص رکن سمجھتا تھا اس کے نزدیک عورت کی

---

(۱) ۱۳۸۳ھ قمری میں جو کچھ ایرانی دانشور نیویارک (امریکہ) میں مقیم تھے انھوں نے علامہ طباطبائیؒ سے مختلف موضوعات کے بارے میں بہت سے سوالات کئے تھے موصوف نے تمام سوالات کے جوابات لکھ کر سب کو ایک ساتھ ان کے پاس ارسال کیا تھا۔

حیثیت ایک بچہ یا معاشرہ کے طفیلی قیدی کے مانند تھی اور اس کی حالت کے لحاظ سے اس

کے کچھ حقوق تھے جس کی پوری باگ ڈور مردوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانیت کی دنیا میں عورت کو یہ شرف بخشا کہ اسے معاشرہ کے ایک کامل رکن کی حیثیت سے پہچنوایا، اس کے عمل کو محترم بتایا چنانچہ قرآن نے یہ اعلان کیا: ''میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے عمل کو ضائع و برباد نہیں کروں گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت تم سب کی خلقت ایک ہی ہے۔''(۱)

صرف تین اجتماعی امور میں اسلام نے عورت کو دخالت کا حق نہیں دیا ہے: حکومت و قضاوت اور جنگ کہ جس کے معنی قتال کرنے کے ہیں (البتہ جنگ سے مربوط دوسرے امور میں عورت حصہ لے سکتی ہے)

اور اس کی حکمت (جیسا کہ دینی ماخذ اور اس کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے) یہ ہے کہ عورت کی جنس، عاطفی و احساسی ہے برخلاف مرد کے کیونکہ مرد ایک تعقلی موجود ہے، یہ تینوں مذکورہ امور عقل سے مربوط ہیں احساس سے نہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک احساسی موجود کو ایسے کام میں جو سو فیصد تعقلی ہو کسی طرح کی دخالت نہیں کرنی چاہئے ورنہ طبیعی طور پر اس میں ترقی نہیں ہوگی۔

اس نظریہ پر بہترین دلیل یہ ہے کہ مغربی دنیا نے عورت اور مرد کی مشترک تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہت زیادہ کوشش کی ہے مگر اس کے باوجود بھی ابھی تک اسے اس بارے میں کامیابی نہیں حاصل ہوسکی ہے کہ ان تینوں اجتماعی امور میں ان عہدوں کے لائق

---

(۱) آل عمران (۲) ۱۹۵۔

خواتین مہیا کر سکے جو نابغہ خواتین قاضی بنی ہیں، سیاسی رہی ہیں اور کمانڈری کے منصب

پر فائز رہی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے تو بھلا مردوں سے برابری کیونکر کرسکتی ہیں جب کہ اس کے برخلاف بہت سی خواتین نرس، رقاص، فلمی ستارہ، نقاش اور گویا رہی ہیں۔

عورت اور مرد کی میراث

سوال نمبر۳: عورت کو کیوں مرد سے کم میراث ملتی ہے؟

جواب۳: اسلام میں عورت ایک حصہ اور مرد دو حصہ میراث پاتا ہے (جیسا کہ روایت میں ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے زندگی کے سارے اخراجات مرد (شوہر) کے اوپر ہیں اور یہ حکم بھی عورت کے عاطفی ہونے اور مرد کے تعقل ہونے کا سرچشمہ ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر زمانہ میں زمین کی ساری ثروت اس نسل سے متعلق ہوتی ہے جو اس زمانہ میں موجود ہوتی ہے اور بعد والی نسل پچھلی نسل کی جانشین بن جاتی ہے چنانچہ جو ثروت و دولت باقی بچ جاتی ہے لوگ اس کے بعد والے وراثت کے ذریعہ اس کے مالک ہوتے ہیں اور چونکہ سب ملا کر ہمیشہ عورت اور مرد کی تعداد متفاوت رہتی ہے، اسلام کی نظر میں دو تہائی عمومی ثروت کا مالک مرد ہے اور ایک تہائی عورت کے لئے ہے اور چونکہ مرد عورت کے سارے اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے لہٰذا عورت مرد کے حصہ میں بھی بالمناصفہ استعمال میں شریک ہوتی ہے جب کہ ایک تہائی ثروت جو فقط عورت کا حصہ ہے وہ اس کے پاس محفوظ ہے نتیجہ میں دو تہائی ثروت استعمال کے لحاظ سے عورت کے اختیار میں ہوتی ہے اور ایک تہائی مرد کے اختیار میں ہوتی ہے نیز دو تہائی ثروت، مالکیت کے لحاظ سے تعقل سے اور ایک تہائی عاطفہ سے مربوط ہے اور اس کے برعکس استعمال کے لحاظ سے دو تہائی حصہ عاطفی کا ہے اور ایک تہائی تعقل کا ہے۔

یہ خود بہترین عادلانہ تقسیم ہے اس سے قطع نظر کہ یہ ترتیب، تشکیل خانوادہ کے سلسلہ میں عمیق و مفید آثار رکھتی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں جواب نمبر ۱۱ میں بھی اشارہ کیا جائے گا۔

مرد اور طلاق کا حق

سوال نمبر ۴: کیوں طلاق کا حق صرف مرد کو ہے؟

جواب ۴: دینی بیانات کے لحن سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق بھی مرد کے تعقلی ہونے اور عورت کے احساسی ہونے سے ہے البتہ اس کے باجود بھی اسلامی شریعت میں کچھ ایسے طریقے ہیں جنھیں اختیار کر کے شادی کے وقت عورت اپنے شوہر کے اختیارات کو ایک حد تک محدود کر سکتی ہے یا اپنے لئے طلاق کا اختیار حاصل کر سکتی ہے۔

عورت اور اقتصاد

سوال نمبر ۵: کیا عورت اقتصادی اور مالی امور میں مستقل ہو سکتی ہے؟

جواب ۵: عورت، اسلام میں ان اقتصادی و مالی امور میں کامل و تام استقلال رکھ سکتی ہے جو خود اسی سے مربوط ہیں۔

تعدد زوجات

سوال نمبر ۶: مرد کیوں متعدد بیویوں سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب ۶: البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے متعدد عورتوں سے شادی کرنے کو

مرد کے لئے واجب نہیں قرار دیا ہے صرف اجازت دی ہے کہ مرد ایک سے زیادہ چار عورتوں تک سے شادی کرسکتا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ تمام بیویوں کے درمیان عدالت ومساوات برقرار کرسکے اور ایسے حکم کے لئے صرف مناسب وقت درکار ہوتا ہے یعنی یہ اس وقت ہے جب عورتوں کی قلت اور مردوں کی کثرت سے معاشرہ کے نظام میں خلل نہ واقع ہو اور ہرج مرج پیش نہ آئے۔

یہ بات مردوں کی جانب سے بالکل واضح ہے کیونکہ بیوی اور اولاد کی زندگی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری مرد کے اوپر ہے اور اس میں عدالت کی شرط لگائی گئی ہے اس شرط پر صرف کچھ ہی گنے چنے افراد پورے اتریں گے سب لوگ اس شرط پر عمل نہیں کرسکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ ہمیشہ طبیعت اور خارجی حوادث ایسی عورتوں کا بندوبست کرتے رہتے ہیں جن کے اندر شادی کی صلاحیت ہوتی ہے ان کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

اگر ہم کسی معین سال کو مبدأ قرار دیں پھر عورت اور مرد کی متساوی ولادت کا موازنہ کریں تو سولہویں سال میں جن عورتوں کے اندر شادی کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ان کی تعداد شادی کے لائق مردوں کی سات گنا ہوجائے گی اور بیسویں سال میں عورت کی تعداد مرد کی تعداد کی نسبت ۱۱/ سے ۵/ تک ہوجائے گی اور پھر پچیسویں سال میں جو عام طور سے شادی کا سال ہوتا ہے ۱۶/ کی نسبت ۱۰/ تک ہوجائے گی اور اگر اس صورت میں جن مردوں کے متعدد بیویاں ہوں ان کی تعداد پانچواں حصہ فرض کریں تو ۸/ فیصد مردوں کے پاس ایک بیوی ہوگی اور ۲۰/ فیصد کے پاس چار بیویاں ہوں گی اور تیسویں سال میں ۲۰/ فیصد مردوں کے پاس تین بیویاں ہوں گی۔

اس کے علاوہ عورت کی عمر مرد سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے معاشرہ میں بیوہ عورتوں کی

تعداد ہمیشہ ان مردوں سے زیادہ ہوتی ہے جن کی بیویاں مر چکی ہوتی ہیں نیز زیادہ تر جانی حادثات کا تعلق مردوں سے ہوتا ہے عورتیں بہت کم حادثات میں مرتی ہیں اور خاص طور سے ہمارے پاس بہترین گواہ و دلیل یہ ہے کہ اہم اور عمومی جنگوں میں مردوں ہی کی جانیں جاتی ہیں۔ادھر آخری کئی برسوں میں ہم نے اخباروں اور مجلوں میں یہ برابر پڑھا کہ جرمن کی عورتوں نے اپنی حکومت سے یہ درخواست کی کہ اسلام میں جو متعدد عورتوں سے شادی کرنے کا قانون ہے اسے جرمن میں رائج کیا جائے تا کہ اس کے ذریعہ جو خواتین بغیر شوہر کی ہیں ان کی ضرورت پوری ہو جائے لیکن حکومت نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا کیونکہ کلیسا نے مخالفت کر دی تھی۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ عورتیں جو متعدد بیویوں کی مخالفت کرتی ہیں ان کی مخالفت، احساس غریزی اور ان کی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے کیونکہ جو مرد لوگ دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی سے شادی کرتے ہیں وہ زبردستی نہیں کرتے اور جو عورتیں دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی بنتی ہیں وہ بھی آسمان سے نہیں ٹپکی ہیں اور زمین کے پھٹنے سے اندر سے نہیں نکل آئی ہیں بلکہ وہ بھی انھیں عام خواتین میں سے ہیں یہی رسم سیکڑوں اور ہزاروں سال سے ملتوں اور قوموں کے درمیان رائج تھی نہ تو اس سے کوئی غریزی فساد برپا ہوا اور نہ تو عورتوں میں کوئی قلت واقع ہوئی ہے۔

اسلام ایک کامل دین ہے

سوال نمبر ۷: کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دین اسلام نے زمانہ کو درک نہیں کیا ہے جب کہ دین کو زمان و مکان کی ضرورت کے مطابق ہونا چاہئے؟

جواب: آپ نے جو یہ کہا: ''اسلام نے زمانہ کو درک نہیں کیا ہے اور وہ زمان ومکان کی ضرورت کے مطابق نہیں ہے۔'' یہ ایسی بات ہے جو شاعرانہ افکار وخیالات کے مشابہ ہے اس میں کوئی فلسفی فکر نہیں ہے، زمان ومکان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے کہ جو انسانی واجتماعی قوانین میں تبدیلی کا سبب بنیں، رات دن وہی ہیں نیز زمین آب وہوا وہی ہے جو ہزار سال پہلے تھی ہاں! جو چیز بدلی ہے وہ انسان کی زبردست ترقی کے ساتھ اس کی طرز زندگی کا طرز عمل ہے، روز بروز توقعات اور انسانی مطالبات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور ان میں تبدیلی ہورہی ہے، انسان کی فعال قوت نے اپنی عجیب اور بے نظیر افزائش کی وجہ سے اس قدر جرأت پیدا کرلی ہے کہ طرح طرح کی خوش گزرانی وبہرہ مندی کے ایسے ایسے اسباب اور وسائل فراہم کررکھے ہیں جن کے بارے میں کل کے بادشاہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے آج کے غریب لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔

معاشرہ کے اندر یہ جو فکری انقلاب پیدا ہوا ہے وہ بعینہ ایک فرد کے اندر فکری انقلاب کے مانند ہے جو اس کی زندگی کے مختلف حالات کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ایک بے بضاعت شخص جس کا ہاتھ پیسوں سے خالی ہوتا ہے وہ صرف اپنے پیٹ کی فکر میں رہتا ہے بقیہ ساری چیزوں کو بھلا دیتا ہے جب اس کی خوراک کا بندوبست ہوجاتا ہے تو پوشاک کی فکر میں پڑجاتا ہے اور پھر اس کے بعد اسے رہائش اور شادی کی فکر ہوجاتی ہے، اولاد کے بارے میں سوچنے لگتا ہے اس کے بعد زندگی میں وسعت دینا چاہتا ہے اپنی دولت وثروت کو بڑھانا چاہتا ہے، اپنے افتخارات اور ٹھاٹ باٹ میں وسعت پیدا کرتا ہے، طرح طرح کے عیش وعشرت کے سامان فراہم کرتا ہے اور اسی ترتیب سے آج کے اجتماعی قوانین معاشرہ کے اکثریت کے مطالبات کو اپنا معیار قرار دیتے ہیں اور اقلیت کے مطالبات کو

کوئی اہمیت نہیں دیتے، چاہے معاشرہ کی مصلحت واقعی اقلیت کے مطابق ہو لیکن اسلامی طرز تفکر اس کے علاوہ ہے کیونکہ اسلام اپنے قوانین میں ایک طبیعی انسان (قرآن کے مطابق انسانی فطرت) کو پشت پناہ اور معیار بناتا ہے یعنی انسان کے وجودی ڈھانچہ کو اس کے تمام خصوصیات کے ساتھ مدنظر رکھتا ہے اور اس ڈھانچہ کو اپنے تمام خصوصیات کے ساتھ جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کی رعایت کرتا ہے اور ان سے مربوط قوانین کو وضع کرتا ہے نتیجہ میں اسلام نے جو اپنے قوانین بنائے ہیں ان میں معاشرہ کے لئے واقعی مصلحت ہوتی ہے اب چاہے وہ قانون اکثریت کے مطابق ہو یا مخالف ہو۔

یہ وہی قوانین ہیں جنھیں اسلام نے شریعت کا نام دیا ہے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس کی پشت پناہ، انسان کی طبیعی خلقت ہے جس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے جب تک انسان، انسان رہے گا اس کی طبیعی ضرورتیں باقی رہیں گی، اسلام میں ناقابل تغییر قوانین (شریعت) کے علاوہ کچھ قوانین و مقرارت قابل تغییر بھی ہیں اور یہ وہ مقررات ہیں جو زندگی کے انقلاب سے مربوط ہیں مثلاً مدنیت کی ترقی کی وجہ، سے اور وہ مقررات جو قابل تغییر ہیں ان کی نسبت قوانین شریعت کی طرف ایسے ہی ہے جیسے مجلس شوریٰ کے وہ قوانین جو قابل نسخ اور قابل ترمیم ہوتے ہیں اور ان کی نسبت اساسی قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

اسلام نے دینی حکومت کے والی کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ قوانین شریعت کی روشنی میں جب ضرورت محسوس کرے تو وقت کی مصلحت کے پیش نظر اور شوریٰ کی صواب دید پر اس (قابل تغیر) حکم کو تبدیل اس کو نافذ کرے اور اس طرح کے مقرارت اس وقت تک معتبر ہوتے ہیں جب تک مصلحت رہتی ہے جیسے ہی مصلحت ختم ہوتی ہے وہ حکم منسوخ ہو جاتے ہیں برخلاف قوانین شریعت کے جو نسخ نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے

اسلام کے مقررات دو قسم کے ہیں: ا۔ ثابت مقررات کہ ان کا پیش خیمہ انسان کی ثابت طبیعت ہوتی ہے انھیں شریعت کہا جاتا ہے۔

۲۔ قابل تغیر مقررات کہ ان کا معیار وقت کی مصلحت ہوتی ہے جیسے جیسے مصلحت بدلتی ہے ان میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے مثلاً انسان طبیعی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا لیکن گزشتہ دور میں چونکہ لوگ پیدل چلتے تھے یا گھوڑے اور گدھے پر سوار ہوتے تھے لہٰذا بہت زیادہ مقررات وقوانین کی ضرورت نہ تھی لیکن اس وقت چونکہ آمدو رفت کے وسائل میں بڑی وسعت ہو چکی ہے صحراء، دریا، زمین اور فضا میں ہر جگہ کا سفر ہو رہا ہے لہٰذا بڑے باریک قوانین بنا دیئے گئے ہیں یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''یہ جو تہمت لگائی گئی ہے کہ اسلام، زمانہ اور وقت کو درک نہیں کرتا'' یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔

ہاں! معترض صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کے جو احکام اس زمانہ کی واقعی مصلحت کے موافق نہ ہوں انھیں بتائے اور ثابت کرے یا حکم کی مصلحت کے بارے میں سوال کرے۔ یہ بحث بڑی طولانی ہے اس مختصر کتاب میں جس قدر گنجائش تھی ہم نے اس لحاظ سے بیان کر دیا پھر بھی اگر کوئی پیچیدہ بات باقی رہ گئی ہو یا کوئی ابہام واشکال ہو تو آپ ہمیں بتائیں تا کہ سلسلہ کو مزید آگے بڑھایا جائے۔

اسلام، فطری ہے

سوال نمبر ۸: اسلامی قوانین جو چودہ سو رسال پہلے اس وقت کے زمان ومکان کے مطابق وجود میں آئے تھے کیا ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب ۸: اس سوال کا جواب، گزشتہ جواب سے واضح ہے اور قوانین ''شریعت'' اسلام کی بنیاد، انسان کی مخصوص فطرت وخلقت ہے لوگوں کی اکثریت نہیں ہے (نصف بہ علاوہ واحد) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: معتدل دین اسلام کے قبول کرنے میں استوار رہو جو دین، خلقت کے مطابق ہے خدا نے لوگوں کو اسی کی بنیاد پر پیدا کیا ہے خدا کی خلقت میں کوئی ہونے والی تبدیلی نہیں ہے۔ (۱)

حضرت زینبؑ اور ولیعہدی کا منصب

سوال نمبر ۹: کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت زینب علیہا السلام ولایت عہدی کے منصب پر فائز تھیں؟

سوال نمبر ۱۰: اگر مذکورہ منصب پر فائز تھیں تو ان کے ذمہ جو مزید دوسرے کام تھے کیا ان سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ عورت بھی اسلام میں مرد کے برابر ہو سکتی ہے بشرطیکہ لیاقت وصلاحیت بھی رکھتی ہو؟

جواب: ۹، ۱۰: اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ بنیادی طور پر اسلام میں ولیعہدی کے عنوان سے کوئی چیز ہی نہیں ہے اگر ولیعہدی سے آپ کی مراد جانشینی ہے تو یقینی مدارک کے مطابق تیسرے امامؑ کے جانشین چوتھے امامؑ تھے ان کی بہن حضرت زینبؑ نہیں تھیں۔

---

(۱) فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔

ہاں! روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حسینی مشن میں حضرت زینب علیہا السلام نے جو یزید

اور بنی امیہ کے ظالموں کے خلاف قیام کیا اس کے لئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی وصیت تھی جن کے بارے میں حضرت زینب علیہا السلام کی بڑی اہم ذمہ داری تھی اور آپ نے اپنی اس شرعی ذمہ داری کو نبھانے کے سلسلہ میں اپنی علمی و عملی صلاحیت کا واضح ثبوت پیش کیا۔ اصولی طور پر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرہ کے اندر انسان کی اہمیت اس کے علم اور تقویٰ (دینی انفرادی و اجتماعی خدمات) کی وجہ سے ہے اور دوسرے معاشروں میں جو دوسری چیزیں امتیاز و فضیلت اور نفوذ کا باعث بنتی ہیں وہ یہ ہیں: دولت، عظمت، خاندان، پیروکار، خاندانی شرافت، حکومت و قضاوت کا منصب، فوجی عہدہ، اسلام میں ان امور کی کوئی اہمیت نہیں، اسلام میں کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے جو قدرت کے نفوذ کا معیار ہو، بنا برایں ایک مسلمان عورت سارے دینی امتیازات میں مردوں کے قدم بہ قدم چل سکتی ہے اور اگر اس کے اندر صلاحیت ہو تو تمام مردوں سے آگے بڑھ سکتی ہے جیسا کہ وہ حکومت و قضاوت اور جنگ ان تین امور کے علاوہ تمام اجتماعی مشاغل میں مردوں کے ساتھ شرکت کر سکتی ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرما رہا ہے: تم سب میں سب سے زیادہ محترم خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔(۱) نیز ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔(۲)

---

(۱) حجرات (۴۹):۱۳)...اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰیکُمْ...۔

(۲) زمر (۳۹):۹۔ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ...۔

اسلام میں خانوادہ

سوال نمبر۱۱: شادی اور تشکیل خانوادہ کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جواب۱۱: یہاں پر تفصیل کے ساتھ ہم اس مسئلہ کی وضاحت نہیں کر سکتے ہیں (کہ شادی، خانوادہ اور اس کے تمام قوانین کو منابع وحوالہ کے ساتھ ذکر کریں) پس یہاں پر اجمال واختصار کے ساتھ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے: اسلام کی نظر میں بشریت کے معاشرہ کی پیدائش اور اس کے بقاء واستمرار کے لئے شادی ایک اصلی وبنیادی عامل ہے یعنی معاشرہ کے تمام انسانوں کے درمیان خلقت کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لئے انسان کو مردانہ اور زنانہ آلات تناسل کے ساتھ اسے جنسی خواہشات کے ساتھ سے نوازا ہے تا کہ دونوں مل کر بچہ پیدا کریں، دونوں کے دلوں میں اپنی اولاد کے لئے مہر ومحبت قرار دی تا کہ حمل سے لیکر پیدائش اور پھر پرورش وتربیت کو انجام دیں اور روز بروز جو والدین کو تکلیف ہوتی ہے اس میں لذت پوشیدہ ہوتی ہے ان کی محبت میں اضافہ ہو کر تربیتی فعالیت بڑھ جاتی ہے اس طرح والدین نوزاد کو مرحلہ رشد تک پہنچا دیتے ہیں۔ والدین کی اس محبت کے رد عمل میں بچہ بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے پھر اس ترتیب سے ایک خانوادگی اجتماع پھر خویشاوندی اجتماع اور اس کے بعد شہری اور ملکی اجتماع وجود میں آجاتا ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس صورت میں معاشرہ کی بقاء اور اسے بربادی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ جنسی خواہشات پر کنٹرول کیا جائے مرد اپنی قانونی بیوی اور اسی طرح بیوی اپنے قانونی شوہر سے تجاوز نہ کرے، نوزاد کے باپ کو معلوم ومشخص ہونا چاہئے کیونکہ عورت اپنے ماں ہونے کے تشخص کی طبیعی ضامن رکھتی ہے اور وہ وضع حمل ہے اگر ایسا نہ ہو تو سارے جوان اپنی جنسی خواہشات غیر قانونی طریقہ سے پوری کرنے لگیں پھر تشکیل خانوادہ کی زحمت میں نہیں پڑیں گے نیز باپ اور ان کی اولاد کو اپنے نسبی

رابطہ پر کوئی اعتماد واطمینان نہ ہوگا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خانوادگی محبت کم ہوتی جائے گی آخر کار مجبور ہوکر سب لوگ زنا میں گرفتار ہوجائیں گے پھر بہداشتی (صحت وتندرستی) اجتماعی، اخلاقی، قطع نسل اور بے شمار جرائم اور خیانتیں اس طرح کی فحاشی سے پیدا ہوں گی مکمل طور سے خانوادگی محبت ختم ہوجائے گی جیسا کہ آپ مشاہدہ کررہے ہیں کہ جن ملکوں میں جنسی رابطہ برقرار کرنے پر آزادی ہے ان کے یہاں روز بروز خانوادگی محبت ختم ہوتی جارہی ہے اگر آئندہ بھی یہی حالت رہی تو یقینی طور پر تمام بشریت کے لئے بہت بڑا خطرہ لاحق ہوگا۔

کئی سال پہلے اخباروں اور مجلوں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ امریکہ میں جو لوگ سابقہ عشقبازی کے بغیر فوراً توافق کر کے آپس میں ناجائز طور پر جنسی رابطہ برقرار کر لیتے ہیں ان سے تین لاکھ حرامزادے بچے پیدا ہوئے ہیں اگر یہی حال رہا تو آئندہ سو برسوں کے اندر بشریت کے معاشرہ کا جو انجام ہوگا وہ واضح ہے۔ اسی لئے اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان شادی کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے جنسی رابطہ پر پابندی لگائی ہے اور بچے کی زندگی کے سارے اخراجات کے لئے باپ کو ذمہ دار بنایا ہے اور اسی کو اپنی اولاد کی زندگی کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اسلام نے ان لوگوں کو آپس میں شادی کرنے سے منع کیا ہے جو خویشاوندی اجتماع میں طبیعی معاشرت رکھتے ہیں جیسے: ماں، پھوپھی، خالہ، بہن، بھتیجی اور بھانجی یہ ساری عورتیں مرد پر حرام ہیں اور اسی طرح بہو، ساس، بیوی کی لڑکی بشرطیکہ اس کی ماں سے مقاربت کی ہو، سالی، نیز ہر شوہر دار عورت اور اسی طرح وہ رشتے دار جو دودھ پینے کی وجہ سے رشتے دار بن گئے ہوں یہ لوگ بھی نسبی رشتے داروں کے مانند ہیں اور عورت کے لئے بھی اسی نسبت سے وہ مرد حرام ہیں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ

ساری باتیں جو بیان کی گئی ہیں ان پر سورۂ نساء کی چند آیات دلیل ہیں اوران کے علاوہ حضرت پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی متعدد روایات بھی دلیل ہیں جو کتب اخبار میں منقول ہیں۔

اسلام میں طلاق

سوال نمبر۱۲: اسلام کی نظر میں طلاق کیا ہے؟

جواب۱۲: طلاق، اسلامی قوانین میں ایک قابل فخر چیز ہے اس کے ذریعہ آئندہ ہمیشہ پیدا ہونے والی ساری بد بختیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے جو بد بختیاں میاں بیوی کے درمیان نا اتفاقی و اختلاف کی بناپر ہوتی رہتی ہیں ۔اس قانون کی متانت وعظمت یہ ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں نے بھی یکے بعد دیگرے آہستہ آہستہ اسے تسلیم کرلیا ہے اس کے بارے میں مختصر بیان جواب نمبر۴ میں گزر چکا ہے۔طلاق، ضروریات اسلام میں سے ہے اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، قوانین طلاق اوران کے ادلہ کو اس مختصر کتاب میں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے

عورت اور انتخاب ہمسر

سوال نمبر۱۳: کیا اسلام میں عورت بھی مرد کی طرح شوہر کے انتخاب کرنے کا حق رکھتی ہے؟

جواب۱۳: اسلام میں عورت کو شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں آزادی حاصل ہے۔

اولاد کا مرد سے متعلق ہونا

سوال نمبر۱۴: اگر ماں باپ کے درمیان طلاق ہو جائے تو اولاد کا تعلق کس سے ہوگا؟

جواب۱۴: طلاق پانے والی عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ سات رسال تک اپنی اولاد کی پرورش کرے اس مدت میں اولاد کا خرچ شوہر کے اوپر ہوگا۔ اس کے حکم کی دلیل کے لئے اسلامی فقہ کی طرف رجوع کریں۔

تربیت اولاد

سوال نمبر۱۵: کیا آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: اپنی اولاد کو آئندہ کے لئے آمادہ کر رکھو؟

سوال نمبر۱۶: اگر یہ حدیث ہے تو کیا یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اسلامی قوانین کو زمان و مکان کے مطابق بدلنا چاہئے؟

جواب۱۵،۱۶: یہ حدیث، مرسل ہے جو کتاب نہج البلاغہ میں آپ کی طرف منسوب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اولاد کی تربیت موجودہ آداب و رسوم کے مطابق نہیں ہونی چاہئے کیونکہ موجودہ آداب و رسوم میں محدود ہونے کی وجہ سے انسان اپنی زندگی میں ترقی کرنے سے رک جاتا ہے جیسے وہ شخص جو گھوڑے و گدھے پر یا پیدل سفر کرنے کا عادی ہو گیا ہو اسی پر قناعت کرے تو اسے کبھی یہ فکر نہ ہوگی کہ موٹر گاڑی ایجاد کرے اور اسے استعمال کرے، پستی و بلندی کو ہموار کرے اور پکی سڑک تیار کرے۔ مذکورہ حدیث سے

مراد یہ نہیں ہے کہ قوانین شریعت جو (بنا بر نص، قابل تغییر نہیں ہیں) کا پابند نہ بنایا جائے اگر واقعاً اس سے مراد یہ ہو تو ہم مجبور ہو کر اس حدیث کو ٹھکرا دیں گے کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ اور تمام ائمہ معصومین علیہم السلام کی جانب سے ہمیں صریحی اور قطعی طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو حدیث، قرآن کی مخالف ہو اسے ٹھکرا دیں تسلیم نہ کریں اسی لئے سب سے پہلے ہر حدیث کو قرآن سے ملانا پڑے گا پھر قبول و تسلیم کرنے کا مسئلہ آئے گا۔

قوانین اسلام میں تبدیلی نہیں ہوتی

سوال نمبر ۱۷: اگر یہی بات ہے تو کیوں دینی امور کے اولیاء نے اس امر کو ہمیشہ سے موخر رکھا؟

جواب ۱۷: دینی امور کے اولیاء کو الٰہی قوانین (شریعت) کے بدلنے کا ذرّہ برابر بھی اختیار نہیں ہوتا ان حضرات کی ذمہ داری صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ دینی مسائل کو ان کے اصل منابع کتاب (قرآن) اور سنت (حدیث) سے استنباط کرتے ہیں جس طرح ایک حقوق داں کرتا ہے کہ وہ حقوقی مسائل کو ملک کے قانون سے صرف استنباط کر سکتا ہے اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ایک قانونی مادہ (خاص طور سے قانون اساسی) کو بدل دے۔ قوانین شریعت کے بارے میں دینی علماء کی بات تو بالکل آسان ہے یہاں تک کہ خود حضرت پیغمبر اکرم ﷺ جو شریعت کو لانے والے ہیں اور آپ کے سارے جانشین یعنی ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین جو شریعت کے محافظ اور معلم ہیں ان حضرات کو بھی اپنی جانب سے کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس طرح کے سوالات و اعتراضات ان لوگوں کی جانب سے ہوتے ہیں جن کا طرز تفکر، مغربی ہوتا ہے کیونکہ مغربی جامعہ شناس افراد کا

نظریہ اسی طرح کا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو انبیاء صاحبِ شریعت تھے وہ نابغہ اور معاشرہ کے متفکر افراد تھے جنھوں نے اپنے معاشرہ کے نفع کے لئے قیام کیا لوگوں کو سیدھے راستہ کی دعوت دی اور انھوں نے وقت کے تقاضا کے لحاظ سے اپنے ذہن سے کچھ قوانین وضع کئے پھر لوگوں کو اس کی تعلیم دی، اپنے آپ کو خدا کا رسول بتایا، اپنے پاکیزہ افکار کو وحی آسمانی سے تعبیر کیا، اسے خدا کا کلام، اللہ کا دین وشریعت بتایا اور اپنے خالص افکار کو جبرئیلؑ اور وحی کا سرچشمہ بتایا۔

واضح رہے کہ اس مذکورہ نظریہ کے مطابق ادیان آسمانی کے قوانین اور انھیں میں سے ایک شریعت اسلام بھی ہے ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ وقت کی جیسی مصلحت ہو اس کے مطابق یہ سارے قوانین بنائے جائیں پھر تو یہ سارے اعتراضات جو ان چالیس/سوالات کے درمیان جابجا کئے گئے ہیں وہ سب کے سب بجا ہوں گے لیکن ان صاحبِ نظر افراد نے اپنے نظریہ میں یہ غلط راستہ اختیار کیا ہے، انبیاء نے جو دعوے کئے ہیں ان کے بارے میں غور وفکر سے کام نہیں لیا بلکہ بے بنیاد قیاس کر کے فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر دوسری آسمانی کتابوں کی سند اور گزشتہ انبیاء کی زندگی کی تاریخ، ابہام وتاریکی سے خالی نہیں ہوتی جب بھی قرآن کریم کا متن جو کہ اسلام کی آسمانی کتاب ہے، حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی کی تاریخ نیز اور آپ کے جانشینوں کے قطعی الصدور بیانات موجود جو ہیں وہ اس نظریہ کو جھٹلاتے ہوئے انھیں غلط بتاتے ہیں۔

اس وقت ہم اسلام کی طرفداری نہیں کر رہے ہیں یا اس کی حقانیت کا دفاع نہیں کر رہے ہیں لیکن جس شخص کو اس دنیا کے بارے میں تھوڑی بہت بھی اطلاع ہوگی اور جو قرآن کریم نیز اولیائے دین کے بیانات خاص طور سے اس کتاب کو لانے والے پیغمبرؐ کے اقوال کو

ملاحظہ کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ سراسر ان لوگوں نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے، قرآن کریم بڑی صراحت کے ساتھ اعلان کر رہا ہے: ''پیغمبر اکرم کو خدا کے دین میں کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں ہے آپ صرف پیغام الٰہی کو پہنچانے والے ہیں۔(۱)

نیز صراحت کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے: خدا کا دین کسی بشر کی فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسے احکام وقوانین ہیں کہ جنھیں خدا نے رسولؐ کے ذریعہ اپنے بندوں کے لئے نازل کیا ہے۔(۲)

جو لوگ یہ تہمت لگا رہے تھے کہ قرآن خود پیغمبرؐ ہی کا کلام ہے قرآن میں صراحت کے ساتھ ان کے بارے میں اعلان ہو رہا ہے: یَقیناً قرآن، خدا کا کلام ہے بشر کا کلام نہیں ہے اس کے سارے مضامین کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہیں۔(۳)

اسی طرح دوسرے مقام پر صریحاً اعلان ہو رہا ہے: حضرت پیغمبر اکرمؐ پر آسمانی وحی اور نبوت کا خاتمہ ہو جائے گا اور قرآن کے احکام، قیامت تک کے لئے ہیں اور وہ منسوخ نہیں ہوں گے۔(۴)

---

(۱) مائدہ (۵): ۹۲۔۹۳۔

(۲) حاقہ (۶۹): ۴۰۔۴۳۔

(۳) مدثر (۷۴): ۲۵۔

(۴) احزاب (۳۳): ۴۰۔

گزشتہ باتوں کے پیش نظر جو شخص اسلام کے کچھ قوانین کو آج کل کی زندگی کے لحاظ سے غیر قابل تطبیق سمجھتا ہے اسے چاہئے کہ اسلام کی اصل حقانیت کے اوپر اعتراض کرے کہ جسے جاودانی قوانین سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تغییر کے لئے کوئی راہ چارہ وتدبیر کرے۔

ترقی یافتہ دین

سوال نمبر ۱۸: کیا آپ یہ نہیں تسلیم کررہے ہیں کہ آج کل تعلیم یافتہ مسلمان جوان جو دین سے پیچھے ہٹ رہے ہیں وہ دینی قوانین کی پسماندگی کی وجہ سے ہے یہ پرانے قوانین آج کل کی ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی دنیا کے مطابق نہیں ہیں؟

جواب ۱۸: آپ کے لئے بہتر اور مناسب تھا کہ صرف دعویٰ ہی نہ کرتے بلکہ اس کے ساتھ اسلام کے کچھ ان قوانین کے نمونوں کو بھی بیان کرتے جو پسماند (بیک ورڈ) ہیں تا کہ دلیل کے ساتھ بحث کی جاتی .اسلام کے قوانین فرسودہ اور پسماند نہیں ہیں لیکن قوانین سے دور افتادہ مسلمان بہت زیادہ ہیں !تمام آسمانی ادیان خاص طور سے دین اسلام ،انسان کی ابدی وسرمدی زندگی اور ماورائے طبیعت کے ساتھ انسان کے عالمی پیمانہ پر رابطہ سے بحث کرتا ہے اور یہ جو بحث کا طریقہ ہے اس کا آج کل کے علم اور اس دور کی ٹیکنالوجی سے کیا ربط ہے؟ آج کل کے علم کا موضوع بحث، مادہ اور خواص مادہ ہے اور آج کل کی ٹیکنالوجی بھی مادہ کے اردگرد اور اس کے اطراف میں گھوم رہی ہے لہٰذا اس لحاظ سے ماوراء مادہ امور میں اسے قبول کرنے یا ٹھکرانے کے سلسلہ میں اس کو کسی طرح کے اظہاری کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے مسلمان نوجوانوں نے جو دینی قوانین کو پس پشت ڈال دیا ہے تو اس کا گناہ دین کے قوانین پر نہیں ہے اور اس کے لئے ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان صرف دین ہی سے روگردانی نہیں کررہا ہے بلکہ جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے انسان، وجدانی مقررات اور انسانیت کو بھی کچل رہا ہے، جھوٹ، خیانت، چاپلوسی، بے عفتی اور لاپرواہی یہ ساری برائیاں ہمارے تعلیم یافتہ جوانوں کے اندر موجود

ہیں اور خود یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ غالبًا ہر قسم کی پاکی وراستی اور درستی کے دشمن ہیں صرف دین ہی کے دشمن نہیں ہیں۔

دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے تعلیم یافتہ جوان (اگر چہ وہ دوسروں کی بہ نسبت کم ہی ہیں) ایسے بھی تو موجود ہیں جو بہترین اخلاق سے آراستہ ہیں، اسلامی معارف سے آشنا ہیں اور وہ لوگ اسلام کے اسی پسماندہ قوانین پر پابندی سے عمل کر رہے ہیں، اسلام ان کے علم اور ان ٹیکنالوجی سے قطعاً کوئی منافات نہیں رکھتا ہے، وہ لوگ اپنی زندگی میں کوئی رنج وتکلیف کا احساس نہیں کرتے پس حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں نے جو دین سے روگردانی اختیار کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا طرز تعلیم ان کی تربیت اور تہذیب پر کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے ان کے سرپرستوں نے اپنی صحیح ذمہ داری نہیں ادا کی ہے اس میں دینی قوانین، انسانی فضائل اور اخلاقی مقررات کا کوئی قصور نہیں ہے۔

فحشاء اور منکرات کی قباحت

سوال نمبر ۱۹: فحشاء کے سلسلہ میں کہ جس میں عورت اور مرد برابر کے شریک ہیں آخر اس میں عورت کی ملامت اس قدر کیوں کی جاتی ہے؟

سوال نمبر ۲۰: اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مرد ایک ایسا موجود ہے جو بہتر اور طاقتور ہے تو اس صورت میں اسے اپنے اعمال پر اچھی طرح کنٹرول رکھنا چاہئے اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر مرد ہی کی ملامت زیادہ ہونی چاہئے؟

جواب ۱۹، ۲۰: اسلام میں کسی ایسے دستور کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔

ایک ناروابات

سوال نمبر۲۱: لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے یہ سفارش کی ہے کہ اگر کسی کو اپنا بیٹا بنائیں تو بعینہ اپنے حقیقی بیٹے کی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کریں، یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

سوال نمبر۲۲: اس صورت میں نبیؐ نے کیسے اس عورت سے شادی کر لی جس کو اس شخص نے طلاق دی تھی کہ جسے آپ نے اپنا بیٹا بنایا تھا؟

جواب ۲۱، ۲۲: قطعاً پیغمبر اکرمؐ کی جانب سے کوئی ایسی سفارش نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک تہمت ہے جسے اسلام کے مخالفین خاص طور سے مغربی مسیحی افراد آپ پر لگاتے ہیں حضورؐ نے جس لڑکے کو اپنا بیٹا بنایا تھا اس کی مطلقہ بیوی سے اس لئے آپ نے شادی کی تھی کہ اس غلط رسم کو توڑ کر اس کے باطل وغلط ہونے کا اعلان کر دیں کیونکہ اس وقت کے اکثر ملکوں میں یہ رسم تھی کہ لوگ ایک خاندان کے لڑکے کو دوسرے خاندان سے ملحق کر لیتے تھے اور اس کے ساتھ حقیقی خویشاوندی کا معاملہ انجام دیتے تھے، قرآن مجید میں سورۂ احزاب میں اس سلسلہ میں کئی ایک آیات نازل ہوئی ہیں۔

شادی کا سن

سوال نمبر۲۳: جب حضرت محمد ﷺ انسانیت وآدمیت کے عظیم درجہ پر فائز تھے اور وہ تربیت بشریت کے ایک عظیم معلم کی حیثیت رکھتے تھے نیز سارے انسانوں کے لئے عملی نمونہ تھے تو پھر آپ نے کیوں (تقریباً) بڑھاپے میں ایک ۹ رسالہ لڑکی سے شادی کی؟

جواب ۲۳: ایک جوان عورت کے لئے بوڑھے آدمی سے شادی کرنے میں اگر کوئی عیب ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ بوڑھے کے ساتھ آمیزش ،لذت بخش نہیں ہوگی یا یہ کہ چونکہ دونوں کا سن برابر نہیں ہے لہٰذا عام طور سے بیوی کے بوڑھاپے سے پہلے ہی شوہر مر جائے گا اور عورت ایام جوانی میں بیوہ ہو جائے گی لیکن یہ بات بالکل ظاہر اور بہت زیادہ واضح ہے کہ شادی کے صرف یہی دو مقصد نہیں ہیں لہٰذا اس طرح کی شادی کے ممنوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ مقاصد سے کہیں زیادہ اہم کچھ دوسرے مقاصد ہوں کہ جس کی وجہ سے شادی کی جائے۔

کئی سال پہلے جب ''آیز نہاور'' امریکہ کا صدر تھا امریکہ میں کثیر تعداد میں شائع ہونے والے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ وہاں کی باکرہ لڑکیوں سے یہ سوال کیا گیا کہ تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ امریکہ کی اکثر غیر شادی شدہ لڑکیوں نے جواب دیا تھا کہ ہم ''آیز نہاور'' سے شادی کے خواہاں ہیں۔ جب کہ وہ نہ تو جوان تھا اور نہ شکل و صورت کے لحاظ سے اچھا تھا۔

جس کو بھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ زندگی اور شادی کے بارے میں کچھ معلومات ہے وہ یہ جانتا ہے کہ آپ نہ تو شہوت پرست تھے اور نہ ہی آپ کو خوش گزرانی کی عادت تھی آپ کے سارے امور تعقل کی بنیاد پر تھے احساسات کی بنیاد پر نہیں تھے آپ نے یہ شادی اس لئے کہ تھی کی لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ اس طرح کی شادی جائز ہے نیز آپ کے مشن کو ترقی دینے میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔

متعہ

سوال نمبر۲۴: اہل سنت، متعہ کے مخالف ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے اور اس عمل سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر۲۵: کیا آپ یہ نہیں سوچتے کہ متعہ انسانی قوانین کے خلاف ہے اور عورت کو وہ (ایک انسان اگر آپ قبول کرلیں تو) ایسی حالت میں لا کھڑا کرتی ہے کہ بڑے اطمینان سے افزائش نسل میں اضافہ کرتی ہے۔ (بچہ پیدا کرتی ہے)

جواب ۲۴، ۲۵: نکاح متعہ کی مشروعیت، قرآن کریم میں سورۂ نساء کی آیت نمبر۲۴ میں ثابت ہوچکی ہے اور شیعہ حضرات اہل سنت کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ یہ عمل، قرآن کریم سے ثابت ہے حضرت رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی اور پہلے خلیفہ کی پوری خلافت کے دوران بلکہ دوسرے خلیفہ کی خلافت میں بھی کچھ عرصہ تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے مگر اس کے بعد دوسرے خلیفہ نے منع کردیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کے حکم کو صرف قرآن ہی منسوخ کرسکتا ہے اسلامی حکومت (وخلافت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ شائستہ قوانین (شریعت) کے بارے میں اپنا نظریہ ظاہر کرے۔

نکاح متعہ سے مراد موقت شادی ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی مشروعیت میں کوئی شک نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ فلسفۂ احکام کے لحاظ سے طلاق کی مشروعیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وقتی شادی بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ وقتی شادی، آثار کے لحاظ سے اس طرح منظّم ہونی چاہئے کہ محذورات ونقصانات سے محفوظ رہے پھر کوئی دلیل نہیں رہ جاتی کہ اسے ممنوع قرار دیا جائے اور یہ جو کہا گیا ہے: ''یہ عمل، عورت کو ایسا بنادیتا ہے کہ وہ بڑے آرام سے افزائش نسل کا اضافہ کرنے لگتی ہے'' یہ خامخواہ کی بے دلیل باتیں ہیں

کیونکہ عورت اس عمل کو اپنے اختیار سے قبول کرتی ہے وہ مجبور نہیں ہوتی ہے اور اس عمل میں مرد کے پیش نظر جو مقاصد ہو سکتے ہیں وہ عورت کے پیش نظر بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ اگر مصاحبت ،لذت ،اولاد کی ولادت اور زندگی کے دوسرے بہت سے فوائد ہیں تو دونوں کے لئے ہیں ۔ بنابرایں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ دونوں میں سے صرف ایک کو دوسرے کا کھلونا سمجھا جائے۔ ان باتوں کے علاوہ اگر آپ ایک عام اور وسیع نظر کے ساتھ انسانی دنیا کو دیکھیں اور غور کریں تو واضح طور پر مشاہدہ کریں گے کہ انسانی معاشرہ کی جنسی آمیزش کو صرف دائمی نکاح اور شادی میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے اور پھر اس کے علاوہ ہر قسم کی جنسی آمیزش کو غیر قانونی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور جو دائمی شادی رائج ہے صرف اسی سے جنسی خواہشات کو پورا نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی مزید ضرورت رہتی ہے۔

قانونی حکومتیں دنیا کے متمدن اور نیم متمدن کسی ملک میں کسی ذریعہ سے بھی وقتی آمیزش کی کثرت کو نہیں روک سکی ہیں اور تمام بڑے شہروں میں اس کام کے لئے کھلم کھلا یا پوشیدہ طور سے اڈے ہوتے ہیں ۔اس صورت میں جو مذہب جنسی خواہش کو صرف شادی میں محدود کرنا چاہے اور مطلق طور سے زنا سے منع کرے وہ خود مجبور ہے کہ وقتی شادی کو ایسے خاص شرائط کے ساتھ اپنے قوانین میں جگہ دے جس سے زنا کی ساری برائیاں ختم ہو سکیں اور اس عام خواہش نفسانی کا جو تقاضا ہے وہ مکمل طور سے پورا ہو سکے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: ''اگر دوسرے خلیفہ اس نکاح متعہ کی وقتی شادی کو منع نہ کئے ہوتے تو صرف وہی لوگ زنا کرتے جو گمراہی سے ہلاک ہونے والے تھے۔'' یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ متعہ کو

انسانی قوانین کے خلاف سمجھنا حقیقت سے کس قدر دوری ہے۔ البتہ اسلامی قوانین سے مراد وہ قدیمی قوانین نہیں ہیں جو اسلام سے پہلے تھے جیسے روم کے قدیم قوانین اور حمورابی قوانین کیونکہ اس قانون میں عورت کے ساتھ ایک جانور یا قیدی جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا بلکہ اس سے غربی قوانین مراد ہیں۔ ہم انسانی دنیا کو وہی مغربی دنیا اور انسانی معاشرہ کو مغربی معاشرہ اور انسان کو وہی مغربی انسان سمجھتے ہیں اور یہ ہر قسم کے اوامر سے متاثر تھی (واقع بینی، تلقین، تقلید، تبلیغ و خطا) فی الحال یہ خیال ذہن کے اندر بغیر قید و شرط کے حکومت کر رہا ہے لیکن یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان پُر افتخار انسانوں نے شادی کے علاوہ عام معاشرتی زندگی میں اس خلافِ انسانی قانون کی جگہ کیا رکھا ہے اور متمدن ملکوں میں خاص طور سے جو سب سے زیادہ متمدن ہیں وہاں عورتوں، مردوں، لڑکوں اور باکرہ لڑکیوں کے درمیان اور خود مردوں نیز جوانوں کے درمیان کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے؟ دائمی شادی کی راہ سے جو کمی لازم آتی ہے وہ کس راہ سے پوری ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں جو حیرت انگیز اعداد و شمار ہیں ان سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟

مسلمانوں کی تنزلی

سوال نمبر ۲۶: مغربی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو صرف سادہ، کسان، بدو اور ان لوگوں کے لئے ہے جو آج کل کے مشینری تمدن کے ساتھ آگے نہیں بڑھ رہے ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان ملکوں میں سے کوئی ایک ملک بھی ترقی یافتہ ملکوں میں سے نہیں ہے اور اسلام نے مشینری اور متمدن ممالک میں بالکل کوئی ترقی نہیں کی ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ اسلامی قوانین کو کسی طریقہ

سے بدلا جا سکتا ہے یا اس کا ایسا ترجمہ کیا جا سکتا ہے جسے تعلیم یافتہ افراد تسلیم کر لیں اور وہ علم کے مطابق ہو؟

جواب ۲۶: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی ممالک، ترقی یافتہ ملکوں میں سے نہیں ہیں لیکن سب سے بڑھ کر یہ دیکھنے کی ضروت ہے کہ جو ممالک، اسلامی ملک کہلاتے ہیں ان میں سے کس ملک میں اسلامی قوانین جاری کئے جاتے ہیں؟ ان ملکوں کا صرف اسلامی ملک نام رکھ دیا گیا ہے اس سے زیادہ ان کا اسلام سے کیا سروکار ہے؟ ان ممالک کے کچھ لوگ ظاہری طور پر اور اپنی پرانی عادت کے مطابق اسلامی عبادت جیسے نماز، روزہ اور حج بجالاتے ہیں اس کے علاوہ انھوں نے اسلام کے انفرادی و اجتماعی اور جزائی و حقوقی کن قوانین کو محفوظ رکھا ہے؟ تو کیا ایسی صورت میں یہ مذاق نہیں کہ اسلامی ملکوں کی تنزلی کا قصور، اسلام کی گردن پر ڈال دیا جائے؟

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے: اگر خود دین اسلام ایک ترقی یافتہ دین (ماڈرن) ہوتا اور اس کے اندر پورے معاشرہ کو چلانے اور اصلاح کرنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ خود بخود معاشرہ کے اندر اپنی جگہ پیدا کر لیتا اور متروک نہ رہتا۔ البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاشرہ کی ترقی نہ کرنے کی دلیل اسلامی قوانین میں تنزلی کی وجہ سے ہے تو آپ یہ بتایئے کہ مغربی ماڈرن ڈموکراسی جو نصف صدی سے ان ملکوں میں قبول کی گئی ہے اس نے ابھی تک اپنے لئے کوئی جگہ نہیں بنائی ہے اور ان کی ترقی میں ذرا سا بھی اثر نہیں دکھایا ہے کیونکہ شکل و صورت کے علاوہ اس کا کوئی اثر ہی نہیں؟ پھر کیوں مشرقی لوگ مغربی لوگوں کے مانند اس ترقی یافتہ روش سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں؟ کیوں یہی انسانی نظام حکومت (ڈموکراسی) جو سالہا سال انسانیت کے گہوارے (غرب) میں رہا اور اپنی ایک مستقل جگہ بنا چکا تھا اور

یہ وہاں کے معاشرہ کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا تب بھی کمیونسٹ کی فریاد کو نہ دبا سکا پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نصف صدی سے کم حصہ میں کمیونسٹ نظام حکومت روئے زمین کی تقریباً آدھی آبادی پر چھا گیا یہاں تک کہ یورپ اور امریکہ کے اہم حصوں میں نفوذ کر گیا اور روزانہ انھیں ترقی یافتہ انسانوں (مغربی لوگوں) سے ایک نئی ٹکر لیتا ہے؟ کیا انھیں بہانوں سے یہ نظریہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ کمیونسٹ نظام حکومت ڈموکریسی نظام حکومت سے ترقی یافتہ ہے اور ڈموکریسی نظام حکومت بدو لوگوں کا طریقہ ہے؟

ان ساری باتوں کے علاوہ صرف اسلامی ممالک ہی تنزلی کا شکار نہیں ہیں کہ اس کا قصور، اسلام کی گردن پر رکھا جائے بلکہ ایشیاء اور افریقہ کے تمام ممالک بھی اسی میں گرفتار ہیں جن میں تمام مذہب وملت کے لوگ مبتلا ہیں برہمن، بدھ، مسیحی اور اسلام یقیناً ایشیاء اور افریقہ کے دوثروت خیز برّ اعظم کا گناہ وقصور یہی ہے کہ یہ لوگ غرب اور ان کے بے انتہا حرص وطمع کے چنگل میں واقع ہیں جب تک یہ دونوں بے نیاز برّ اعظم بغیر کسی چوں چرا (سوال وجواب) کے مغربی کمپنیوں اور بازاروں کے لئے اپنے ملک کی زمین کے اندر اور اس کے اوپر کے سارے مواد اوّلیہ (ذخیروں) کو ان کے سپرد کرتے رہیں گے اسی طرح ان کے محتاج بنے رہیں گے کبھی ان کے ملک ترقی یافتہ (غربی) نہیں بن سکتے اور اس میں بسنے والے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان وہ کبھی اپنے آقاؤں سے ملحق نہیں ہوسکتے جیسا کہ ہم نے ابھی تک یہی دیکھا ہے، ایک دن استعمار کے نام سے، ایک دن استملاک کے نام سے، ایک دن اشتراک منافع کے نام سے اور ایک دن اقتصادی امداد کے نام سے ہمارے اوپر سوار ہوجائیں گے۔

سوال میں جو یہ جملہ کہا گیا ہے: ''کیا اسلام کو اس طرح بدلا جاسکتا ہے یا اس طرح اس کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ تعلیم یافتہ افراد تسلیم کرلیں اور وہ علم کے موافق ہو'' جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلامی معارف جو کتاب وسنت میں ہیں اس کتاب وسنت کے مطابق ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ تو کوئی تاویل ہی کی جاسکتی ہے اور چونکہ اسلام ایک برحق دین ہے اسلام کو کوئی ضرورت نہیں کہ تعلیم یافتہ افراد قبول کریں بلکہ خود تعلیم یافتہ کو حق اور واقع بینی کی ضرورت ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے اور سیدھا راستہ بالکل روشن ہے۔(۱)

ہم دوبارہ پھر یہ عرض کررہے ہیں کہ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے کہ اسلام، علم کا مخالف ہے ،بہتر تھا کہ آپ اس کے چند نمونے بیان کرتے تاکہ بات دلیل کے ساتھ ہوتی اور صرف دعویٰ ہی نہ رہتا کہ ''اسلام، علم کا مخالف ہے''۔

قانونی لحاظ سے سب برابر ہیں

سوال نمبر ۲۷: کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

---

(۱) بقرہ (۲):۲۵۶: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ.....۔

حضرت علی علیہ السلام دونوں بزرگوار نے فرمایا ہے کہ ایک انسان کی اہمیت اس کی وجہ سے اعمال ہے، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ وہ کس کی اولاد ہے، کس خاندان سے ہے اور کس رنگ کا ہے؟

سوال نمبر ۲۸: اس صورت میں کیوں شیعہ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کو تمام دوسرے لوگوں سے بہتر اور پاک و پاکیزہ سمجھتے ہیں؟

جواب ۲۷، ۲۸: اسلامی نقطۂ نظر سے تمام لوگ قانون اور عدالت کے لحاظ سے برابر ہیں اس جہت سے بادشاہ و گدا، غنی و فقیر، قوی و ضعیف، عورت اور مرد اور کالے و گورے یہاں تک کہ پیغمبر و امام جو معصوم ہیں اور ان کے علاوہ بقیہ تمام لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا کسی استثناء و امتیاز کے ذریعہ کسی کو محکوم نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کی قانونی آزادی کو نہیں چھینا جا سکتا ہے۔

سادات کرام کا جو احترام کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے قرآن کی ایک آیت میں اپنے پیغمبر کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں سے یہ کہہ دیں کہ ان کے رشتے داروں سے دوستی و محبت کریں۔(۱)

اس الٰہی حکم کا راز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت و شہادت کے بعد ظاہر ہوا لوگوں نے آپ کی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ کسی رہبر و رہنما کی اولاد کے ساتھ ویسا برتاؤ نہیں کیا حضورؐ کی رحلت کے بعد سادات کرام کو صدیوں تک امن و امان نصیب نہ ہوا، انھیں

---

(۱) شوریٰ (۴۲): ۲۳: قُلْ لاَ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی....

قتل کیا گیا، ان کے کٹے ہوئے سروں کو تحفہ کے عنوان سے ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جایا گیا، انھیں زندہ حالت میں زمین کے اندر دفن کیا گیا، انھیں عمارتوں کے نیچے اور دیواروں کے اندر چن دیا گیا، سالہا سال تاریک قید خانوں میں بند کیا گیا، زہر دیا گیا

پھر ہجرت کے کئی سو سال بعد شیعوں کو تھوڑا سا استقلال نصیب ہوا انھیں مذہب میں آزادی ملی۔ اہل سنت کی جانب سے رسولؐ کی اولاد اور ان کے چاہنے والوں پر جو ظلم ڈھائے گئے اس کے رد عمل میں سادات کرام کا احترام کیا جاتا ہے۔

سور کا گوشت حرام ہونے کا فلسفہ

سوال نمبر ۲۹: اسلام میں سور کا گوشت کھانا کیوں حرام ہے؟

جواب ۲۹: صرف اسلام ہی میں سور کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے بلکہ انجیل وتوریت اور اسلام سے پہلے کے بھی تمام آسمانی ادیان میں حرام تھا، اس کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں صحت کے لئے بہت سے نقصانات ہیں اور یہ جانور، نجاست خوار ہے۔

مسکرات کے حرام ہونے کا فلسفہ

سوال نمبر ۳۰: اسلام میں شراب کیوں حرام ہے؟

جواب: ۳۰: اسلام نے اپنی تعلیم وتربیت کی بنیاد کو عقل کے اوپر استوار کیا ہے صرف یہی عقل وہ چیز ہے جس سے انسان کو تمام حیوانات سے امتیاز حاصل ہوتا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ شراب اور دوسری تمام نشہ آور چیزیں اس امتیاز کو ختم کر دیتی ہیں جس کے اوپر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے اور بغیر کسی استثناء کے دینی تعلیم وتربیت کے مقصد کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہیں۔

مختلف قسم کے ظلم وستم قانون کی خلاف ورزی اور بے راہ روی یہ سب کچھ شراب کی وجہ

سے ہے یا شراب کا بھی ان امور میں حصہ ہوتا ہے اسی طرح شراب کے باعث عالم انسانیت میں جو روزانہ روحانی وجسمانی اور وراثتی برے آثار ونقصانات ظاہر ہو رہے ہیں ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہے۔(۱)

جائز اور ناجائز تعلقات

سوال نمبر ۱۳۱: عورت اور مرد کے درمیان عشق اور جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

جواب ۱۳۱: عاشقانہ تعلقات میں چاہے مقاربت وآمیزش ہو یا اس کے مقدمات ہوں اگر دونوں کے درمیان شادی نہ ہوئی ہو تو جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے اسلام میں ممنوع وحرام ہیں اور اصولی وقانونی طور پر یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اسلام میں جو حرام ہونے کی حکمت ہے وہ تمام طبقات کی آزادی کو سلب کرنا یا دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرنا یا ان میں مزاحمت ایجاد کرنا نہیں ہے کہ طرفین رغبت کے ساتھ دوسروں کے حقوق پر تجاوز کئے بغیر اور مزاحمت ایجاد کئے بغیر آزادی کے ساتھ اس عمل کی طرف اقدام کرنے لگیں بلکہ یہ عمل اس لئے حرام ہے کہ اجتماع کو تشکیل دینے میں باپ اور میراث کا علم ہونا چاہئے سابق میں یہ بحث گزر چکی ہے لہٰذا اس لحاظ سے زنا کے تمام اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے ساری قسمیں ممنوع وحرام ہیں اس محاسبہ میں لواط بھی زنا کے مانند ہے۔

---

(۱) مائدہ (۵): ۹۰۔۹۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْأَنْصَابُ وَ الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؛ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَ عَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ.

احکام اسلام کا تبدیل نہ ہونا

سوال نمبر۳۲: کیا آپ کلی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلامی قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے؟

سوال نمبر۳۳: ان تغیرات میں کیا آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام دینی رہنما آگے آگے ہوں یا جب تبدیلی پیدا ہوجائے تو انھیں چاہئے کہ موافقت کریں؟

جواب ۳۲،۳۳: جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کے قوانین (خدا کے ثابت احکام) کسی طرح بھی نہیں بدل سکتے دینی رہنماؤں کو بھی بدلنے کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ چاہے وہ آگے ہوں یا پیچھے رہیں یا وہ لوگ کسی سلسلہ میں وقتی طور پر یا غیر موقت طور پر موافقت کریں، خداوند عالم حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمارہا ہے:

''اگر ہم آپ کی حفاظت نہ کئے ہوتے تو آپ کچھ موارد میں اسلام کا نفع دیکھتے ہوئے کفار کے ساتھ موافقت کرنے پر مائل ہوگئے ہوتے اس وقت ہم آپ کو دنیا و آخرت کی دوگنا بدبختی چکھاتے پھر آپ کسی کو مددگار نہ ہو پاتے۔''(۱)

---

(۱) اسراء(۱۷):۷۴۔۷۵: وَ لَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئاً قَلِیْلاً ؛ اِذاً لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَاتَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْراً.

احکام اسلام کا مقبول ہونا

سوال نمبر۳۴: کیا آپ انفرادی طور پر ان تمام اسلامی عادات وقوانین پر بغیر کسی چوں چرا

کے عقیدہ رکھتے ہیں؟

جواب۳۴: مسلمانوں کے درمیان جو عادات، آداب ورسومات موجود ہیں اگر کتاب وسنت میں ان کا وجود نہ ہوتو ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن شریعت کے جن قوانین کا یقینی طور پر کتاب وسنت میں ذکر ہے ان کا قبول کرنا واجب ہے ان کی خلاف ورزی، جائز نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ایک حدیث

سوال نمبر۳۵: حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: اپنے والدین کی وجہ سے مسلمان نہ بنو بلکہ اس لئے مسلمان بنو کہ تم خود اس پر ایمان لائے ہو اور اسے تسلیم کرتے ہو جس کو چاہو اپنی عقل سے قبول کرو اس صورت میں کیا ہر مسلمان کو آزادی کے ساتھ یہ حق نہیں حاصل ہے کہ وہ جن اسلامی قوانین کو چاہے قبول کرے اور جن کو عقل کے ذریعہ قبول نہ کرے بلکہ انھیں ٹھکرادے؟

جواب۳۵: آپ کی یہ حدیث، اسلام کے ان اعتقادی معارف کی طرف اشارہ کررہی ہے جن پر عقل کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے یہ ان عملی قوانین سے مربوط نہیں ہے جن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے اور بعض قوانین پر عمل کرنا بعض پر عمل نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا نہ صرف یہ کہ اسلام کے قوانین میں اس طرح کی تبعیض جائز نہیں ہے بلکہ دوسرے اجتماعی قوانین کا بھی یہی حال ہے اور تبعیض کی وجہ سے تشکیل یافتہ معاشرہ، متلاشی ہوکر رہ جاتا ہے مثلاً جس ملک میں ڈموکریسی (جمہوریت) نظام حاکم ہے اس میں اشراف و بزرگ افراد کو یہ آزادی نہیں مل سکتی کہ جو چیزیں ان کی عقل کے موافق نہ ہوں انھیں تسلیم نہ کریں

اور نتیجہ میں کچھ لوگ مالیات کے قانون کو چھوڑنے لگیں کچھ لوگ تجارت کے قوانین کو ترک کرنے لگیں کچھ لوگ جزائی قوانین کو اور کچھ لوگ انتظامات کے احکام کو نظر انداز کرنے لگیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ایسا کرنے سے پورے معاشرہ میں ہرج ومرج لازم آئے گا بلکہ ہر وہ شخص کہ جو ڈموکریسی نظام کو قبول کرتا ہے وہ ایک قانون داں وکیل کی مدد سے تمام قانون کو تسلیم کرتا ہے اور تمام قانون کو غیر قابل رشد سمجھتا ہے۔

اسی طرح اسلام میں بھی جس شخص نے عقل کے ذریعہ اسلام کے اعتقادی معارف کو تسلیم کیا ہے تو اس نے اسی کے ضمن میں نبوت کی بھی تصدیق کی ہے وہ اس پر بھی ایمان رکھتا ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جو قوانین پیش کئے ہیں انھیں آپ نے خدا کی طرف منسوب کیا ہے لہٰذا یہ سارے وہ قوانین ہیں جو درحقیقت خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور خدا قطعاً اپنے احکام وفرامین میں پس وپیش اور غلطی نہیں کرتا ان سارے قوانین میں اس کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ بندوں کو نفع پہنچے اس نے ان کی مصلحت کی رعایت کی ہے جس کا اجمالی ایمان اس طرح کا ہوگا وہ اجمالی طور پر تمام اسلامی قوانین کی تصدیق بھی کرے گا اور کبھی انھیں نہیں ٹھکرائے گا چاہے بھلے ہی اسے ہر ایک کے بارے میں تفصیلی علم حاصل نہ ہوسکے بنابرایں بعض قوانین کو قبول کرنا اور بعض کو قبول نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

اسلام، دین توحید ہے

سوال نمبر ۳۶: کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تو اس بات کی علامت ہے کہ ہر انسان کو یہ آزادی حاصل ہے کہ جس دین کو چاہے قبول کرے اور ایک مسلمان کو چاہئے کہ تمام ادیان کو محترم سمجھے؟

جواب ۳۶: حقیقت دین سے مراد یہ ہے: دنیا اور انسان کے خالق کے بارے میں فلاں فلاں عقیدہ رکھے ان عقائد کے علاوہ کچھ عملی ذمہ داریاں ہیں جن کا ان عقائد کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ بنا برایں یہ کوئی تشریفاتی چیز نہیں ہے کہ انسان کے اختیار میں ہو اور انسان کا دل جس دین کو چاہے قبول کر لے بلکہ ایک ایسی واقعیت ہے کہ انسان اور اس کا اختیار اس کے تابع ہے اور پیروی کرنا ضروری ہوتا ہے مثال کے طور پر یہ مسئلہ کہ ''ہم سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہیں'' یہ ایک ایسی حقیقت وواقعیت ہے جس کے سامنے ایک آزاد انسان کوئی اختیار نہیں رکھتا ہے کہ روزانہ ایک نظریہ پیش کرے بلکہ وہ مجبور ہے کہ اس کے ثبوت ووجود کو تسلیم کرے اور زندگی کے سارے مسائل اسی کے لحاظ سے استوار کرے۔

واقعاً اگر کوئی دین یہ نظریہ پیش کرے: ''ہر انسان کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ مختلف ادیان میں سے جس کو چاہے قبول کرے'' تو وہ اس نظریہ کے ذریعہ اپنے تشریفاتی وغیر واقعی ہونے کا اعتراف کرے گا اور اپنے باطل ہونے کا اعلان کرے گا۔

خداوند عالم ارشاد فرما رہا ہے: ''دین، خدا کے نزدیک صرف اسلام ہے۔'' (۱). نیز وہ ارشاد فرما رہا ہے: ''جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا قبول نہیں کیا جائے گا۔'' (۲)۔

---

(۱) آل عمران (۳):۱۹: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلٰم۔

(۲) آل عمران (۳):۸۵ : وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاَسْلٰمِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہ۔

اسلام نے تمام ادیان سے صرف تین دین کو محترم بتایا ہے: نصرانیت و یہودیت اور مجوسیت اور اس احترام کے معنی (جیسا کہ آیات قرآنی سے واضح ہے) یہ ہیں کہ ان تینوں

دین کے ماننے والے اپنے اپنے دین پر باقی رہ سکتے ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ برحق ہیں۔

ہلال اور اسلام

سوال نمبر ۳۷: کیوں ہلال اسلام کی ایک علامت شمار ہوتا ہے؟

جواب ۳۷: اسلام میں ''ہلال'' نام کی کوئی علامت نہیں ہے ہاں! ''ہلال اور ستارہ'' یہ دونوں چیزیں عیسائیوں کی صلیب کے مقابلہ میں صلیبی جنگوں کے بعد سے تمام اسلامی ملکوں میں (مسلمانوں کے لئے) ایک خاص علامت کے عنوان سے رائج ہو گئیں اور اس وقت بھی اکثر اسلامی ملکوں کے پرچم پر یہ علامتیں موجود ہیں۔

چاند کا سفر

سوال نمبر ۳۸: چاند کے سفر کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟ (بہت جلد انسان چاند کا سفر شروع کر دے گا)۔

جواب ۳۸: اسلامی نقطۂ نظر سے چاند یا دوسری جگہ سفر کے بارے میں ہمارا کوئی نظریہ نہیں ہے، قرآن کریم نے اپنی آیات میں ان آسمانی کرات کا تذکرہ اس عنوان سے کیا ہے کہ یہ سب الٰہی آیات ہیں اور اپنی حیرت انگیز نظم کے ساتھ توحید پر شاہد و دلیل ہیں اور یہ سب کے سب انسان کے تابع ہیں۔

عربی زبان اور اسلام

سوال نمبر۳۹: کیوں عربی زبان کو ایمان اور اسلام پر اعتقاد کا لازمی جزء قرار دیا گیا ہے، کیوں قرآن اور نماز وغیرہ کا عربی ہی میں ہونا ضروری ہے، کیا دوسری زبانوں میں بھی ممکن ہے؟

جواب۳۹: اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ قرآن کریم لفظ کے لحاظ سے معجزہ ہے (جیسا کہ معنی کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے) لہٰذا اس کے عربی الفاظ کی حفاظت ورعایت ضروری ہے نماز میں عربی اس لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر رکعت میں قرآن کا کچھ حصہ (سورۂ حمد اور کوئی دوسرا سورہ) پڑھنا ضروری ہے نیز آیات وروایات جو دین کے اصل مصدر وماخذ ہیں یہ سب عربی میں ہیں اسی لئے سارے مسلمان عربی کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں۔

یہود

سوال نمبر۴۰: بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہودی کبھی بھی اپنا کوئی مستقل ملک نہیں بنا سکتے جب کہ اسرائیل اس مختصر مدت میں ایشیاء کا ایک نہایت ترقی یافتہ ملک بن چکا ہے یہ خود دلیل ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ غلط ہے۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری روایات ہیں جو اسی طرح کی ہیں یہ یا سب سیاسی ہیں گزشتہ ایام میں یہ کوشش تھی کہ دنیا کے لوگ جہالت، عداوت اور نفاق میں پڑے رہیں؟

جواب۴۰: ہاں! فلسطین کا ایک چھوٹا سا ساحلی اور بندرگاہی علاقہ انگلینڈ وفرانس اور

امریکہ کی عظیم حکومتوں کے ماتحت ہے اور پوشالی حکومت جس کا نام اسرائیل ہے وہاں حکومت کر رہی ہے ان لوگوں نے اس مختصر مدت میں جہاں تک ہو سکا اس کے لئے تمام اسباب ولوازمات کا بندوبست کیا اور ان لوگوں نے پوری کوشش کی ہے کہ اسلامی حکومتیں ان کے خلاف آپسی اتحاد نہ کر سکیں۔ (جیسا کہ یہ سارے حقائق ادھر آخری کئی برسوں سے بالکل سورج کی طرح روشن ہیں)

یہ غلط تصور (کہ یہودیوں کی حکومت مستقل وترقی یافتہ است، اسلامی روایات میں جو یہ وارد ہے کہ یہودی قوم کبھی بھی اپنا مستقل ملک نہیں بنا سکتی اس کے برخلاف انھوں نے مستقل طور پر اپنا ملک بنالیا ہے) اس سیاست کا نتیجہ ہے جس میں گزشتہ ایام میں اور آج بھی دنیا کے اس علاقہ کے لوگوں کو اسلام کے مقدس آئین کے بارے میں جہالت، عداوت، نفاق وبد بینی میں رکھنا چاہتی ہے کیونکہ اس فکر وتصور کا روایت سے کوئی ربط نہیں ہے جس کے بارے میں ہم یہ کہیں کہ گڑھی ہوئی ہے بلکہ اس کا تعلق قرآن سے ہے البتہ جو بات قرآنی آیات سے ظاہر ہے وہ اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ قرآن کی ایک پیشین گوئی کے عنوان سے ہے۔

یہودیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم وزیادتی وخیانت، ماجراجوئی اور پیمان شکنی کی ہے خداوند عالم نے ان ساری باتوں کو بیان فرمایا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے اتحاد کی دعوت دی ہے، دینی قوانین کی حفاظت کی تاکید کی ہے، اغیار سے دوستی کرنے کو منع کیا ہے، ان کی اطاعت وپیروی کرنے سے روکا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ''یہودی قوم پروردگار کے غضب میں گرفتار ہے ان کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے خواری وپستی لکھ دی گئی ہے، وہ لوگ مسلمانوں کے خلاف کوئی اہم کام انجام نہیں دے

سکتے مگر اس سب کے ذریعہ جس کا ربط لوگوں سے اور خدا سے ہو۔(۱)

دوسری آیت میں یہ سبب لوگوں سے اور خدا سے مربوط ہے ارشاد ہوتا ہے:

''یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو انھیں اپنا سرپرست نہ بناؤ اور تم میں سے جو لوگ انھیں اپنا سرپرست بنائیں گے وہ خدا کی سرپرستی اور جانب داری سے دور ہو جائیں گے خداوند عالم نے تخلف اور مخالفت کی صورت میں تمھیں اپنے غضب سے خبر دار کیا ہے۔(۲)

نیز ارشاد ہوتا ہے: آج کے دن کفار تمہارے دینی استقلال کو ختم کرنے سے مایوس ہو گئے ہیں اس کے بعد اب ان سے نہ ڈرنا صرف مجھ سے ڈرنا۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ خداوند عالم مسلمانوں کو یہ بشارت دے رہا ہے کہ اسلام ترقی کرے گا اور یہودی سرکوب ہوں گے مسلمانوں سے یہ تاکید فرما رہا ہے کہ

---

(۱) آل عمران (۳): آیت نمبر ۱۱۲ کا خلاصہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَاثُقِفُوْآ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ.

(۲) مائدہ (۵): ۵۱: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.

قوانین اسلام اور اتحاد کی حفاظت کریں ایسا نہ ہو کہ ان ملکوں کے مانند ہو جائیں جہاں اسلام صرف برائے نام ہے۔ اسی طرح کچھ آیات دلالت کرتی ہیں کہ اسلام کے لئے یہ خطرہ پیش آ سکتا ہے کہ مسلمان غیروں سے دوستی کرنے لگیں اور اپنی باگ ڈور ان کے

سپرد کر دیں ایسی صورت میں خدا کا معاملہ ان کے ساتھ بالکل برعکس ظاہر ہوگا وہ اپنی قوت وعزت اور سیادت کھو بیٹھیں گے سب کچھ بیگانوں کے سپرد کر دیں گے۔

یہ جو کہا گیا کہ ممکن ہے کچھ روایات گڑھی گئی ہوں اس مسئلہ کو اسلامی علماء اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کے ثبوت میں اس طرح کی بے بنیاد دلیلوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے البتہ یہ بات مسلم ہے کہ صدر اسلام میں کچھ منافقین اور یہودی افراد مسلمانوں کے لبا س میں آ گئے تھے وہ لوگ جھوٹی روایتیں گڑھتے اور بیان کرتے تھے۔ اسی لئے علمائے اسلام ہر قسم کی ہر روایت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس فن میں جو قواعد ہیں ان پر انھیں پرکھتے ہیں اگر وہ روایتیں شرائط پر پوری اترتی ہیں تو انھیں قبول کرتے ہیں ورنہ ٹھکرا دیتے ہیں اسی صورت حال کی پیشین گوئی کرتے ہوئے (جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے بعد بعض لوگ بہت سی چیزیں میرے حوالہ سے بیان کریں گے ان میں سے جو چیزیں قرآن کے مطابق ہوں انھیں قبول کر لینا اور جو مخالف ہوں انھیں ٹھکرا دینا۔ (۱)

---

(۱) مجمع البیان فی تفسیر القرآن ۱:۱۳۔

عورتوں کے بارے میں بعض آیات کی تفسیر اوران کی تحقیق

جو بحث یہاں پر پیش کی جارہی ہے یہ اس مقالہ کے بارے میں ایک مختصر تحقیق ہے جسے امریکہ سے فارغ التحصیل ہونے والے ایک ایرانی دانشمند نے اس عنوان سے لکھا ہے: ''عورتوں کے بارے میں چند آیات کی تفسیر اوران کی تحقیق۔''

مذکورہ دانشمند نے مقدمہ کے عنوان سے کہا ہے:

آج کل ملک کے باہر اسلامی تحریک ترقی پارہی ہے اوراس میں وسعت ہورہی ہے اس میں صرف مذہبی جوان ہی فعالیت انجام نہیں دے رہے ہیں بلکہ بہت سے ایسے جوان بھی ہیں جو خاندان اور معاشرہ کے لحاظ سے اسلام سے بہت زیادہ آشنائی نہیں رکھتے لیکن وہ لوگ ملک کے باہر سچے اسلام سے روشناس ہوئے ہیں وہ عاشقانہ طور پر اسلامی فعالیت انجام دے رہے ہیں جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ ادھر آخری تین برسوں کے اندر اسلامی سیمیناروں میں شرکت کرنے والے جوانوں کی تعداد پندرہ گنا بڑھ گئی ہے، ملک کے باہر اس طرح کی اسلامی ترقی واقعاً بڑی امید بخش ہے یہ بات طے ہے کہ اس طرح کی فعالیت اوروسعت سے کسی نہ کسی طرح سے رکاوٹ ضرور پیدا ہوگی کیونکہ اس طرح کی فعالیت و بیداری سے انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔اسی لئے اس وقت صرف غیر مستقیم طریقہ سے بہت زبردست اقدامات کئے گئے ہیں مثلاً بہت سی کتابیں اور رسالے ایسے شائع کئے گئے ہیں جو ظاہر میں اسلامی ہیں لیکن باطن میں ان میں تحریف کی گئی ہے، سرکاری طور پر اسلامی مراکز بنائے گئے ہیں اور ایسے اسلامی اصول وقوانین شائع اور نشر کئے گئے ہیں جن میں تحریف وانحراف اور گمراہی ہے مثلاً قرآن مجید کی کچھ آیات کو بیان کیا گیا ہے جیسے

وہ آیات جوعورت کو مارنے سے مربوط ہیں، تعدد زوجات، عورت کی گواہی وغیرہ وغیرہ ان کے ذریعہ ہمارے ملک کے باہر جو دیندار مسلمان نوجوان ہیں ان کے ذہن اور روح میں اسلام کی شخصیت کو مجروح کیا جارہا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ان جوانوں کو ان سوالات واعتراضات کا کوئی جواب نہیں ملتا یا درحقیقت اسلام پر جو حملے کئے جارہے ہیں تو ان کے دفاع کے لئے مجبور ہوکر مذکورہ تفسیروں کی طرف رجوع کرتے ہیں انھیں تفسیروں کی وجہ سے کچھ انگریزی طلبہ خصوصاً جوان لڑکیاں ان تفسیروں کو پڑھ کر اسلام کو خیر باد کہہ دیتی ہیں کیونکہ ان تفسیروں میں خواتین کے بارے میں (خواتین سے مربوط آیات میں) منطقی ومعقول بیانات نہیں ملتے بلکہ بہت سے ایسے موارد ہیں جن میں خود آیت کے قابل قبول معانی ومفاہیم سے عدول کیا گیا ہے آیت سے ایسا مفہوم نکالتے ہیں جو غیر منطقی ہوتا ہے۔

جوانوں کا ایک دوسرا گروہ جس کا ایمان کچھ مضبوط ہے اور اس گروہ کا ایمان پہلے گروہ سے کچھ زیادہ ہے یہ لوگ ان تفسیروں کو ٹھکراتے ہوئے اپنے کو ایمان کی کمزوری سے نجات دیتے ہیں۔اس طرح کے افراد کہتے ہیں: جس اسلام کے بارے میں ہم جانتے ہیں اور جس خدا کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ عورت کے بارے میں ایسا بے جا نظریہ نہیں پیش کرسکتا۔آیات کی اس طرح تفسیر کرنا روح اسلام کے خلاف اور اس سے منافات رکھتی ہے بنابرایں یہ ماننا پڑے گا کہ ان آیات کے معنی ومفہوم ابھی تک کشف نہیں ہوسکے ہیں اور مفسرین کے ذہن ان کے معانی درک کرنے سے عاجز وقاصر ہیں کیونکہ بعض مفسرین جو یہ تفسیر کرتے ہیں کہ عورت اہمیت اور وجودی مرتبہ کے لحاظ سے مرد سے نیچے اور پیچھے ہے، مرد (باپ، سرپرست یا شوہر) کے ذریعہ اس کی تادیب ضروری ہے یہاں

تک کہ اس کی بدنی تنبیہ بھی کی جاسکتی ہے اگر ہم ایسی تفسیروں کو تسلیم کرلیں تو مجبور ہو کر ہمیں اسلام کو چھوڑنا پڑے گا۔''

مقالہ نگار نے اس مقدمہ کے بعد کچھ فارسی تفسیروں جیسے تفسیر نوین، تفسیر نمونہ اور تفسیر المیزان کو ذکر کیا ہے اور اپنے مقالہ کے آخر میں علماء سے تعاون کی درخواست کی ہے، مقالہ نگار نے کہا ہے:

اگر ہمارے ربانی علماء جلد سے جلد اس کے بارے میں اقدام نہیں کریں گے اور موجودہ تفسیروں (خصوصاً موجودہ صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے خواتین سے مربوط آیات کی تفسیر) میں تجدید نظر نہیں کریں گے تو بہت جلد یا کچھ عرصہ بعد اسلامی تحریک اور اس کی ترقی پر برا اثر پڑے گا اگر تنزلی نہ ہوگی تو یہ مسلم ہے کہ ترقی بھی نہیں ہوسکتی۔''

یہ ہے اس مقالہ کا مقدمہ وخاتمہ جسے مقالہ نگار نے لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کے عملی مقررات کو پورے معاشرہ میں مقبول ہونا چاہئے وہ عقلانی منطق کے ساتھ قابل تطبیق ہو، مفسرین نے خواتین سے مربوط جن قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے اور ان سے عورت کے کچھ مقررات کا استخراج کیا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے، اور عقلی و منطقی اعتبار سے قابل تطبیق نہیں ہے۔

بنابرایں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ عورت سے مربوط جو قرآنی آیات ہیں ابھی تک ان کے معانی کشف نہیں ہو سکے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ علماء کرام مذکورہ آیات کے بارے میں تجدید نظر کریں اور ان کے ایسے معانی بیان کریں جو قابل قبول ہوں۔''

اتفاق کی بات ہے کہ خود مقالہ نگار کا جس مطلب کے اثبات پر اصرار ہے وہ کسی طرح بھی

عقلانی منطق کے ساتھ قابل تطبیق نہیں ہے کیونکہ:

اولاً: قرآن میں جوآیات احکام ہیں ان کا تعلق محکمات سے ہے وہ جن مقاصد ومدلولات پر دلالت کرتی ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے جس طرح تمام کلام کا لفظی ظہور ہوتا ہے ان کا بھی ظہور ہے اور وہ عقلاء کے نزدیک حجت ہیں۔

یہ وہی ظہور لفظی ہے جو بشر کے سارے عقلاء کے نزدیک یگانہ وواحد رہنما کی حیثیت رکھتا ہے جو مافی الضمیر اور مراد متکلم کی نشاندہی کرتا ہے چودہ سو صدیاں گزر رہی ہیں کروڑوں مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں اور انھیں آیات کے ظواہر پر ان کا عمل کرنا اس کا موید ہے۔

اس کے علاوہ خداوند عالم نے آیت کریمہ ''وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ ''(۱) نیز ''وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ''.(۲)

ان کے علاوہ دوسری آیات میں بھی خداوند عالم نے حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو قرآن کا بیان بتایا اور اسے حجت قرار دیا ہے اسی طرح حضرت پیغمبر اکرمؐ نے بھی

---

(۱) نحل (۱۶):۴۴۔

(۲) نحل (۱۶):۶۴۔

حدیث ثقلین جو متواتر ہے اس میں اور اس کے علاوہ دیگر احادیث میں اپنی عترت اور اپنے اہل بیت علیہم السلام کے قول کو اپنا قول بتایا ہے نیز اسے حجت قرار دیا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ جو آیات خواتین سے مربوط ہیں ان کی توضیح وتفسیر میں حضرت رسول اکرمؐ اور ان

کے اہل بیت علیہم السلام کے جو بیانات ہیں جیسا کہ ان آیات کا ظاہری مدلول ہے اس کے سلسلہ میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں یہ ساری روایات ان آیات کے ظواہر کی تائید کرتی ہیں لہٰذا ان میں ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام میں خواتین کے کچھ مخصوص احکام ہیں (جیسے: میراث، گواہی، نکاح، طلاق، عدہ، تعدد زوجات وغیرہ) خداوند عالم بھی ارشاد فرمارہا ہے: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔(۱)

ہاں! اس صورت میں یہ سارے ادلہ و مدارک اپنی حجیت کھو بیٹھیں گے اور بالکل بے اثر ہو جائیں گے پھر دوسری آیات و روایات میں اور ان آیات و روایات میں جو عورت سے مربوط ہیں لفظی لحاظ سے کوئی فرق نہیں رہ جائے گا سب کی حجیت ختم ہو جائے گی اور اس منطق کے مطابق جسے مقالہ نگار نے عقلانی منطق بتایا ہے یہ کہنا پڑے گا: اسلام یعنی ایسی چیز کی دعوت جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے۔

ثانیاً: موصوف نے جو تھوڑے قوی صاحبِ ایمان جوانوں کے بارے میں کہا ہے اور یہ بتایا کہ یہ لوگ دوسروں سے کچھ بہتر ہیں یہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے تفسیروں کو ٹھکرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: چونکہ ان آیات کا ظواہر، روح اسلام کے خلاف ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب تک ان آیات کے معانی و مفاہیم کشف نہیں ہوئے ہیں۔

---

(۱) احزاب (۳۳): ۳۶۔

یہ ایسا نظریہ ہے جو قطعی طور پر روح اسلام کے مخالف ہے کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان آیات کے حقیقی معانی کا مستور و مجہول رہنا یہ کوئی ایسی عارضی بات نہیں ہے جو آج کل اس زمانہ میں ان آیات کے دامن گیر ہو گئی ہو بلکہ قرآن جب سے نازل ہوا ہے جو آیات

خواتین سے مربوط ہیں ان کا ظاہر مراد نہیں ہے اور آیات کے حقیقی معنی کشف نہیں ہوئے ہیں بالکل اسی حالت میں آج تک باقی ہیں پھر نتیجہ میں ساری خواتین جو اس طولانی مدت میں ان آیات کے ظاہر پر عمل کرتی ہوئی چلی آئی ہیں وہ ان تمام مقررات سے غافل و بے خبر تھیں جو خود انھیں سے مربوط تھے وہ غلطی سے پابندی کے ساتھ کچھ اعمال انجام دیتی رہی ہیں اور اسلام جس کی آسمانی کتاب بڑی صراحت کے ساتھ اسلام کو ایک عالمی دین بتا رہی ہے اور جو عورت و مرد ہر ایک کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ل "اُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْ بَلَغَ "(۱) "قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعاً"۔(۲) اس پر نہایت حیرت و تعجب ہے کہ جو دین اپنے کو تمام مردوں اور عورتوں کے لئے بتائے اس کے باوجود اب تک چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اور نہ جانے ابھی کتنا زمانہ مزید گزر جائے گا وہ بشریت کی آدھی نسل (خواتین) کو حیرت و گمراہی کی وادی میں رکھے ہوئے ہے اور کچھ غیر دینی مقررات کو دینی مقررات کی شکل میں پیش کئے ہوئے ہے۔ ان جوانوں کے بقول کچھ بے بنیاد مقررات ایسے ہیں جنھیں وہ خدا بھی عورتوں کے بارے میں نہیں بیان کر سکتا جس کی وہ لوگ عبادت کرتے ہیں (معاذ اللہ)۔

کیا یہ لوگ جس اسلام کو پہچانتے ہیں وہ ایسا گمراہ کرنے والا دین ہے جس نے بشریت

(۱) انعام (۶): ۱۹۔

(۲) اعراف (۷): ۱۵۸۔

کے آدھے معاشرے (خواتین) کو صدیوں تک ایسے غلط و بے وزن مقررات میں سرگرم کر رکھا ہے اور بشریت کے دوسرے نصف حصہ (مردوں) کو کچھ ایسے احکام کے ساتھ جو صورتاً اختصاصی ہیں انھیں دوسرے آدھے حصہ کے بارے میں ظالم قرار دے؟ وہ خدا

جو یہ اعلان فرمارہا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کے اعمال برابر ہیں: ''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عٰمِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی'' (۱) وہ خدا یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ دینی مقررات میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ثالثاً: موصوف نے مقالہ کے خاتمہ میں جو ربانی علماء کو خطرہ سے آگاہ کیا ہے اور ان سے یہ درخواست کی ہے کہ عورت سے مربوط آیات کے معانی میں جو تفسیریں کی جاتی ہیں موجودہ صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اپنے نظریہ کی تجدید کریں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مقالہ نگار نے یہ درخواست کی ہے کہ علماء عورت سے متعلق ان آیات کی ایسی تفسیر بیان کریں جو موجودہ تفاسیر کے ٹھیک مد مقابل ہوتا کہ دور حاضر کے بالکل موافق ہو اور جوان مخصوصاً تعلیم یافتہ لڑکیاں تسلیم کریں یعنی ان آیات کے ظواہر کو الغاء کر دیا جائے، آیات کے سلسلہ میں مرد اور عورت کو برابر کر دیا جائے تا کہ معاشرہ انھیں تسلیم کر لے پھر اس طرح اسلام کو ترقی نصیب ہو۔

واضح رہے کہ اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ دین کو زمانہ کا پابند ہونا چاہئے اور جیسے جیسے زمانہ بدلتا جائے وہ بھی بدلتا جائے یعنی معاشرہ اتنا مؤثر ہو کہ وہ دین میں تبدیلی پیدا کرے دین کا معاشرہ ساز ہونا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) آل عمران (۳): ۱۹۵۔

بنابرایں یہ افراد جس دین کے طلبگار ہیں اور جس اسلام کو یہ لوگ پہچانتے ہیں وہ یہی ہے تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان لوگوں نے اسلام کو اس معنی میں کہاں سے پہچانا ہے؟ اگر ان لوگوں نے کتاب اور سنت سے اس معنی کو درک کیا ہے جن میں خداوند عالم

حضرت نبی اکرم ﷺ اوران کے اہل بیت علیہم السلام کے بیانات ہیں تو یہ بات غلط ہے کیونکہ کتاب وسنت میں یہ معنی نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا جو ظاہر ہے وہ اس کے برخلاف ہے چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیٰناً لِّکُلِّ شَیْءٍ'' (۱) نیز ارشاد فرماتا ہے: ''وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ'' (۲) دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ''وَ اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّایَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ''۔ (۳) نیز ارشاد ہوتا ہے: ''فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔'' (۴) ارشاد ہوتا ہے: ''وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَامُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔'' (۵) دوسرے مقام پر پھر ارشاد ہوتا ہے: ''وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَاراً اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقاً.'' (۶)

ان کے علاوہ دوسری بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسانی

---

(۱) نحل (۱۶): ۸۹۔ (۲) آل عمران (۳): ۸۵۔

(۳) فصلت (۴۱): ۴۱۔۴۲۔ (۴) روم (۳۰): ۳۰۔

(۵) احزاب (۳۳): ۳۶ (۶) کہف (۱۸): ۲۹۔

معاشرہ کی انفرادی واجتماعی زندگی کی سعادت کے جو مقررات ضروری ہیں وہ اسلامی دعوت وتعلیمات میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ سارے مقررات، خدائی وآسمانی شریعت ہیں: ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ''۔ (۱) ان میں کسی صورت میں بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے جو

چاہے انھیں قبول وتسلیم کرے اور جو چاہے تسلیم نہ کرے، خدا کے امر ونہی کے آگے کوئی بندہ آزاد ومختار نہیں ہے۔

انھیں آیات کے معنی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام سے بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں۔

مذکورہ مقالہ نگار نے اس مقدمہ کے بعد جسے بیان کیا جاچکا ہے اپنی عقلانی منطق کے ساتھ فارسی تفسیروں پر چند اعتراضات وارد کئے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے جسے موصوف نے تفسیر المیزان (ترجمہ فارسی) سے متعلق کیا ہے: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ'' کے بارے میں تفسیر المیزان میں لکھا ہوا ہے: ''فَضَّلَ اللّٰهُ'' سے مراد وہ فضیلت ہے جو طبیعی طور پر مردوں کو عورتوں پر حاصل ہے یعنی ان کی قوت تعقل زیادہ ہے....''

پھر موصوف اس کے بعد کی سطروں میں لکھتے ہیں: ''مردوں کو جو قیمومیت حاصل ہے اس کی عمومیت اور وسعت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قیمومیت صرف میاں بیوی میں منحصر نہیں ہے اور صرف انھیں دونوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام قسم کے مردوں اور عورتوں کو شامل ہے یعنی ہر مرد، عورت کا سرپرست چاہے وہ اس کا شوہر نہ ہو ان دونوں کی زندگی کے تمام

---

(۱) یوسف (۱۲): ۴۰۔

مراحل میں بڑا گہرا ربط ہے، عمومی اجتماعی پہلو جیسے: حکومت وقضاوت اور دفاع کیونکہ ان سارے امور میں مردوں کا براہ راست ربط ہے، مرد لوگ عورتوں سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔

اس کے بعد موصوف کہتے ہیں: ''آپ توجہ فرمارہے ہیں کہ تفسیر المیزان کے مطابق خداوند عالم ارشاد فرمارہا ہے: عورت، عقلانی قوت کے اعتبار سے مرد سے ضعیف ہے اسے قیم وسرپرست کی ضرورت رہتی ہے۔ کیا آپ کو یہ امید ہے کہ اسلام کا ایسا نظریہ سن کر آزاد فکر جوان لڑکیاں اسلام کو خیر باد نہیں کہہ دیں گی، ایک مفسر کا اس طرح کی بات کرنا معاف کرنے کے قابل نہیں ہے۔''

مذکورہ مقالہ نگار چند سطروں کے بعد دوبارہ کہتے ہیں: ''تفسیر المیزان کے مطابق درحقیقت خواتین کے اندر عقل ورشد کی کمی ہوتی ہے (عقلانی لحاظ سے) انھیں قیمومیت و سرپرستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ موصوف نے آیت ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسآءِ'' کے معنی میں جو عبارت نقل کی ہے وہ اس بات کی صراحت کررہی ہے کہ انسانی معاشرہ میں عمومی جہات کی ذمہ داری جیسے حکومت اوراس کے مانند دوسری چیزیں یہ مردوں کے اوپر ہے عورتوں کے اوپر نہیں ہے۔''

اس ممنوعیت کا کیا ربط ہے اس سے کہ ''عورت کو ایک یتیم نابالغ بچہ اور دیوانہ کی طرح قیم کی ضرورت رہتی ہے اور ہر عورت کے لئے ایک سرپرست مرد کا معین ہونا ضروری ہے''۔

موصوف نے کتاب کی عبارت سے یہی مطلب سمجھا ہے اوراپنی گمراہ منطق کی بنیاد پر اس کا نام عقلانی منطق رکھا ہے پھر اعتراض وارد کیا ہے! جب کہ حقیقت امر یہ ہے کہ کتاب کی عبارت کی دلالت اس پر ذرا بھی نہیں ہے نہ تو مفسرین میں سے کسی نے ایسا احتمال پیش کیا ہے اور فقہاء میں سے بھی کسی نے ایسا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ تو پوری تاریخ میں

مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا عمل رائج تھا۔

اس سے زیادہ تعجب تو اس پر ہے کہ اس کے بعد موصوف نے بڑی آب وتاب کے ساتھ کہا ہے: ''کیا آپ کو یہ امید ہے کہ آزاد فکر کی جوان لڑکیاں اسلام کا ایسا نظریہ سُنیں اس کے باوجود بھی اسلام کو نہ چھوڑیں؟'' بات تو بالکل واضح ہے کہ موصوف نے مسئلہ کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ زمانہ کے ساتھ دین کو بھی بدلنا چاہئے اور معاشرہ جو چاہے دین کے اندر تبدیلی پیدا کرے نہ یہ کہ دین معاشرہ کو تبدیل کرے ایسا لگتا ہے کہ خداوند عالم اس پر مجبور ہے کہ جس چیز کو آزاد فکر وخیال کے انسان خصوصاً جوان لوگ پسند نہ کریں اس کو تشریع نہ کرے جب کہ اس خدا کا یہ اعلان ہے: ''اِنْ تَکْفُرُوْآ اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ.''(۱)

اس کے بعد موصوف کہتے ہیں: ''بھلا یہ کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی نسل کے آدھے لوگ انسان کی سب سے اہم خصوصیت وممتاز صفت سے دوسرے نصف لوگوں کے برابر بہرہ مند ہوں؟

ہاں! بڑی وضاحت اور کمال صراحت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ انسانیت کی آدھی نسل (خواتین) نے دوسری آدھی نسل (مردوں) کے برابر قدرت تعقل سے بہرہ مندی

---

(۱) ابراہیم (۱۴):۸۔

حاصل نہیں کی ہے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرما رہا ہے: ''وَ لَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.'' (۱) نسل بشریت کو اپنی زندگی میں عواطف واحساسات کی جتنی ضرورت ہے وہ تعقل کی ضرورت سے کم نہیں ہے۔

ساری خواتین فطری طور پر خوبصورتی ،رعنائی ،ناز وادا، کرشمہ، نازک دلی نیز محبت آمیز اور ظریف کاموں کی طرف مردوں سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں جن اعمال کا تعلق عاطفہ ومحبت سے ہے جیسے: بیمار کی دیکھ بھال اور بچہ کی تربیت میں بڑے صبر وتحمل کی ضرورت ہے اس کے برعکس جن امور میں زحمت ومشقت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے اوران میں خطرے بھی ہوتے ہیں ان میں مردوں کوعورتوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ ہمارے اس بیان سے اس بات کا غلط ہونا ثابت ہوجائے گا جسے موصوف آگے چل کر بیان کریں گے کہ عورت اور مرد کی عقل برابر ہے۔

موصوف کہتے ہیں: ''اگر لوگ کہیں اور یہ دعویٰ کریں کہ سارے انسان متوسط طور پر عقل کے لحاظ سے برابر ہیں لیکن ان دونوں گروہ میں سے ہر ایک عملی میدان میں اپنی عقل کا فائدہ اٹھانے میں دوسرے سے زیادہ طاقتور ہے یہ ایک ایسی واقعیت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔''

ہم تو پہلے بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ عورت عقل نہیں رکھتی ہے اوراسی طرح کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ عورت کی عقل ،مرد کی عقل سے مشابہت نہیں رکھتی ہے اور وہ ایک دوسری قوت ہے نیز اسی طرح کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں

---

(۱) بقرہ (۲): ۲۲۸۔

کیا ہے کہ ان دونوں صنفوں میں سے ہر ایک اپنے مخصوص کام میں دوسرے سے زیادہ طاقتور نہیں ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ اگر ہم کسی شیر خوار بچہ کو ایک عورت اور ایک مرد کے حوالہ کریں دونوں کو اس کی تربیت وپرورش کی ذمہ داری دیں تو اس میں ذرا بھی شک

نہیں کہ مرد، عورت سے پہلے خستہ و پریشان ہو جائے گا برخلاف عورت کے تو کیا دونوں میں جو یہ فرق ہے عورت کے اندر عاطفہ کی قوت اور مرد کے اندر عاطفہ کی کمی کی بنا پر نہیں ہے؟

اسی طرح اگر کسی عدالت میں دو قاضی کو فرض کریں ان میں سے ایک عورت ہو اور ایک مرد دونوں کو مجرم کے ظلم و ستم کی ایسی فائل دی جائے جو مؤثر و پریشان کن ہو تو آپ بتائیں کہ اس فائل کو پڑھ کر پہلے عورت متاثر و غمگین ہوگی یا مرد؟ کیا مرد کا متاثر نہ ہونا اس کی قوت تعقل کی وجہ سے نہیں ہے؟ یہ مثالیں اور اسی طرح دوسری مثالیں بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مرد تعقل میں زیادہ قوی ہے عورت عواطف و احساسات میں۔

موصوف نے اپنی سابقہ عبارت کے ذیل میں چند سطروں کے بعد کہا ہے: ''ایک عورت کے اندر عقل اور احساسات اس کے ان وظائف و فرائض کے لئے مناسب ہیں جنھیں طبیعت نے طبیعی و فطری طور پر اسے عطا کیا ہے اور مرد میں بھی اسی طرح ہے۔''

ایک مرد یا ایک عورت کے فرائض وہ اختیاری اعمال ہیں جنھیں وہ اپنی زندگی آگے بڑھانے کے لئے انجام دیتے ہیں اور یہ اعمال کچھ ایسی عملی فعالیت ہے جن سے انسان کو مختلف احساسات کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس کو اس جانب تحریک کرتے ہیں، تعقل اس میں تعدیل کر کے عمل کے لئے آمادہ کرتا ہے پس یہ وظائف، احساسات اور تعقل کی فرع ہیں اور یہ احساسات و تعقل ایسے آلات و وسائل ہیں جن سے انسان بہرہ مند ہوتا ہے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین نے جن فرائض کوانسان کے ذمہ عائد کیا ہے وہ تعقل واحساس کی بناپر رکھا ہے مذکورہ عبارت جونقل کی گئی ہے وہ مشوش وغلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے: ''ایک عورت کے اندر فطرت نے جو وظائف معین کئے ہیں وہ اس کی عقل واحساسات کے بالکل مناسب ہیں اور مرد میں بھی اسی طرح ہیں''۔

جب کہ اس مطلب سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعقل واحساس میں عورت ومرد برابر ہیں اور نہ تو دونوں کے الگ الگ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

مذکورہ مقالہ نگار اس کے بعد لکھتے ہیں: ''تفسیر المیزان کے مطابق درحقیقت عورتیں ان موجودات میں شمار ہوتی ہیں جو (عقلانی لحاظ سے) کم رشد ہیں جنھیں قیمومیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خداوند عالم نے ان (خواتین) کے لئے قیمومیت کے ساتھ وجوبِ اطاعت اور مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے مال کی حفاظت کو تشریع کیا ہے اس طرح مردوں کے حقوق کی حفاظت کی ہے ان کی زندگی میں جو اصل ذمہ داری ہے وہ یہ ہے کہ مرد لوگ ان عورتوں سے لذت اٹھائیں اور وہ اس کے بدلے میں مردوں سے اجرت لیں کیونکہ مذکورہ تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''... چوں کہ مرد، عورت سے تمتع کے بدلے میں اسے مال [مہر اور سارے اخراجات] دیتا ہے لہٰذا عورت کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ جو چیزیں (منجملہ مباشرت وغیرہ) اس سے تمتع ولذت حاصل کرنے سے مربوط ہیں ان میں شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی غیر موجودگی میں ناموس کی حفاظت کرے''۔

اچھا! اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کو جو یہ حکم ہے کہ مرد کے حق میں خیانت نہ کرے وہ نسل وغیرہ کی حفاظت کے لئے نہیں ہے بلکہ چونکہ مرد اسے کچھ مال دیتا ہے لہٰذا

عورت کو خیانت نہیں کرنی چاہئے تو اب اگر کوئی عورت مالدار ہو وہ خود اپنی اور شوہر کی زندگی کے سارے اخراجات مہیا کرے تو واضح ہے کہ اس طرح کی تفسیر کے مطابق قطعاً اسے خیانت کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ اپنے شوہر کو جو لذت فراہم کرتی ہے اس کی کوئی اجرت نہیں لیتی ہے کہ اس کے ساتھ وفاداری کرے۔

مذکورہ آیت کی پوری تفسیر میں ایسے مشابہ نکات ہیں جو ہر ایسے مسلمان کو مذہب اسلام سے دور کردیں گے کہ جو گہرائی کے ساتھ حقیقی اسلام سے آشنائی نہ رکھتا ہو پھر وہ موجودہ مادّی مکاتب کی آغوش میں چلا جائے گا۔

اس بحث کے پہلے حصہ کو جسے کہ موصوف نے تفسیر ''المیزان'' کی طرف منسوب کیا ہے: ''چونکہ عورت کی عقل ناقص ہوتی ہے لہٰذا اسے قیم وسرپرست کی ضرورت رہتی ہے۔'' ہم پہلے ہی یہ بتا چکے ہیں کہ یہ ایک غلط نسبت ہے تفسیر میں کوئی ایسی بات نہیں ہے بلکہ ٹھیک اسی کے برعکس ہے موصوف نے اس کا کچھ حصہ حذف کردیا ہے اور وہ یہ ہے:

''جیسا کہ معاشرہ کے اندر مرد لوگ خواتین کے سرپرست ہیں یہ تمام جہتوں سے متعلق سے اور عورت ومرد کے درمیان اشتراک اس کے تعقل سے مرتبط ہے (حکومت، قضاوت وجنگ) بغیر اس کے کہ عورت کا استقلال اور اس کے لازمی حقوق پامال ہوں اور مرد اس کے خواستہ ونخواستہ امور میں دخالت کا حق رکھتا ہو (برے اور ناپسندیدہ امور کے علاوہ میں) اور خواتین اپنے ہر اس کام میں جو انھیں پسند ہے مختار ہیں جیسا کہ عورت کے اوپر شوہر کی قیمومیت بھی اس طرح نہیں ہے کہ عورت کا خود اپنی ملکیت میں اپنا کوئی ارادہ نہ ہو اور اسے تصرف کا حق نہ ہو یا عورت کو اس کے انفرادی حقوق کی حفاظت

اوردفاع سے روک دے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ چوں کہ مرد اپنے تمتع کے بدلے میں ...'' (آخر تک جو کچھ مقالہ نگار نے نقل کیا ہے) آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ کتاب کی یہ عبارت جس کو موصوف نے حذف کردیا ہے اور جو کچھ نقل کیا اور جسے منسوب کیا ہے اس پر اس کا کیا اثر مرتب ہے۔

ہاں! موصوف نے اطاعت اور مرد کی غیر موجودگی میں عورت کے لئے جو حفاظت پر اعتراض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ عورت پر اجابت واطاعت اس کے لئے واجب ہے کہ مرد نے اسے مہر ادا کیا ہے تو ہم اس کے بارے عرض کرتے ہیں:

اولاً: بہتر تھا کہ موصوف پہلے آیت کریمہ ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' کے صدر وذیل یعنی جملہ ''وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ میں تھوڑی دِقت کر لیتے تا کہ انھیں یہ پتہ چل جاتا کہ فَالصّٰلِحٰتُ...'' جملہ تفریعیہ ہے۔

ثانیاً: موصوف کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ اس سلسلہ میں اخبار وروایات کی طرف رجوع کر لیتے جن میں قرآن کریم کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ قرآن کریم میں اگر چہ تمام اسلامی مقاصد جمع ہیں لیکن وہ سارے کے سارے مقاصد قرآن میں اجمال واختصار کے ساتھ ہیں ان کے تفصیلی بیان کی ذمہ داری حضرت رسول اکرم ﷺ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر تھی آپ حضرات سے جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں ان ساری چیزوں کا بیان موجود ہے۔ گویا وہ واقعی اسلام کہ جس کا لوگ دم بھرتے ہیں اس کا کتاب اور سنت سے کوئی ربط ہی نہیں ہے اور آیات قرآن کا ظاہر مراد نہیں ہے لوگوں کا

ذہن تسلیم نہیں کرتا اور اب تک ان کے حقیقی معنی بھی کشف نہیں ہوئے ہیں اور سنت وروایت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ثالثاً: موصوف نے دینی احکام ومقررات کے بیانات میں حکمت اور علت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے، جہت حکم کہ جو حکم کا معیار اور اس کی مصلحت ہے یہ کبھی دائمی ہوتی ہے جس کے اوپر حکم کا دار ومدار ہوتا ہے یعنی اس کے تحقق سے حکم، متحقق ہوتا ہے اور اس کے عدم تحقق سے حکم، متحقق نہیں ہوتا ہے اسے اصطلاح میں حکم کی علت کہا جاتا ہے جیسے سیال شی میں مست کرنے کی خاصیت اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور حرمت کے حکم کا دار ومدار اسی پر ہے اس کے علاوہ کبھی ''اکثر موارد میں'' ہوتا ہے کبھی کبھی خلاف بھی واقع ہو جاتا ہے اور ان تمام چیزوں کے باوجود بھی حکم کلی ہے اور خلاف ہونے کے باوجود بھی وہ حکم ثابت ہے اسے اصطلاح میں حکمت کہا جاتا ہے جیسے: اختلاط نطفہ سے پرہیز کرنا جو وجوب عدہ کا معیار ہے اور بعض موارد میں اس کے خلاف ہو جاتا ہے تب بھی حکم کلی ہے۔ (یہ تقسیم جو بیان کی گئی مدنی قوانین میں بھی جاری وساری ہے جسے خود انسان نے وضع کیا ہے اور متمدن ممالک میں اس پر عمل ہو رہا ہے)

یہیں سے موصوف کی غلطی پکڑ میں آجاتی ہے کہ آپ کہتے ہیں: ''اگر عورت کے لئے اطاعت اور شوہر کی غیر موجودگی میں ناموس کی حفاظت اس وجہ سے ہو کہ شوہر نے مہر ادا کر دیا ہے نسل وغیرہ کی حفاظت کا مسئلہ اتنا اہم نہ ہو تو جو عورت مالدار ہوتی ہے خود اپنے اور شوہر کے سارے اخراجات پورے کرتی ہے اس کے لئے خیانت جائز ہونی چاہئے کیونکہ اس نے شوہر سے کچھ لیا ہی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے ساتھ وفاداری

کرے۔"

اس بات کا غلط ہونا اس لئے واضح ہے کہ مہر کی ادائیگی یہ وجوب طاعت وحفظ غیب کی حکمت ہے نہ کہ اس کی علت اسی بنا پر حکم کلی ہے بھلے ہی یہ حکمت کسی جگہ نہ ہو اور اسی طرح نسل کی حفاظت ہے۔ موصوف کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حفظ غیب کی علت ہے یہ بھی حکمت ہے اور جن موارد میں یہ فرض کیا جائے کہ عورت خیانت کرتی ہے لیکن طبی مسائل یا آپریشن کے ذریعہ وہ نسل کی حفاظت کرے تب بھی حکم حرمت ہے اور حکم کلی ہے۔

عورت کی طاعت اور قنوت سے مراد جیسا کہ آیت کریمہ " فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ" اور آیات کے فقہی مدارک نیز اخبار سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت مرد کی اطاعت کرے بشرطیکہ عورت کے لئے کوئی شرعی عذر نہ ہو اس کے علاوہ دوسرے امور میں عورت مستقل ومختار ہے جیسے امور خانہ داری، صفائی، کھانے پکانے یہاں تک کہ اپنے شیر خوار بچہ کو دودھ پلانے اور اس طرح کے دوسرے امور میں عورت کو اختیار ہے۔

موصوف نے تمتع کی خواہش کے سلسلہ میں بیوی پر اطاعت واجب ہونے کے متعلق لکھا ہے: "کیا عورت ایسا وسیلہ ہے کہ شوہر جب بھی ہمبستری کے لئے مائل ہو وہ قبول کرلے؟ کیا اس کے بارے میں روحانی اور جسمانی آمادگی ضروری نہیں ہے؟ نہیں! گویا عورت ایک جامد جسم ہے جس کے اندر روح واحساس نہیں ہے خلاصہ یہ کہ وہ صرف ایک وسیلہ ہے۔"

موصوف کے دعویٰ کے مطابق عورت کے اندر جو بہت سارے انسانی خصوصیات ہیں اگر

وہ صرف شوہر کے تمتع کے مسئلہ میں اس کی اطاعت کرے جس کا اس نے شادی کے عقد کے دوران وعدہ کیا ہے تو صرف اور صرف وہ ایک ایسا وسیلہ بن کر رہ جائے گی جس کے تمام انسانی خواص ختم ہو جائیں گے اور وہ ایک طفیلی وجود بن کر رہ جائے گی، ایک جامد جسم بن جائے گی جس کے اندر نہ تو روح ہوگی اور نہ احساس، یہ موصوف کی ایک عقلانی منطق کا فیصلہ ہے، فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصٰرِ۔(۱)

اگر عورت اس طرح کی اطاعت اور حفظ غیب میں ایک وسیلہ ہے تو وہ بشریت کے معاشرہ میں فساد، فحشاء و منکر اور انسانیت کے اختلال کو ختم کرنے کا وسیلہ ہے نیز عمومی زندگی کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں ایک مؤثر عامل ہے اور خود یہی چیز عورت کے لئے ایک عظیم فخر کی بات ہے۔

موصوف نے جو یہ کہا ہے: ''کیا اس سلسلہ میں ایک عورت کی روحانی و جسمانی آمادگی کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جائے گا!'' اس کا جواب کتاب اور سنت کی روشنی میں یہ ہے کہ عورت کے لئے شوہر کی اطاعت صرف اسی صورت میں واجب ہے جب عورت کے لئے کوئی شرعی عذر نہ ہو مثلاً وہ ایام ماہواری میں نہ ہو یا شوہر کی خواہش پوری کرنے میں کوئی حرج یا دشواری نہ ہو یا اس کی اوپر کوئی اہم شرعی ذمہ داری نہ ہو جو مزاحمت ایجاد کر رہی ہو۔

---

(۱) حشر: ۵۹): ۲۔

موصوف نے تفسیر المیزان پر بہت سارے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ کیا ہے: ''تعدد زوجات سے متعلق تمام آیات کی تفسیر میں تعدد زوجات کے ضروری ہونے کے سلسلہ میں بہت سے دلائل پیش کئے گئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: مردوں کی تعداد

خواتین سے زیادہ ہے، مرد کے اندر شہوت زیادہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ پھر تفسیر کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں: ''معاشرت میں عدالت کی رعایت کرتے ہوئے چار بیویوں اوران کی اولاد کا خرچ برداشت کرنا صرف کچھ ہی مالدار مردوں کے لئے ممکن ہوسکتا ہے'' درحقیقت گویا تعدد زوجات کے لزوم کے لئے جو سارے دلائل پیش کئے گئے ہیں خداوند عالم نے تعدد زوجات کے قانون کو مالدار اور عیاش لوگوں کے لئے بنایا ہے جن کے پاس مالی توانائی ہوتی ہے بقیہ لوگ متعدد بیوی سے چشم پوشی کریں کیونکہ عملی طور پر قانون ان کے لئے نہیں ہوگا۔'' یہ ساری وہ غلط نسبتیں ہیں جنھیں موصوف نے اس تفسیر کی طرف منسوب کیا ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: ''المیزان نے تعدد زوجات کے لزوم کے لئے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔''

اس تفسیر میں جو دلائل بیان کئے ہیں وہ سارے اسلام میں تعدد زوجات کے جواز پر ہیں اسلامی قانون کے مطابق متعدد بیویوں سے شادی کرنا واجب نہیں ہے اوراب تک کسی نے بھی دینی مدارک (آیات وروایات) سے کوئی ایسی بات نہیں سمجھی اور نہیں نکالی ہے۔

موصوف نے جو تفسیر کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ انسانی معاشرہ میں مرد خواتین سے زیادہ ہیں یہ بالکل غلط نسبت ہے المیزان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

موصوف نے جو یہ نسبت دی ہے کہ مرد کے اندر عورت سے زیادہ شہوت ہوتی ہے تفسیر میں یہ بات اس جہت سے بیان کی گئی ہے کہ اسلام میں عورت کی تربیت، حیا وعفت کی بنیاد پر کی جاتی ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ عورت کی طبیعت وماہیت کا مرد کی طبیعت و ماہیت سے موازنہ کیا گیا ہے۔ موصوف نے جو یہ نقل کیا ہے کہ چار بیویوں کا ان کی اولاد

کے ساتھ خرچ برداشت کرنا تمام مردوں کے لئے ممکن نہیں ہے صرف کچھ مالدار افراد کے بس کی بات ہے۔

یہ بات اس اعتراض کے بدلے میں ہے جو اس بات پر مبنی ہے کہ انسانی معاشرہ میں عورت اور مرد کی تعداد تقریباً برابر ہے۔ بنابرایں اگر شریعت اسلام کے مطابق ہر مرد چار عورتوں سے شادی کرے تو تین چوتھائی مرد لوگ بغیر بیوی کے رہ جائیں گے یہ بات طبیعت خلقت کے برخلاف ہے جس کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

تفسیر میں اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ تعدد زوجات کا جو شرعی قانون ہے وہ جواز کی صورت میں ہے واجب کی صورت میں نہیں ہے اور عملی طور پر بھی جو شرائط ذکر کئے گئے ہیں اس کے پیش نظر تمام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے پس اگر اس حکم پر عمل ہونے لگے تو نسواں کی محذوریت پیش قحط نہیں آئے گی موصوف آیت کریمہ ''وَ اِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡ بَعۡلِهَا نُشُوۡزاً اَوۡ اِعۡرَاضاً فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحاً''

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے نشوز یا اس کی روگردانی سے ڈرتی ہو تو کوئی حرج و گناہ نہیں ہے کہ دونوں اپنے درمیان صلح کرلیں۔(۱) کے بارے میں عورت کے نشوز کے متعلق کہتے ہیں: ''صاحبِ تفسیر المیزان اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) نساء: (۴): ۱۲۸۔

''اس آیت نے نشوز و اعراض سے پیدا ہونے والے خوف کو معتبر بتایا ہے اس کے محقق ہونے کو معتبر نہیں بتایا ہے ... آیت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صلح سے مراد یہ ہے کہ عورت شادی کے بعض یا تمام حقوق سے چشم پوشی کرے تا کہ مرد کی انسیت و محبت اور

موافقت کو جذب کر سکے اور ایسا نہ کرے کہ جدائی کی نوبت آجائے لہٰذا اسے چاہئے صلح کرلے یہ صلح بہتر ہے۔

توجہ فرمائیں خداوند عالم آیت کے متن میں تصریح فرمارہا ہے کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے درمیان صلح کرلیں یعنی طرفین میں سے ہر ایک کچھ چیزوں کو معاف کردیں تا کہ ان کے درمیان صلح ہوجائے لیکن المیز ان کے مفسر اس بات کی تصریح کررہے ہیں کہ عورت اپنے کچھ یا سارے حقوق سے چشم پوشی کرلے تا کہ شوہر کی انسیت والفت اور موافقت کو جذب کرسکے تا آخر۔

موصوف نے جان بوجھ کر جس عبارت کو نقل کیا ہے اس کے بعد کے حصہ کو بیان نہیں کیا ہے جو یہ ہے: ''پھر ایسے وقت میں کوئی مانع نہیں ہوگا کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک یا دونوں اپنے بعض حقوق سے چشم پوشی کر کے اپنے درمیان صلح برقرار کرلیں۔''

البتہ کلام کے شروع میں جو صرف عورت کی جانب سے چشم پوشی کا ذکر ہے وہ اس لئے ہے کہ آیت میں عورت ہی موضوع ہے۔

اس سے زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ موصوف نے اپنے مقالہ کے شروع میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ جو قرآنی آیات خواتین سے مربوط ہیں ابھی تک ان کے معانی ومفاہیم کشف نہیں ہوئے ہیں اور یہاں پر وہ کہتے ہیں:

''خداوند عالم آیت کے متن میں تصریح فرمارہا ہے۔'' کاش موصوف یہ بیان کرتے کہ جس آیت کے معنی مرموز اور ناقابل فہم ہیں وہ کیسا مقصود ہے جو اپنے معنی میں صراحت رکھتا ہے۔

یہ ساری باتیں جو بیان کی گئیں یہ سب وہ اعتراضات تھے جنھیں موصوف نے تفسیر المیزان پر وارد کئے تھے موصوف نے دوسری فارسی تفسیروں میں نمونہ کے طور پر کچھ تحریفات کا ذکر کیا ہے ہم بھی نمونہ کے طور پر ان کے طرز تفکر کے ایک نمونہ کو خلاصہ کے طور پر نقل کررہے ہیں: موصوف اس آیت ''وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ'' ۔(۱) کے ذیل میں کہتے ہیں: مذکورہ آیت کی تفسیر کے بارے میں مذکورہ مفسر کہتے ہیں: ''اگر یتیموں کے ساتھ شادی کر کے اصول عدالت کی رعایت نہ کرسکو تو کتنا اچھا ہے کہ اسے نظر انداز کر کے پھر ایسی عورتوں کے پاس جاؤ جو یتیم نہیں ہیں۔''

اس آیت سے ایسا نتیجہ نکالنا اس کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند عالم مسلمانوں کو یتیموں سے شادی کرنے یا یتیم بچوں کی نوجوان ماؤں سے شادی کرنے اور ان کی حمایت کی تشویق کے بجائے فرمارہا ہے: احتمال ظلم کے خوف سے یتیموں کو چھوڑ دو اور ان عورتوں کے پاس جاؤ جو یتیم نہیں ہیں۔ صراحت کے ساتھ یہ کہا جائے کہ اس طرح کی تفسیروں کے مطابق خداوند عالم مسلمانوں کے درمیان ایک امر طبیعی کے عنوان سے ظلم کرنے کو قبول فرماتا ہے اور انھیں ایک یتیم سے شادی کرنے کو منع کررہا ہے (جس کی وجہ سے اس پر ظلم ہوسکتا ہے)

---

(۱) نساء (۴): ۳۔

جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے ظلم کرنا ایک غیر طبیعی امر ہے اس سے اس کو پرہیز کرنا چاہئے درحقیقت خداوند عالم کو بغیر کسی استثناء کے تمام مسلمانوں کو یتیموں سے شادی کرنے کی تشویق وترغیب کرنی چاہئے اور ان کی حمایت بھی کرنی چاہئے (جیسا

کہ اس آیت میں کہا ہے)۔اصل یہ ہے کہ مسلمان ظلم نہیں کرتا ہے اور اگر ظلم کرے تو اسے روکنا چاہئے عمل خیر (یتیم سے شادی، اس کی حمایت اور یتیم پروری) سے نہیں روکنا چاہئے'' یہ ہے موصوف کی عبارت....۔

موصوف نے آیت کے معنی سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یتیم لڑکیوں سے شادی کرنے میں ان کے ساتھ ظلم کرنے اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا احتمال ہے اور اس سے ڈر لگتا ہے لہٰذا چاہئے کہ ان سے شادی ہی نہ کرے بلکہ غیر یتیم لڑکیوں سے شادی کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یتیم لڑکیاں بغیر شوہر کے رہ جائیں گی اور صرف انھیں لڑکیوں کی شادی ہو سکے گی کہ جو یتیم نہیں ہیں جب کہ اس آیت اور اس موضوع سے مربوط دوسری آیات کا مضمون بالکل اس کے برعکس ہے۔مطلب کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ اس آیت سے پہلے والی آیت میں (ارشاد ہوتا) ہے: ''وَ آتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا''۔(۱)[یتیموں کے اموال ان کے سپرد کردو اور برے مال کو اچھے مال سے نہ بدلو (خراب محصول کو ان کے اچھے محصول کے ساتھ نہ بدلو) ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔]

---

(۱) نساء (۴):۲۔

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا'' یقیناً جو لوگ یتیموں کے مال کو ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ لوگ صرف آگ کھا رہے ہیں وہ عنقریب ہی ایسے عذاب کا مزہ

چکھیں گے جہاں دوزخ کی آگ شعلہ ور ہوگی۔(۱) یہ مذکورہ آیات اور دوسری آیات جو یتیموں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ بیان کر رہی ہیں کہ قانونی طور پر مکمل طور سے یتیموں کا مال محفوظ رہنا چاہئے۔ سورہ کی تیسری آیت وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔(۲) جو دوسری آیت وَ آتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَھُمْ کے سیاق میں ہے۔

جسے بھی عربی سے تھوڑی سی واقفیت ہے وہ ذرا بھی شک نہیں کرے گا کہ یہ ایک اخلاقی حکم اور ارشادی امر ہے، مولوی امر نہیں ہے جس طرح سیکڑوں ارشادی اوامر ہیں ''اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ'' اس کے مانند دوسرے اوامر) جو پورے قرآن میں بہت سے مقامات پر ہیں اور اس کا مضمون یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ خوف ہو کہ اگر وہ یتیموں سے شادی کر کے ان کے ساتھ عدالت وانصاف نہ کر سکیں (اور وہ لوگ خود اپنے سے مطمئن نہ ہوں تو چونکہ یہ ایک خطرناک اور ہلاک کن امر ہے لہٰذا وہ لوگ ان لڑکیوں سے شادی کریں جو یتیم نہیں ہیں اور اس ارشاد و رہنمائی کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ یتیم لڑکیاں معاشرہ کے اندر غیر شادی شدہ رہ جائیں کیونکہ کبھی بھی ایسا اتفاق نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ کے تمام مرد بغیر کسی استثناء کے یہ خوف رکھتے ہوں بلکہ کچھ افراد متقی و پرہیز گار ہوتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہوتے

---

(۱) نساء(۴):۱۰۔

(۲) نساء(۴):۳۔

ہیں جو نہیں ڈرتے اور وہ مستحکم و استوار ہوتے ہیں جیسا کہ اسلامی معاشرہ کے اندر کم یا زیادہ تر افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنی استقامت پر اعتماد و اطمینان نہیں رکھتے وہ لوگ ایسا اقدام کرنے سے ڈرتے ہیں وہ اس طرح کے ارشاد و ہدایت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

بنابرایں جوافسانوی بات کہی گئی ہے کہ اس کالازمہ یہ ہوگا کہ یتیم لڑکیاں بغیر شادی کے رہ جائیں گی اور یہ کہ خداوند عالم نے تمام مسلمانوں سے ظلم کوایک امر طبیعی کے عنوان سے قبول کیا ہے اور خدا کو یتیموں سے شادی اوران کی حمایت کرنے کی ترغیب وتشویق کرنی چاہئے یتیموں سے شادی کرنے سے روکنا نہیں چاہئے۔

یہ سارے اعتراضات بالکل بے بنیاد ہیں اوراس سے زیادہ پر لطف بات تو یہ ہے کہ موصوف نے آیت کے معنی میں صاحب یتیم جوان خواتین کا یتیموں کے ساتھ اضافہ کیا ہے جب کہ آیت میں اس کی کوئی خبر تک نہیں ہے!

ہم نے اس سے پہلے جو موصوف کی عبارت نقل کی ہے وہ اس کے ذیل میں کہتے ہیں:

''یہاں پرایک بہت اہم مسئلہ ہے اوروہ یہ ہے کہ قانون، ظلم کوروکنے سے عاجز ہے کیونکہ مذکورہ تفسیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا قانون کے اندراتنی توانائی نہیں ہے کہ ہر یتیم کے حق میں جوظلم کیا جائے اس سے روک سکے بنابرایں خداوند عالم ہر اس شخص کو یتیم اورصاحب یتیم (وہ عورت کہ جس کے پاس یتیم بچہ ہو) سے شادی کرنے کومنع کرتے ہوئے نصیحت کررہا ہے جس کواپنے بارے میں یہ احتمال وامکان ہے کہ وہ ظلم کرسکتا ہے کیونکہ قانون اس پرظلم کرنے سے روکنے کی توانائی نہیں رکھتا....''

موصوف چندسطروں کے بعد پھر یہ کہتے ہیں: ''دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس مفسر کے نظریہ کے مطابق ظاہراً عورت کی کوئی ذاتی اہمیت وشخصیت نہیں ہے اوراس کی شخصیت ایک مرد کی مرہون منت ہے جواس پر بالادستی رکھتا ہے، ہمیشہ اس کواپنے باپ یا خاندان کے کسی اثر و رسوخ رکھنے والے مرد کی ضرورت ہے جواس کے حقوق کا دفاع کرسکے کیونکہ وہ خود اپنے

حقوق کے تحفظ پر توانائی نہیں رکھتی ہے اور اسلامی حکومت کا قانون بھی ایک طرح سے بے بس ہے۔

اس تفسیر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کسی شخص کے سسر کا انتقال ہو جائے اور اس کی بیوی یتیم ہو جائے اگر اسے اپنی بیوی کا مال لینے میں خوف ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسے طلاق دے دے تا کہ اس پر ظلم نہ کرے۔'' اگر اس ارشادی اور نصیحت آمیز کا مضمون یہ ہو کہ تمام مسلمانوں کو ایسے کاموں سے پرہیز کرنا چاہئے جن کا نتیجہ خطرناک ہو تو موصوف کی یہ ساری عبارتیں اسلام پر یہ تہمت لگا رہی ہیں کہ اسلام میں کوئی معقول قانون نہیں ہے۔

قانون کچھ ایسے انفرادی و اجتماعی حقوق کا نام ہے جو انسانی معاشرہ کو ایک خوشبخت زندگی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ بنا برایں کسی قانون کا عاجز و ناتواں اور بے کفایت ہونا یا تو اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعض اعمال کے کچھ مقررات نہ ہوں یا اس لئے ہو سکتا ہے کہ بعض شائستہ یا غیر شائستہ اعمال کے لئے کوئی مناسب عوض نہ ہو جیسے بہت عظیم خدمات کے سلسلہ میں بہت معمولی و حقیر جزا ہو اور گناہان کبیرہ کے بدلے میں بہت معمولی سزا معین ہو یا قانون کا اجراء اور اس کا تعارف کرانے والے افراد ایسے ہوں جو بیکار اور بے کفایت ہوں۔

یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن سے قانون عاجز و ناتواں اور بے کفایت ہوتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا قانون ہو جو کسی واقعہ میں حکم فصل رکھتا ہو اتنے مقررات رکھتا ہو جو کافی ہوں اور وہ مکلّف کو آمادہ کرنے کے لئے اس کے ساتھ کچھ ہدایت و نصیحت بھی ضمیمہ کئے ہو، مکلّف کو قانون کی مخالفت کرنے سے ڈراتا ہو اور ان قانونی مقررات کے ساتھ کچھ ضمنی احکام بھی ہوں کہ جو اسے استحکام بخش رہے ہوں تو کبھی انسانی وجدان اس بات کے لئے حاضر نہیں

ہوگا کہ اس قسم کے خیر خواہی احکام کو قانون کے کمزور ہونے کی علامت سمجھے۔

یہیں سے موصوف کی بے بنیاد بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورۂ نساء کی تیسری آیت کے مضمون (اگر نصیحت ہو) کو اسلامی قانون کے عاجز ہونے کی دلیل بتایا ہے اوران کے نظر یہ کے مطابق قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی امر ارشادی اور نصیحت کا حکم آیا ہے جیسے: ''اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ'' اس کے بارے میں آسانی سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ قانون اسلام کے ناتواں ہونے کا ایک مستقل اعتراف ہے۔ سب سے زیادہ تعجب تو اس پر ہے کہ یہ کہا جائے کہ آیت کا حکم اس عورت تک سرایت کر جائے گا جو اپنے شوہر کے گھر ہے اور اس کے باپ کی وفات ہو جائے اور شوہر کو یہ خوف ہے کہ اس کے مال میں تصرف کر کے اسے ہڑپ لے گا تو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے جب کہ آیت زوجہ کے انتخاب کے سلسلہ میں ہے نہ یہ کہ زوجیت حاصل ہونے کے بعد طلاق کے وقت۔ اس کے علاوہ جو عورت اپنے باپ کی زندگی میں اپنی سسرال گئی ہے شوہر داری کر رہی ہے کچھ عرصہ بعد اس کے باپ کا انتقال ہو جائے اور وہ میراث پائے عام طور سے ایسی عورت بالغہ ورشیدہ ہوتی ہے ایسی عورت کا مال خود اس کے تصرف میں ہوتا ہے۔ دوسرے کے تصرف میں نہیں ہوتا۔

جن یتیم خواتین کے بارے میں قرآنی آیت بیان کر رہی ہے اور خاص طور سے جن کے مال کے بارے میں سفارش وتاکید کی گئی ہے وہ ایسی یتیم لڑکیاں ہیں جو بالغہ ورشیدہ نہیں ہیں۔ خداوند عالم سورۂ نساء کی چھٹی آیت میں ارشاد فرما رہا ہے! ''وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوآ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ لَاتَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافاً وَّ بِدَاراً'' اور یتیموں کی جانچ کر لو یہاں تک کہ وہ شادی کے لائق

ہو جائیں (جو اسلامی قانونی سن ہے) اگر تمھیں پتہ چل جائے کہ ان کے اندر رشد پیدا ہو گیا ہے تو ان کے سارے مال انھیں دے دو اور تم ان کے مال کو اسراف و بدار کے ساتھ نہ کھاؤ۔

محمد حسین طباطبائی

قم۔ جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ

No.......................Date..........
Section.......................Status..........
D.D. Class..............................
NAJAFI BOOK LIBRARY

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

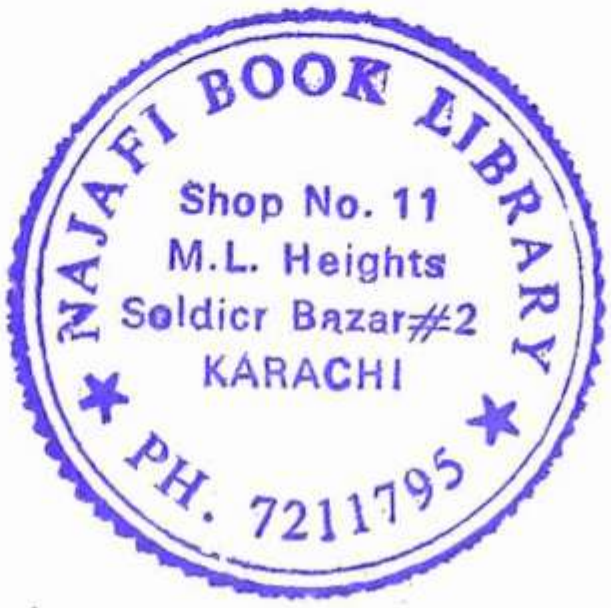

فہرست

حرف اول ـــــ ۷

عرض مترجم فہرست ـــــ ۱۱

مقدمہ ادارہ ھذا ـــــ ۱۳

محقق کا مقدمہ ـــــ ۱۵

عورت ـــــ ۲۱

عورت پچھڑی ہوئی قوموں میں ـــــ ۲۲

عورت، اسلام سے پہلے ترقی یافتہ قوموں میں ـــــ ۲۶

عورت، کلدانیوں، آشوریوں ورومیوں اور قدیم یونانیوں کے درمیان ـــــ ۲۹

عورت، اعراب کے درمیان ـــــ ۳۵

اسلام نے عورت کے بارے میں کیا انقلاب برپا کیا؟ ـــــ ۴۰

عورت کی حقیقت ـــــ ۴۲

اسلام میں عورت کی اجتماعی حیثیت ـــــ ۴۸

عورت اور مرد کے مشترک ومخصوص احکام ـــــ ۵۱

مغربی تمدن میں عورت کی آزادی ـــــ ۶۱

جنسی آمیزش کا اثر ـــــ ۶۳

شادی ـــــ ۶۹

۱۔ شادی، طبیعت کا ایک مقصد ہے ـــــ ۶۹

۲۔عورتوں پر مردوں کا دباؤ ـــــ۷۶
۳۔متعدد ازواج ـــــ۷۸
حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج ـــــ۱۱۱
جناب رسول خدا ﷺ کی ازواج کے بارے میں ایک تحقیق ـــــ۱۱۱
پیغمبر اکرمؐ کی شادیوں کے اسباب ـــــ۱۱۴
سرور کائنات ﷺ کی ازواج ـــــ۱۱۵
میراث میں تفاوت اور اس کا فلسفہ ـــــ۱۲۳
۱۔میراث کے بارے میں ایک تحقیق ـــــ۱۲۶
۲۔میراث میں تدریجی انقلاب ـــــ۱۲۸
۳۔متمدن قوموں کے درمیان وراثت ـــــ۱۳۰
۴۔اسلام نے کیا کیا؟ ـــــ۱۳۶
۵۔اسلام میں خواتین اور ایتام ـــــ۱۴۲
۶۔دور جدید میں میراث کے قوانین ـــــ۱۴۷
۷۔میراث کی روشوں کا موازنہ ـــــ۱۵۰
عورت کی اجتماعی شخصیت ـــــ۱۵۵
عورت ایک انسان نما جانور ہے ـــــ۱۵۶
عورت آزاد ہو کر بھی زنجیر میں! ـــــ۱۵۹
عورت اور اسلام ـــــ۱۶۴
اسلامی قوانین کی عمومی بنیادیں ـــــ۱۶۸

اسلام میں عورت کی حیثیت ـــ ۱۷۲

عورت اور مرد کے حقوق میں برابری ـــ ۱۷۶

ذمہ داری، عقل یا احساس کو سپرد کریں؟ ـــ ۱۸۳

موقت شادی (متعہ) ـــ ۱۸۹

چالیس سوالات اور جوابات ـــ ۲۱۵

عورت اور مرد کے برابر ہونے کی کیفیت اور سیاسی امور میں دخالت ـــ ۲۱۵

عورت اور مرد کی میراث ـــ ۲۱۷

مرد اور طلاق کا حق ـــ ۲۱۸

عورت اور اقتصاد ـــ ۲۱۸

تعدد زوجات ـــ ۲۱۸

اسلام ایک کامل دین ہے ـــ ۲۲۰

اسلام، فطری ہے ـــ ۲۲۳

حضرت زینبؑ اور منصب ولایت عہدی ـــ ۲۲۴

اسلام میں خانوادہ ـــ ۲۲۶

اسلام میں طلاق ـــ ۲۲۸

عورت اور انتخاب ہمسر ـــ ۲۲۸

اولاد کا مرد سے متعلق ہونا ـــ ۲۲۹

تربیت اولاد ـــ ۲۲۹

قوانین اسلام میں تبدیلی نہیں ہوتی ـــ ۲۳۰

مترقی دین ـــ ۲۳۳
فحشاء ومنکر کی قباحت ـــ ۲۳۴
ایک ناروابات ـــ ۲۳۵
شادی کا سن ـــ ۲۳۵
متعہ ـــ ۲۳۶
مسلمانوں کی تنزلی ـــ ۲۳۹
قانونی لحاظ سے سب برابر ہیں ـــ ۲۴۲
سور کا گوشت حرام ہونے کا فلسفہ ـــ ۲۴۴
مسکرات کے حرام ہونے کا فلسفہ ـــ ۲۴۴
جائز اور ناجائز تعلقات ـــ ۲۴۵
احکام اسلام کا تبدیل نہ ہونا ـــ ۲۴۶
احکام اسلام کا مقبول ہونا ـــ ۲۴۷
حضرت علی علیہ السلام کی ایک حدیث ـــ ۲۴۷
اسلام، دین توحید ہے ـــ ۲۴۸
ہلال اور اسلام ـــ ۲۵۰
چاند کا سفر ـــ ۲۵۰
عربی زبان اور اسلام ـــ ۲۵۱
یہود ـــ ۱۵۱
عورتوں کے بارے میں بعض آیات کی تفسیر اور ان کی تحقیق ـــ ۲۵۵

786
3081

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

www.ahl-ul-bayt.org